UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222891

UNIVERSAL
LIBRARY

PAGES MISSING WITHIN THE BOOK ONLY

جملہ حقوق محفوظ ہیں

زمانہ

مربیہ منشی دیانرائن نگم۔ بی۔ اے،

جلد ۲۸ | جنوری سنہ ۱۹۲۲ء | نمبر ۱

فہرست مضامین

تصویر۔ مان لیلا (رنگین)

۱۔ سلطنت برطانیہ
از بابو انت پرشاد نگم۔ بی اے، ایل ایل بی ۱

۲۔ ہندوستان کی مالی پالیسی
از پنڈت سری رام شرما بی اے (آنرس) ۱۱

۳۔ ارتقائے زبان
از خان بہادر مرزا سلطان احمد خان ۱۷

۴۔ عجائبات سنریپ
از منشی محمد حسین عرجی لکھنوی ۲۴

۵۔ موٹھ (قصہ)
از منشی پریم چند ۳۱

۶۔ تنقید کتب
از "انعطفی" ۴۷

۷۔ بھارت ماتا
از منشی اقبال ورما تحر ہنگامی ۵۵

۸۔ سرود عشق
از چودھری حکمت سوہن لال ون ایم اے ایل ایل بی ۵۸

۹۔ تلاش سکون
از سید محمود اعظم فہمی ترمذی ۶۰

۱۰۔ سال نو
از حضرت برق دہلوی بی اے ۶۳

زمانہ پریس کانپور سے شایع ہوا

اخبار آزاد کانپور

اردو کا بہترین ملکی اخبار جو ایڈیٹر صاحب زمانہ کی زیر نگرانی ہر پنجشنبہ کو کانپور سے شایع ہوتا ہے۔ آزاد ملکی واقعات کا ایک مکمل آئینہ ہے۔ قیمت سالانہ طلبہ نمونہ مفت

قیمت رسالہ زمانہ۔ ممالک غیر سے منے روپیہ سالانہ ششماہی ۵ روپیہ ہندوستان کیلئے ششماہی ساڑھے ۲ روپیہ

شربت اکسیر

جریان اور کمزوری کی لاثانی دوا

اگر آپ اشتہاری ادویات سے بدگمان ہو گئے ہوں تو ایک روپیہ اور بھی خرچ کر کے ہمارے کارخانے کا شربت اکسیر استعمال کر کے قدرت خدا کا تماشہ دیکھئے

آج کل اشتہاری طبیب اور دوافروشوں کی لمبی چوڑی عبارت آرائی اور جھوٹی تعریفوں سے ملک میں جسقدر بدگمانی پھیلی ہوئی ہے اسے دیکھکر حیرت نہیں ہوتی کہ کسی دوا کا اشتہار پیش کرون مگر یہی سخت غلطی ہے کہ کوئی ایسی چیز جو عام طور سے مفید ثابت ہو چکی ہو پبلک سے پوشیدہ کیجاوے۔ لیجئے جناب یہ شربت اکسیر جسکا اشتہار آپ کے زیر نظر ہے۔ اسکا نسخہ مجھے ایک کہنہ مشق ارمین ڈاکٹر سے ملا ہے اور شربت اکسیر کا اشتہار دینے کے قبل صدہا مریضوں پر مجھے کامل اطمینان ہو گیا تو آج اشتہار آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اگر میری تحریر کو لغو نہ سمجھیں تو ایک شیشی شربت اکسیر منگا کر استعمال فرماویں۔ میری تحریر کی صداقت آپکو فوراً ہو جاویگی۔ مندرجہ ذیل امراض کے لئے شربت اکسیر واقعی اکسیر ثابت ہوا ہے۔ جریان جوانمردی اور ضعف باہ کا پیش خیمہ ہے کیسا ہی پرانا کیون نہو شربت اکسیر کے استعمال سے جڑ سے جاتا رہتا ہے۔ جسم میں کمزوری۔ پیشاب کے قبل یا بعد سفید دھات کا گرنا۔ منی کا پتلا ہو جانا۔ احتلام کا ہونا۔ نطفہ کا نہ قرار پانا اور درد سر کا برابر رہنا۔ سستی۔ کاہلی۔ اور چہرہ پر بالکل بیرونقی۔ خون کا بدن میں نہ پیدا ہونا۔ ان سب مہلک امراض کے لئے شربت اکسیر نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ معدہ دل و دماغ تو ایسا ہے کہ شاید ہی اسکے مقابلہ کی کوئی دوسری دوا ہو۔ ہاضم اسقدر ہے کہ آپ ایک ہفتہ کے بعد دودھ غذا نوش کرنے لگیں گے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ عدہ محصول علاوہ۔ فرمایش لکھتے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دیجئے گا۔

ہزارون شہادتون میں سے دو شہادتیں ملاحظہ فرمایئے

جناب سید شاہ مطیع الرحمن صاحب دلاور پور مونگیر سے تحریر فرماتے ہیں۔ جناب حکیم صاحب آپکا شربت اکسیر نہایت ہی مفید ثربہت ثابت ہوا۔ مجھکو یہ بیماری تقریباً دو سال سے مصیبت ناگوار میں مبتلا کئے ہوئے تھی۔ بفضل ایزد متعال و بدولت کامگار نے زندگی ملک سے امن و امان کے گوشے میں لا بٹھایا۔ اور وہ امید کی لہریں میری زندگی میں وابستہ ہو گئیں اور پھر زندگی کے قاصد نے آکر مبارکبادی کی خبریں سنائیں۔ جس سے میں بہت مسرور ہوا۔ امید اچھا ہونے کی نہیں تھی مگر شکر ہے۔ فی الحال ایک شیشی شربت اکسیر کی مندرجہ ذیل پتہ سے روانہ فرمایئے۔

جناب جیون صاحب سلطان پور ضلع بھلسہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ شربت اکسیر ایک شیشی اور بہت جلد روانہ فرمایئں چونکہ میں نے اس سے پیشتر آپ سے ایک شیشی منگائی تھی جو بہت عمدہ نکلی اور بیشک اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ جتنی اسکی تعریف کی جاوے کم ہے۔ میں نے صدہا مقامات سے دوائیں منگا کر استعمال کی ہیں لیکن وہ سب کی سب بے سود نکلیں۔ وللہ آپکا شربت نایاب ہے۔ امید کرتا ہوں کہ آپ کی سی اشیاء کسی ڈاکٹر کے پاس نہونگی۔ آپ کی دوائیں بہت اچھی ہیں۔ میں آپ کی ادویات سے بہت خوش ہوں۔

ملنے کا پتہ۔ ایس۔ اے۔ بی بخشی اینڈ کو موجد شربت اکسیر کوٹھی نمبر ۲ کولوٹولہ اسٹریٹ پوسٹ بکس نمبر ۱۱۴ کلکتہ

زمانہ

جلد ۳۸ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء نمبر ۲۲۶

سلطنت برطانیہ

روے زمین کی تمام سلطنتین مرتبہ مین برطانیہ سے کم ہین۔ کوئی برِ اعظم ایسا نہین جسکے کسی نہ کسی حصہ پر برطانیہ کا کم وبیش سایہ نہو۔ یہ نتیجہ ہے اُس محبت وجفاکشی کا جو اہل برطانیہ اپنی مادی ترقی کے دعوے مین گذشتہ چار سو برس سے کر رہے ہین ملکہ الیزبتھ کے وقت مین سلطنت برطانیہ گریٹ برٹن اور آئرلینڈ کے قلیل رقبہ مین محدود تھی لیکن اس حوصلہ مند فرمانروا کے ملک کی امداد اور ہمت افزائی نے اہل انگلینڈ کو اپنے گرد وپیش دور دراز ملکون کی طرف متوجہ کیا اور اس حوصلہ مند قوم نے یکے بعد دیگرے اُن مقامات پر قبضہ کرنا شروع کیا جہان یورپین تہذیب کی ہوا تک نہ پہونچی تھی آخر کار توسیع سلطنت کی ہوس نے اس فاتح قوم کو مفتوحہ مقامات پر آباد ہوکر تعلقات بڑھانے پر مجبور کیا۔ اور رفتہ رفتہ تمدن اور حکومت کی رفتار کے ساتھ ان نوآبادیون کے طرز حکومت مین نمایان تبدیلیان ہوتی رہین اور آخر کار نوآبادیون کے تمام جدید باشندون مین انگلش تہذیب کی خو بو اثر کر گئی اور اسی روش پر چلنا سیکھ گئے اس لحاظ سے یہ کہنا بھی بیجا نہین کہ نوآبادیون کی جدید نسل انگریزون کی معنوی اولاد ہے چنانچہ کناڈا وغیرہ مین عرصے سے نہ صرف انگلستان کا سا ذمہ وار طرز حکومت قائم ہے بلکہ وہان

کے باشندون نے اپنے ملکی نظام حکومت مین خود مختار ہین۔

برٹش ایمپائر کی نوآبادیان باعتبار طرز حکومت کے دو اقسام مین تقسیم ہوسکتی ہین اول کراون کالونیز (CROWN KALONIZ) یعنی وہ نوآبادیان جنمین برطانوی گورنمنٹ براہ راست حکومت کرتی ہے۔ یہ وہ مقامات ہین جہان یا تو انگریزی نسل کے لوگ بکثرت آباد نہین ہوئے یا جو امپیریل پالیسی کے لحاظ سے اس قابل نہین سمجھے جاتے کہ انکو حکومت خود اختیاری عطا کی جاوے اگرچہ اکثر نوآبادیون مین منتخبہ کونسلین قائم ہین دوم ڈومینینس یعنی وہ نوآبادیان جو ملکی نظام حکومت مین پورے طور پر خود مختار ہین اور صرف چند امور خارجیہ مین گورنمنٹ برطانیہ سے وابستہ ہین۔ کراون کالونیز کے بارے مین اس جگہ صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ انکی حیثیت برطانوی مقبوضات کی سی ہے اور ہر نوآبادی کے لیے ایسا طرز حکومت قائم کیا گیا ہے جو برٹش ایمپائر کے اقتدار اور بہبودی کے لیے حکمران برطانیہ کی نظرون میں مفید معلوم ہو۔ مگر ڈومینینس کی حالت دوسری ہے انکو یہان تک اختیارات ہین کہ وہ ایسے قوانین نافذ کرین جو حکمرانان برطانیہ کی مرضی کے خلاف ہون ایسے انکا مقابلہ خود مختار سلطنتون سے ہوسکتا ہے۔ انکی تعداد اسوقت پانچ ہے۔

(۱) ڈومینین آف کناڈا۔

(۲) کامن ویلتھ آف آسٹریلیا۔

(۳) ڈومینین آف نیوزیلینڈ۔

(۴) یونین آف ساوتھ افریقہ (جنوبی افریقہ)

(۵) نیوفاؤنڈلینڈ۔

متذکرۂ بالا نوآبادیون کے نظم ونسق پر غور کرنے سے پیشتر انکی گذشتہ تواریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی حالت کیا سے کیا ہوگئی۔ نوآبادیان صرف اسی سلطنت کے ساتھ وابستہ ہوسکتی ہین جو اپنی مملکت مین کسی بیرونی قوت کی دستانداز نہون بلکہ اسکے باشندے خود توسیع تجارت وتوسیع تعلقات کی دھن مین اپنے ملک کے باہر قدم نکالکر اپنے سے کمزور ملک خواہ قوم پر اپنا سکہ جمائین اور رفتہ رفتہ اسقدر گہرے

تعلقات پیدا کرلین کہ وہان خود آباد ہوجائین یا کم ازکم اپنی صنعت وتجارت کے لیے اسکو اپنا بازار بنائین - اسی طرح یورپین اقوام مین سے ہر ایک نے اپنی نوآبادیان قائم کی ہین کناڈا مین برٹش نوآبادی قائم کرنیکی باقاعدہ ابتدا ۱۶۰۸ء مین ہوئی جبکہ ہرسن بے کمپنی کو شاہ انگلستان نے چارٹر عطا فرمایا تھا - مگر وہان پر فرانسسی قوم نے پہلے سے اپنا سکہ جمایا تھا چنانچہ کچھ زمانے تک انگریزون اور فرانسیسیون کے درمیان کشمکش رہی ۱۷۵۹ء مین باضابطہ طور پر کناڈا کا الحاق سلطنت برطانیہ کے ساتھ کر لیا گیا اور ۱۷۶۳ء مین فرانسیسی کناڈا بھی ایمپائر مین شامل ہوجانیکے بعد کناڈا بطور کراون کالونی کے شمار کیا جانے لگا - ۱۷۹۱ء مین ایک مجلس قانون سازی قائم ہوئی اور کناڈا کو دو صوبون (اپر کناڈا اور لوور کناڈا) مین تقسیم کر دیا گیا - نووا اسکوٹیا و پرنس اڈوارڈ اور نیو برونک کی نوآبادیان بھی اٹھارویں صدی مین قائم ہوگئی تھین اور ان سب مین گورنر اور ایک کونسل ایگزیکٹیو اور لیجسلیٹو فرایض انجام دیتے تھے - متعینہ کونسل کے ساتھ ایک غیر ذمہ دار ایگزیکٹیو گورنمنٹ کی موجودگی نے کناڈا مین ایک عجیب بےچینی پیدا کر رکھی تھی چنانچہ حکومت سے ناراضگی اور آپس کی پھوٹ نے انقلاب پیدا کر دیے آخر کار لارڈ ڈرہم نے اپنی تحقیقات کی بنا پر آئین حکومت مین اصطلاحات کی سفارش کی جسکا نتیجہ برٹش نارتھ امریکہ ایکٹ ۱۸۶۷ء کی شکل مین نمودار ہوا - اب کناڈا ایک ڈومینین بنگیا اور مختلف نوآبادیان جو ڈومنین آف کناڈا مین شامل کی گئین وہ اسکے صوبے ہوگئے - برٹش کولمبیا - جزیرہ پرنس اڈورڈ اور شمالی و مغربی مقبوضات گو اسوقت عملی طور پر کناڈا مین شامل نہین ہوتے تھے لیکن قانون مین اسکی اجازت دیدی گئی تھی اور آخر کار وہ بھی کناڈا کا جز بنگئے ۱۸۷۱ء کے ایکٹ کے مطابق کناڈا مین اصولاً برطانیہ کے طرز کا آئین قائم ہوگیا -

آسٹریلیا مین نوآبادیون کی عمر مقابلتاً کم ہے اور انکی پیدائش بھی انوکھے طرز کی ہے آسٹریلیا کے دریافت کرنے کا سہرہ کپتان کوک کے سر پر باندھا گیا تھا - یہ اٹھارویں صدی کا وہ آخری زمانہ تھا جبکہ انگلستان مین بھی بغاوت کے الزام مین لوگ جلاوطن کیے جاتے تھے - ان مجرمون کی آبادی نے آسٹریلیا کو نوآبادی بنا دیا جسکا باقاعدہ اعلان ۱۷۸۹ء

مین کیا گیا۔ ۱۸۲۳ء تک گورنر اپنی ذاتی راے کے مطابق حکومت کرتا تھا مگر آزادمنش آدمیون کی زیادتی نے آخرکار قانونی کونسل قائم کرائی گو کہ اسوقت جملہ ممبران نامزدہ تھے مگر رفتہ رفتہ منتخبہ ممبران مین اضافہ ہوتا رہا۔ نیوساوتھ ویلز۔ وکٹوریا اور جنوبی آسٹریلیا کی نوآبادیان بھی انیسوین صدی کی ابتدا مین قائم ہوئین۔ اور تقریباً نصف صدی تک گورنر کی مطلق العنان حکومت کے زیر اثر رہین اور انمین بھی رفتہ رفتہ آئینی اصلاحات ہوتی رہین۔ ان تمام نوآبادیون کی درمیانی کشمکش اور جرمنی کے ہمسائگی کے خوف کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوئے لگا کہ آپس مین ایسا رشتۂ اتحاد ہونا چاہیے کہ مصیبت وضرورت کے وقت ایک دوسرے کے کام آئین چنانچہ کامن ویلتھ آف آسٹریلیا ایکٹ ۱۹۰۰ء پاس ہوا جسکے بموجب نیوساوتھ ویلز۔ وکٹوریا۔ جنوبی آسٹریلیا۔ کوئنس لینڈ اور ٹسمانیہ کی ایک متحدہ حکومت زیرسایہ سلطنت برطانیہ قائم ہوگئی۔

نیوزیلینڈ کا الحاق ۱۸۴۰ء مین سلطنت برطانیہ کے ساتھ کیا گیا۔ مگر انیسوین صدی کی ابتدا مین نیوساوتھ ویلز کے باشندون نے نیوزیلینڈ پر اپنا اثر ڈالا اور کچھ دنون تک نیوزیلینڈ نیوساوتھ ویلز کے ماتحت رہا۔ آخرکار ۱۸۳۹ء مین برطانوی حکومت قائم ہوگئی ۱۸۴۱ء مین ایک گورنر اور کونسل مقرر کیے گئے جنکو انتظامی اور قانونی دونون اختیارات حاصل تھے اور نیوزیلینڈ ایک کراون کالونی بنگیا۔ مگر نیوزیلینڈ مین جو انگریز آباد ہوے تھے انکی آزادخیالی کی وجہ سے نظام حکومت مین تبدیلی ضرور معلوم ہوئی۔ ۱۸۵۲ء مین ایک قانون پاس ہوا جسکے بموجب نیوزیلینڈ مین گورنر اور ایک نامزدہ لیجسلیٹو کونسل اور ایک منتخبہ ہاؤس آف ریپریزنٹیٹوز قائم کیے گئے اور کل ڈومینن کو چھ صوبون مین تقسیم کیا گیا اسطور پر ذمہ دار حکومت کا خاکہ ۱۸۵۳ء مین تیار کردیا گیا اور ۱۸۵۶ء مین حکومت واقعی طور پر ذمہ دار کردی گئی۔

نیوفاؤنڈلینڈ بھی کناڈا کی طرح عرصہ تک انگریزون اور فرانسیسیون کی جد وجہد کا شکار رہتا رہا۔ مگر کناڈا کے ساتھ ساتھ نیوفاؤنڈلینڈ بھی سلطنت برطانیہ مین شامل ہوگیا اس جزیرہ کی حکومت کے لیے انگلستان سے افسرون کی تقرری ہوا کرتی تھی ۱۸۳۳ء مین

منتخبہ لیجسلیٹو اسمبلی اور ایک ایگزیکٹیو کونسل قائم ہوئی مگر باشندگان کا تقاضا ذمہ دار حکومت کا تھا چنانچہ ۱۹۰۶ء مین ایگزیکٹیو کونسل اور لیجسلیٹو اسمبلی کے تعلقات کی تراش خراش اسطور پر کی گئی کہ حکومت نمایندگان رعایا کے سامنے ذمہ دار ہو۔

جنوبی افریقہ اسوقت مختلف نوآبادیون کا مجموعہ ہے۔ کیپ کالونی پر انگریزون کی باقاعدہ حکومت ۱۸۱۴ء سے شروع ہوئی ۱۸۳۸ء مین گورنر اور کونسل قائم کیے گئے اس کونسل مین جملہ ممبران نامزد تھے ۱۸۵۳ء سے ممبران کونسل منتخب ہونے لگے اور ذمہ دار حکومت ۱۸۷۲ء مین قائم کردی گئی۔ نٹال پر انگریزی اثر ۱۸۲۴ء مین شروع ہوا مگر بوئرون نے ۱۸۳۸ء مین قبضہ کرلیا جسے انگریزون نے ۱۸۴۳ء مین پھر چھین لیا اور اسکی حکومت کیپ کالونی کے ماتحت کردی گئی لیکن بعد مین نٹال کا نظام حکومت بھی بطور ایک علیحدہ کالونی کے بنا دیا گیا۔ ۱۸۹۳ء مین نٹال مین ذمہ دار حکومت قائم کردی گئی۔ آرنج ریور اور ٹرانسوال ۱۸۴۸ء مین شامل کیے گئے تھے مگر بوئرون نے رفتہ رفتہ اپنا اثر قائم کرلیا۔ ۱۸۹۹ء مین جب بوئرون سے برطانیہ نے صلح کی اسوقت ان دونون نوآبادیون مین گورنر اور کونسلین قائم ہوئین۔ ٹرانسوال مین ذمہ دار حکومت ۱۹۰۶ء مین اور آرنج ریور کالونی مین ۱۹۰۷ء مین قائم کردی گئی۔ ۱۹۰۹ء مین ساوتھ افریقہ ایکٹ پاس کیا گیا جسکے ذریعہ مندرجۂ بالا چارون نوآبادیان کی متحدہ گورنمنٹ زیر سایہ سلطنت برطانیہ قائم ہوگئی اور نوآبادیان ساوتھ افریقہ کے صوبے ہوگئین

گویا کہ جو آبادیان عموماً سترھوین صدی مین دریافت ہوئی تھین اور جنھین حضرت انسان کے مہذب فرقہ نے باقاعدہ طور پر اپنی بود و باش ابتدائے اٹھارھوین صدی سے شروع کی ان سب نے انیسوین صدی کے دوران مین اپنے ملکی و مال پر پورا قابو کرلیا۔ آج نوآبادیان اپنے اپنے ملک مین خود اختیاری کا بجا فخر کرتی ہین۔ یعنی حکومت نمایندگان رعایا کے سامنے جوابدہ ہے۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ نوآبادیان آخر کار جزو سلطنت برطانیہ ہین لہذا نوآبادیون اور برطانیہ عظمیٰ کے درمیانی تعلقات بےچینی سے خالی نہین۔ کیونکہ قانون سازی مین انتہائی خود مختاری حاصل

ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ نوآبادیون کے افعال برطانیہ کے لیے مضر ثابت ہون یا کم از کم امپیریل رعب و داب پر بُرا اثر پڑے۔ عملی طور پر ایسے قواعد مرتب کیے گئے ہین کہ ایسی کشیدگی پیدا نہ ہوسکے۔

سلطنت برطانیہ خالص جمہوریت کا دعوی نہین کرتی بلکہ یہان کا والی حکمران سمجھا جاتا ہے اور جملہ احکامات سلطان المعظم کے نام سے صادر کیے جاتے ہین۔ ملک معظم اپنے افعال کے لیے رعایا کے سامنے جوابدہ نہین ہین۔ مگر وہ اپنے وزرا کے مشورہ سے کام کرتے ہین حقیقتاً یہی مشورہ برطانیہ کی حکومت ہے اور وزرا اپنے مشورہ کے لیے ایوان پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہین۔ حکومت سے غلطی صادر ہونے پر والی ملک اپنے تخت و تاج سے محروم نہین کیے جاسکتے مگر وزرا اپنے عہدون سے علیحدہ ہوتے ہین۔ نوآبادیون مین بجاے سلطان المعظم کے انکے قائم مقام مقرر کیے جاتے ہین اور عملی طور پر انکو جملہ شاہی اختیارات حاصل ہین بجز اُن اختیارات کے جو صرف خود مختار سلطنتون کا حصہ ہین مثلاً جنگ کا اعلان کرنا۔ سکہ رائج کرنا وغیرہ۔ ایسے امور مین نوآبادیان برطانیہ عظمیٰ کی ماتحت ہین مثلاً کناڈا اگر امریکہ کے خلاف جنگ کرنا چاہے تو بلا رضامندی برطانیہ عظمیٰ کے نہین کرسکتا نوآبادیون کو ایسے قوانین بنانے کا اختیار بھی نہین ہے جنکا اثر نوآبادیون کے حدود سے تجاوز کر جائے مثلاً ایسے مجرمون کے مقدمے نوآبادی پارلیمنٹ کے قانون کے مطابق نہین ہوسکتے جنکا ارتکاب جرم نوآبادیون کے حدود سے باہر ہوا ہو۔

بین الاقوامی معاملات مین جنکا تعلق نوآبادیون سے مخصوص نہ ہو بلکہ الکا اثر برٹش ایمپائر اور دیگر خود مختار سلطنتون کے درمیانی تعلقات پر ہو امپیریل گورنمنٹ کو پورا اقتدار ہے عام اس سے کہ نوآبادیان اُن معاملات مین امپیریل گورنمنٹ کی راے سے اتفاق کرین یا نہ کرین مثلاً جب برٹش گورنمنٹ نے جرمنی سے اعلان جنگ کیا اسوقت نوآبادیون کی راے شامل نہ تھی گو اُنھون نے یورپین اعلان جنگ مین اتفاق کیا تھا۔ مگر جنگ یورپ نے زاویہ نظر کو اسقدر تبدیل کر دیا کہ جو بات قبل از جنگ زیادہ اہمیت نہ رکھتی تھی وہ دوران جنگ مین عملی طور پر ممکن ہوگئی۔ بین الاقوامی معاملات مین نوآبادیون کا وہ

مرتبہ اصولاً نہیں ہوسکتا جو خود مختار سلطنتوں کو حاصل ہے یعنی خود مختار سلطنتیں آپسمیں براہ راست تعلقات پیدا کرسکتی ہیں لیکن نوآبادیوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے نوآبادیوں نے اس معاملہ میں بھی قدم بڑھانا شروع کردیا اور ۱۹۱۲ء میں جو بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اسمیں نوآبادیوں کو اپنے خاص نمایندے بھیجنے کا حق حاصل ہوگیا جنگ یورپ نے آبادیوں کے لیے ایک مزید موقع اپنے حقوق میں اضافہ کرنے کا پیدا کردیا۔ انکا دعوی تھا کہ صلح کے موقع پر انکو کم ازکم اتنے اختیارات ملنے چاہئیں جو چھوٹی چھوٹی اتحادی سلطنتوں کو حاصل تھے۔ آخرش یہ طے ہوا کہ سلطنت برطانیہ کو پانچ ڈیلیگیٹ بھیجنے کا حق ہو جسمیں نوآبادیوں کی شرکت ہو مگر جب کسی امر پر رائے دہی کا موقع آوے سلطنت برطانیہ کا ایک ووٹ بحیثیت مجموعی شمار کیا جاوے۔ اسطرح پر سلطنت کی یکجہتی بھی قائم رہی اور بین الاقوامی معاملات میں نوآبادیوں کو خاص مرتبہ بھی حاصل ہوگیا مجلس بین الاقوامی ( ) میں اب نوآبادیاں تین ڈیلیگیٹ بھیج سکتی ہیں گو لیگ کی کونسل میں برٹش ایمپائر بحیثیت ایک متحدہ سلطنت کے شریک ہوتی ہے امور ات خارجیہ میں سے ان معاملات میں جو آبادیوں سے خاص تعلق رکھتے ہوں نوآبادیوں کو بہت زیادہ اختیارات ہیں۔ ایسے کسی معاہدہ کی یا بمند نوآبادیاں نہیں ہیں جو امپیریل گورنمنٹ نے بلا انکی رضامندی کے تکمیل کیے ہوں اصولاً امپیریل گورنمنٹ ہی کو ایسے معاہدوں کی تکمیل کا استحقاق ہے۔ لیکن سمجھوتہ یہ ہے کہ جس نوآبادی سے ان امور کا تعلق ہے اُس کے نمایندے (نہ کہ امپیریل گورنمنٹ کے ڈیلیگیٹ) معاملات طے کرنیکے لیے بھیجے جائیں۔ صرف دو باتوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ان نمایندوں کیلیے ضروری ہے اول غیر ممالک فریق ثانی کو بھی ایسی رعایت اُس نوآبادی کے لیے مخصوص نہ کرے جس سے سلطنت برطانیہ کے کسی دوسرے حصہ کو ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہو دوم یہ کہ اُس نوآبادی نے جو جو رعایات غیر ممالک کے حق میں روا رکھی ہیں وہ برطانیہ کے لیے بھی روا رکھی جائیں۔ اسطرح پر نوآبادیوں کے نمایندے غیر اقوام سے براہ راست تجارتی تعلقات پیدا کرسکتے ہیں۔

نوآبادیوں کا ملکی نظام حکومت قریب قریب کلیتاً آئین برطانیہ کی نقل ہے۔ ہر ایک

نوآبادی مین ڈبل ایوان کی پارلیمنٹ قائم ہے گو ایوانون کے نام مین کسی قدر اختلاف ہے۔ کناڈا مین دارالعوام کا نام ہاؤس آف کامنس ہے۔ آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ مین اسکو ہاؤس آف ریپریزنٹیٹوز کہتے ہین۔ نیوفاؤنڈلینڈ اور جنوبی افریقہ مین اسکا نام لیجسلیٹو اسمبلی اور ہاؤس آف اسمبلی رکھا گیا ہے۔ دوسرے ایوان کے نام مین برطانیہ کے بجاے امریکہ کی نقل کی گئی ہے۔ کناڈا۔ آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ مین اسکا نام سینٹ ہے اور بقیہ دو نوآبادیون مین اس ایوان کا نام لیجسلیٹو کونسل رکھا گیا ہے۔ تعداد نمایندگان مین ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت نہین۔ مثلاً نیوفاؤنڈلینڈ کی اسمبلی مین ۳۶ ممبر ہین مگر کناڈا مین ممبران ہاؤس آف کامنس کی تعداد ۲۳۴ ہے۔ نوآبادیون کے صوبجات مین بھی اسی طور پر پارلیمنٹین قائم ہین اور بجز کناڈا کے صوبجات کے جملہ پارلیمنٹون مین دو ایوان ہین۔ منتخب کنندگان کے لیے سواے ایک خاص عمر اور ایک خاص عرصہ تک کی آبادی کے اور کوئی شرط نہین اسی طرح پر عموماً ۲۵۰۰ باشندون کو ایک نمایندہ بھیجنے کا حق ہے۔ عورتون کو حق انتخاب مردون کے برابر حاصل ہین گو انھون نے ابھی تک اس امر مین کوئی نمایان حصہ نہین لیا۔ ممبران پارلیمنٹ کی تنخواہین مقرر ہین مثلاً آسٹریا مین ایکہزار پاؤنڈ سالانہ۔ کناڈا مین آٹھسو پاؤنڈ سالانہ۔ ہر دو ایوان کے درمیانی تعلقات قریب قریب ایسے ہی ہین جیسے کہ برٹش پارلیمنٹ مین۔

دارالعوام مین تو سب جگہ عوام کے نمایندے ہوتے ہین مگر دوسرے ایوان مین بھی کسی قدر انتخاب کا عنصر شامل ہے مگر اسمین زیادہ تر نامزدگی عمل مین لائی جاتی ہے۔ ہر دو ایوان کو ملاکر ممبران اسطور پر پارلیمنٹ مین شامل ہوجاتے ہین کہ ہر فرقہ و ہر طبقہ کے لوگون کی نمایندگی ہوسکے۔ مگر یہان پر اس مسئلہ کی ناخوشگوار موجودگی پائی جاتی ہے جسکی بنا پر اہل مغرب مشرقی اور مغربی تہذیب مین یگانگت پیدا کرنا اپنے لیے باعث ذلت سمجھتے ہین۔ اسطرح پر رنگ اور نسل کی تفریق و تمیز پر اصرار کیا جاتا ہے۔ مثلاً جنوبی افریقہ مین ہندوستانیون کو حق انتخاب نہین ہے اہل ہند جو جنوبی افریقہ مین آباد ہین بوجہ اسکے کہ گورنمنٹ پر اپنا اثر نہین ڈال سکتے ہمیشہ رنگ کی بنا پر ذلیل و خوار رہے ہین

مہاتما گاندھی کی آن عظیم الشان خدمات کے بغیر جو آنھون نے ۱۹۱۴ء تک اپنی عیش و آرام اور جان و مال کو نثار کرکے انجام دی ہین جنوبی افریقہ سے اہل ہند شاید نیست و نابود ہوگئے ہوتے یا کم از کم کئی ملیون سے زیادہ کم وقعت ہوتے۔

گورنمنٹ ہند کی حال کی کارگذاریون سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہند کی افسوسناک حالت مین ایک بہت بڑی تبدیلی واقع ہورہی ہے مگر یہ امر قابل افسوس ہے کہ اس گفتگو سے صلح مین بھی گورنمنٹ کا لہجہ ایک بیکس قوم کے وکیل کا ہے۔ یہ نوآبادیون سے رعایت کی طلبگار رہے نہ یہ کہ اہل ہند کے ان حقوق کو ملحوظ رکھے جو انکو قدرت نے عطا فرمائے ہین اور جنکی حفاظت اور امانت کے لیے برٹش گورنمنٹ اپنی اخلاقی پابندی کا بیڑا اٹھا چکی ہے

ذمہ دار حکومت کے رائج ہونے سے جو خاص فوائد نوآبادیون کو ہوے وہ مختصر طور سے یہ ہین کہ اولاً اندرونی نظم و نسق مین نوآبادیان بالکل خودمختار ہین یہان تک کہ برطانیہ عظمیٰ کو دخل دینے کا مجاز نہین ہے۔ دوم یہ کہ نوآبادیان غیر اقوام کے ساتھ تجارتی عہدنامون کی تکمیل اپنی مرضی کے مطابق کرسکتی ہین۔ ان دونون باتون مین برطانیہ عظمیٰ کی امپیریل پالیسی اور سلطنت کے دیگر حصص کو ضرر نہ پہونچے۔ سوم یہ کہ نوآبادی خودمختاری کی ایک حد ہے یعنی مکمل طور پر خودمختار سلطنت کے لیے جو حقوق محدود ہین نوآبادیان انکا دعوی نہین کرسکتین۔ مثلاً ممالک غیر سے جنگ چھیڑنا۔ مگر ہندوستان کے معاملہ مین نوآبادی طرز حکومت دیتے وقت یہ خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کہ جن جن نوآبادیون مین ذمہ دار حکومت رائج ہے وہ سب اولاً انگریزی نسل ہی سے آباد ہین۔ دوسرے خطہ حارہ سے دور واقع ہوئی ہین یعنی بقول ایک مصنف کے گرم ممالک ذمہ دار حکومت کے اہل نہین ہوسکتے۔ اسکی وجہ شاید یہ ہو کہ گرم ممالک مین اہل انگلینڈ ہمیشہ کے لیے آباد نہین ہوسکتے اور چونکہ آزادی صرف یورپین اقوام کے لیے قدرت نے پیدا کی ہے اسلیے گرم ممالک کے باشندے اسکے مستحق نہین ہین۔

یہ خیال (جہان تک اصول کا تعلق ہے) اب ہندوستان کی بابت برٹش گورنمنٹ کی آیندہ پالیسی کا اعلان ہونے سے غلط قرار دیا گیا۔ البتہ ابھی اس دور جدید کو

عملی پالیٹکس مین آنے مین کچھ دیر معلوم ہوتی ہے ورنہ کیا سبب ہو کہ جنوبی افریقہ کے ہندوستانی باشندون کے ساتھ ایسا برتاؤ روا رکھا جاوے جسکو اہل ہند اپنے لیے باعث ذلت وشرم سمجھتے ہین اور جو اصولاً بھی نو آبادیکے حقوق کی حدود سے بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہی یعنی وہ ایسے قوانین نافذ نہین کرسکتے جو سلطنت برطانیہ کے دوسرے حصہ کے لیے مضر ثابت ہون خیر ہمکو امید کرنا چاہیے کہ اس ناخوشگوار طریقہ کا خاتمہ بہت جلد ہوجائیگا اور برٹش ایمپائر کے ہر ایک حصہ کو فخر کرنے کا موقع ملے گا کہ وہ ایک بہترین سلطنت کے اجزا ہین۔

انست پرشاد نگم

پریس کی آزادی

دنیا مین کوئی ایسا انسٹیٹیوشن نہین ہی جسکی آزادی پریس کی آزادی سے زیادہ اہمیت رکھتی ہو۔ گورنمنٹین اسے ناپسند کرتی ہین۔ امرا اس سے اکثر نفرت کرتے ہین۔ کمپنی اور خوشامدی اشخاص اس سے بیزار رہتے ہین۔ انقلاب پسند اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین۔ لیکن باوجود ان تمام باتون کے پریس کی آزادی اُن چند چیزون مین ہی جو پبلک آزادی کا حصار اور پبلک مفاد کو نقصان پہونچانیکی خفیہ سازشون کے مدارک کی ایک ضمانت ہی۔ پبلک فلاح کے ایک سرپرست کی حیثیت سے نہ تو خرچ نہ پارلیمنٹ اور نہ پبلک پیسٹ فارم پریس کا مقابلہ کرسکتے ہین اور نہ اس سے برتری لے جاسکتے ہین۔ ممتاز لکھنے والونکو اعزازات وخطابات سے سرفراز کیا گیا ہو۔ اُنپر بالواسطہ وبالواسطہ دباؤ بھی ڈالا گیا ہو کہ اپنی رائے کو اسکے بجائے کسی دوسری جانب منعطف کردین۔ اُنکی چاپلوسی وخوشامد کیجاتی ہی اُنکو چھوٹی چھوٹی خبرین مہیا کیجاتی ہین بعض اوقات اُنکی تذلیل وحقارت کیجاتی ہی اور یہ تمام باتین ایسے کیجاتی ہین تاکہ اُنکو پبلک مفاد کے خلاف کام کرنے پر مائل کیا جائے۔ اخبار نویسون کو یہ ہرگز فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اگر انھون نے ناواجب دباؤ یا کسی دوسرے وجوہ سے کچھ نہ لکھا تو وہ اُس اعتماد کے خلاف کام کرینگے جو اُنپر کیا گیا ہے

ہندوستان کی مالی پالیسی

جسوقت برائٹ اور کابڈن کی جدوجہد سے انگلستان مین آزاد تجارت کی اجازت ہوئی اور اشیاے درآمد اور برآمد پر سالانہ آمدنی کے خیال سے محاصل خاص کا آغاز ہوا تو خیال کیا جاتا تھا کہ چندہی دنون مین ساری دنیا کھلی تجارت کے ماتحت ہوجائے گی بات یہ تھی کہ جن دلائل پر انگلستان مین حفاظتی محاصل کے برخلاف آواز بلند کیجاتی تھی انکی نسبت خیال کیا گیا تھا کہ وہ دنیا کے ہر ایک طبقہ اور زمانہ کے ہر دز کیلیے یکسان مفید ہین۔ ماہرین علم اقتصادیات کا بنایا ہوا قانون علم طبیعات کے قاعدون کی طرح ہر وقت یکسان اثر پذیر تھا لیکن کھلی تجارت کے حامیون کی حیرت کی کوئی حد نہین رہی جبکہ کچھ عرصہ کے بعد ہی فرانس۔ جرمنی۔ امریکہ۔ کینیڈا اور دوسرے بہت بڑے ملکون نے انگلستان کے ماہران علم اقتصادیات کے شور وغل کے باوجود حفاظتی محصول لگانے شروع کردیے رسٹ نے جرمنی مین حفاظتی محصولون کے حق مین "قومی اقتصادیات" لکھکر علم اقتصادیات مین کچھ نئے باب کا آغاز کیا اور اُسوقت سے اس علم کے ماہرون نے محسوس کرنا شروع کیا کہ اس جگہ کی اقتصادی ضروریات یکسان نہین اور اسلیے عالمگیر اقتصادی قوانین بنانا خطرہ سے خالی نہین۔ انگلستان کے ماہرین اقتصادیات بھی اپنی پرانی پالیسی پر قائم رہے اور گو حفاظتی محصولون کا دور دورہ دنیا کے سارے بڑے بڑے ملکون مین ہوگیا لیکن انگلستان نے کھلی تجارت مین اپنے خودساختہ کیلے کو نہین چھوڑا۔ اسکے متعلق ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ گو انگلستان نے انیسوین صدی کے وسط سے کھلی تجارت کی پالیسی بنائی تھی لیکن اس سے پہلے ڈیڑھ سو سال تک انگلستان بھی حفاظتی محصولونکے سہارے ہی اپنی تجارت کو بڑھا رہا تھا اسی حفاظتی پالیسی نے ہندوستان کی کاریگری کا ستیاناس کیا اور اسی مضرت رسان پالیسی نے ضلاع متحدہ امریکہ کے ساتھ نااتفاقی کا بیج بویا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر انگلستان اس پالیسی کو اختیار نہ کرتا تو ممکن تھا کہ ہندوستان سے گئے ہوے سوداگروں کا

مقابلہ کرکے اپنے کپڑونکی صنعت کو آگے بڑھا سکتا۔ غرضکہ انگلستان نے ڈیڑھ سو سال تک اس پالیسی سے کامل فائدہ اٹھالیا۔ اور اس پالیسی نے اُسے اس قابل بنا دیا کہ وہ اُنیسوین صدی کے وسط مین دنیا کو کھلا چیلنج دیسکے اور کسی قسم کی تجارت کے راستے مین رُکاوٹ نہ ڈالے۔

اب باقی قوموں کے لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ اپنی صنعتون مین ترقی کرین اور اسلیے انھون نے ہی طریقے اختیار کیے جو انگلستان نے ڈیڑھ سو برس پہلے اختیار کیے تھے لیکن وہان کے ماہرین علم اقتصادیات (پچھلے حالات کو پس پشت ڈال کے اور اپنے نئے دریافت کردہ قانون کو پیش کرکے) ساری دُنیا مین یہی وعظ دیتے رہے کہ پچھلے بندون تجارت ہونی چاہیے بات یہ تھی کہ انگلستان کی صنعتون نے اس درجہ ترقی کرلی تھی کہ اُسے اب کسی اور ملک کے مقابلہ کا خوف ہی نہ تھا لیکن رفتہ رفتہ دوسرے ملکون نے بھی صنعت کے میدان مین قدم جمانا شروع کیا۔ جرمنی اور اضلاع متحدۂ امریکہ نے اپنی قدرتی طاقتون کا استعمال کرنا شروع کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کچھ صنعتون مین انگلستان کا مقابلہ کرنیکے قابل ہوگئے اب انگلستان کے کارخانہ دارون کو فکر دامنگیر ہوئی اور ماہران علم اقتصادیات نے بھی صورت حالات کو حل طلب پایا اور انگلستان مین بھی حفاظتی محصولون کے حق مین اُنیسوین صدی کے آخری حصہ مین صدائے احتجاج بلند ہونے لگی۔ جون جون مقابلہ بڑھتا گیا یہ آواز بھی بلند ہوتی گئی حتی کہ مسٹر جیمبرلین نے سلطنت برطانیہ کے مختلف حصون کو ترجیحی حقوق دینے کی آڑ مین حفاظت کا ایک نیا طریقہ دریافت کیا۔ لڑائی سے پہلے تو اُنکی آواز کا کچھ زیادہ اثر نہوا لیکن لڑائی کے دنون مین پچھلے سارے دلائل بھلا دیے گئے اور کچھ تو جنگ کی مجبوریون سے اور کچھ حفاظت کے خیال سے حفاظت کے اس نئے طریقہ کی حمایت ہونی شروع ہوگئی۔ اور اسوقت یہ سوال علم اقتصادیات کے ماہرون کے ہاتھ سے نکلکر ملکی مدبرون کے ہاتھ مین چلا گیا۔

قدیم ماہران علم اقتصادیات کا یہ خیال کہ اقتصادی اُصول ہر جگہ یکسان طور پر استعمال کیے جاسکتے ہین ہندوستان کیلیے بہت نقصان دہ ثابت ہوا۔ جب انگلستان کی بہتری اس

بات مین تھی کہ باہر سے چیزین آنی بند کردی جاتین تو ملکی مصلحتون کی بناپر یہ پالیسی اختیار کی گئی کہ ہندوستان کی صنعتین تباہ کردی جائین - جب انگلستان مین صنعتین زور پکڑگئین اور کھلے بندون تجارت کا اصول فائدہ مند دکھائی دیا تو ہندوستان کو بھی اسمین شامل کرلیا گیا اور اگرچہ ساری دنیا اپنی ترقی تجارت کیلیے حفاظتی محصول بے تامل لگاتی ہی - لیکن ہندوستان کو اس بات کی اجازت نہ ملی اور اب جبکہ پھر حفاظتی محصولون کا سوال سامنے آرہا ہے تو حالات کہہ رہے ہین کہ اگر ہندوستانیون نے کوشش نہ کی تو ہندوستان کو وہی راستہ اختیار کرنا پڑیگا جو کہ ایمپائر (علاوہ ہندوستان) کے لیے فائدہ مند ہی خواہ اسمین ہندوستان کو فائدہ ہو یا نقصان -

ہندوستانی مدبرون کا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہی کہ ہندوستان کی صنعتین حفاظت کی محتاج نہین اور اگر ہندوستانیون کا گورنمنٹ کے تجارتی قوانین مین کچھ اختیار ہوتا تو نہ ہندوستان کی صنعتین اسطرح سے تباہ ہوتین اور نہ اختراع و ایجاد کے راستہ مین رکاوٹین پیدا ہوتین رانا ڈے - دادا بھائی نارو جی - گوکھلے - دت - جوشی سارے کے سارے اس بات کیلیے چلاتے رہے کہ ہندوستانیون کیلیے اس بات کی اجازت ہونی چاہیے کہ وہ اپنی صنعتون کو قائم کرسکین - اور اسکے لیے اشیاے درآمد پر محصول قائم کرنا چاہیے - انکی تو نہ سنی گئی لیکن اب سلطنت برطانیہ کے فوائد (؟) اس بات کو چاہتے ہین کہ سلطنت کو اپنا ملک خیال کرکے اسکی صنعتون کی حفاظت کیجاے - انگلستان بھی اپنی پالیسی چھوڑ بیٹھا ہی اور جرمن مال کے مقابلے مین اُن صنعتون کیلیے حفاظت کا انتظام کیا گیا ہی جو کہ ابھی قائم ہو رہی ہین اور دوسرے ملکون کی پیداوار سے مقابلہ نہین کرسکتی ہین - ایسلیے اب اس بات کے متعلق تو کسی کو شک ہی نہین رہا کہ حفاظت اصولاً نقصان دہ ہی - اسمین بھی شبہ نہین کہ چند حالتون مین اسی کی ضرورت بھی ہی -

جب سلطنت برطانیہ کیلیے حفاظتی محاصل کی ضرورت ہی تو لازمی طور پر سلطنت برطانیہ کی مختلف ممالک کیلیے بھی فرداً فرداً حفاظت کی ضرورت ہوسکتی ہی - ترجیحی محاصل کا مسئلہ حفاظت کی ضرورت کو بذات خود تسلیم کرتا ہی جیسا کہ پہلے کیا گیا - تقریباً سب کے سب

ہندوستانی مدبر اس بات پر مصر رہے ہین کہ ہندوستان مین اشیاے درآمد پر محصول لگا کر ہندوستانی صنعتون کو آگے بڑھنے کا موقع دیا جانا چاہیے - بات یہ ہو کہ ہندوستان نے مشینون کا استعمال ابھی ابھی شروع کیا ہو اسوجہ سے ہماری خود ساختہ چیزین ابھی مہنگی پڑتی ہین البتہ کچھ دنون مین سستی تیار کرسکین گے کیونکہ دوسرے ملکون کی صنعتین مدتون سے قائم ہین اور زمانہ نے جو ترقی کے گر انھین سکھا دیے ہین انھین ہم آہستہ آہستہ سیکھ لین گے اگر حفاظتی محصول لگ جائے تو انکے مقابلے سے ہم فارغ ہوکر اپنی صنعت و حرفت کو بڑھانا شروع کر دینگے اور تھوڑے عرصہ مین ہم انکا مقابلہ کرنیکے قابل ہو جائینگے - دنیا کے سارے ملکون نے اسی طرح ترقی کی ہو - اور ہندوستان کیلیے بھی یہی ترقی کا ذریعہ ہو - ہندوستان مین ایک اور بڑی وجہ یہ بھی ہو کہ یہان کے لوگ عموماً زراعت کرتے ہین صنعت و حرفت کی نسبت زراعت مین آدمی کم کما سکتا ہو اسلیے ہندوستان مین فی کس آمدنی کم ہو - اس آمدنی کو بڑھانیکا سب سے آسان طریقہ ہندوستان مین صنعتون کا جاری کرنا ہو - اگر ہماری آمدنی بڑھ گئی تو ہم پھر آئے دن کے قحط کا بھی مقابلہ کرنیکے لیے تیار ہو جائینگے - کیونکہ ہندوستانمین غلہ کی کمی کی وجہ سے قحط نہین پڑتا بلکہ غلہ خریدنیکے لیے روپیہ نہ ہونیکی وجہ سے، غرضکہ ہندوستان کو اسوقت حفاظت کی سخت ضرورت ہو

ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہو کہ جسوقت ہم ہندوستان کیلیے حفاظتی محاصل کا مطالبہ کرتے ہین تو ہمارا یہ منشا نہین ہوتا کہ ہم سب کچھ ہندوستان ہی مین کرین اور باقی ملکون سے تجارت بند کر دین - ہم صرف اُن صنعتون کیلیے حفاظت کا مطالبہ کرتے ہین جو کہ ہندوستان کے طبعی اور معاشی حالات مین کامیاب ہوسکتی ہین یا جو کہ ہر ایک قوم کی زندگی کیلیے ضروری ہین دُنیا کا کوئی ملک بھی اس قابل نہین ہو کہ وہ دنیا کی ساری چیزون کو پیدا کرسکے - اسلیے واجب ہو کہ مختلف ملک ایک دوسرے سے تجارت کرکے وہ چیزین حاصل کرین جو کہ وہ خود منافع پر پیدا نہین کرسکتے ہین یا جنمین انھین باقی چیزون کی نسبت کم فائدہ ہو - کہا جائیگا کہ ہندوستان مین شاید یہ قابلیت ہو کہ وہ سب کچھ پیدا کرسکے - اس بات [illegible] فضول ہو لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ایک صنعت مین یکسان فائدہ نہین ہوسکتا ہو [illegible] ہمین روئی کا کام کرنے مین ۱۰ فیصدی فائدہ ہوتا ہو اور مشین بنانے مین [illegible] تو

رہی کہ ہم امریکہ۔ جرمنی یا انگلستان سے مشینین حاصل کرلین اور خود کپڑا بننے کا کام کرین بلکہ حفاظتی محاصل کا سلاب ساری صنعتون کو پیدا کرنا نہین ہی بلکہ فائدہ مند اور ضروری صنعتون مین ترقی کرنا ہی لیکن سلطنت برطانیہ کے ساتھ ترجیحی سلوک کا معاملہ اب پیش ہی ۱۹۰۰ء مین لارڈ کرزن نے گورنمنٹ برطانیہ کو لکھا تھا کہ ہندوستان کے ترجیحی ملوک کرنے سے سلطنت کو بہت کم فائدہ ہوگا۔ ہندوستان کو تو بالکل ہی فائدہ نہوگا بلکہ بہت زیادہ نقصان ہوگا لارڈ کرزن نے صاف صاف کہدیا تھا کہ ہندوستان کی تجارتی پالیسی کا فیصلہ کرتے مین ہندوستان کی نسبت انگلستان کے تاجرون کی آواز زیادہ سنی جاتی ہی۔ پھر ۱۹۰۵ء مین لارڈ کرزن نے وزارالامرا مین اس سے بھی زیادہ صاف گوئی اختیار کی تھی اور کہہ ہی ڈالا تھا کہ وزیر ہند ہندوستان کی مالی پالیسی پر فیصلہ کرتے وقت انگلستان کے مفاد کا زیادہ خیال رکھتا ہی اور ہندوستان کے مفاد کا خیال کبھی کبھار ہی آتا ہی۔ لیکن ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۷ء مین ایک ہندوستانی ممبر نے اس سوال کو کونسل مین اٹھایا اور آخر مین اسکو اپنا بیز ولیوشن واپس لینا پڑا۔ لڑائی کے بعد پرانی امپیریل کونسل کا غالباً سب سے آخری کام اس سوال پر غور کرنا تھا اور ایک کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ یہ سوال غور طلب ہی اور ایک کمیشن کے ذریعے سے اسکا فیصلہ ہونا چاہیے۔ پچھلے مہینے سے مالی کمیشن دورہ کر رہا ہی۔ کچھ شہادتین ہوچکی ہین اور کچھ ہونگی اور غالباً پانچ چھ مہینے تک رپورٹ نکل جائیگی کمیشن کے پریزیڈنٹ مشہور سر ابراہیم رحمت اللہ ہین جنھون نے پبلک سروس کمیشن کی ممبری کی حیثیت سے ایک زبردست اختلافی نوٹ لکھا تھا اسلیے امید کی جاتی ہی کہ آپ ہندوستان کے مفاد کا خیال رکھین گے اور کوئی ایسی تجویز پیش نہ کیجائیگی جو کہ ہمین نقصان دہ ہو۔

ترجیحی سلوک کے متعلق یہ کہنا بیجا نہوگا کہ اگر ہندوستان کی صنعتون کی حفاظت کرکے پھر ترجیحی سلوک کرنا ممکن ہو تو اسمین کسی کو بھی اعتراض نہوگا۔ لیکن سوال تو یہی ہے کہ آیا ایسا کرنا ممکن ہوگا۔ اُن صنعتون کیلیے جنکو کہ ہندوستان مین ترقی دینا ہی سلطنت کے مال کو ترجیح دینا بے معنی ہوگا۔ ہان اگر اُن اشیاے درآمد کے بارے مین جو کہ باقی ملکون سے آتی ہی اپنی سلطنت کو کچھ ترجیح دیدی جائے تو یہ بذات خود کچھ خطرناک نہوگا۔ لیکن یہان

بین الاقوامی تجارت کی ایک اور گرہ پڑجاتی ہی۔ اگر ہمنے باقی ممالک پر زیادہ محصول لگایا تو کیا وہ ہمارے ملک سے جانیوالی چیزپر اپنے اپنے ملک مین محصول نہ لگادینگے اور اُس محصول سے ہماری تجارت برآمد کو نقصان نہین ہوگا۔ ہماری بین الاقوامی تجارت کا بہت زیادہ حصہ سلطنت سے باہر کے ملکون کے ساتھ ہے اس لحاظ سے کافی نقصان ہونے کا خطرہ ہی غرضکہ یہ سوال بہت غور و خوض کا ہی اور جو کوئی سکیم اسکے متعلق پیش کی جائے انمین ان جملہ باتون پر بھی غور کرلینا ضروری ہی لیکن معاملہ یہین ختم نہین ہوتا۔ ایک ملکی سوال بھی سامنے آجاتا ہی کہ سلطنت کے حصول کو ترجیحی سلوک دینا ایک طرح سے انکو ایک تحفہ پیش کرنا ہی۔ اور زبردستی کا تحفہ بے معنی ہوتا ہی اسلیے قبل اسکے کہ اس سوال کا فیصلہ کیا جائے۔ اس بات کا تصفیہ ضروری ہی کہ ہندوستان کو مالی آزادی مل جائے۔ اگر آزاد ہندوستان سلطنت کو یہ تحفہ پیش کرنا چاہے تو کسی کو اعتراض نہین ہوگا۔ لیکن انگلستان کی مجلس وزرا سلطنت کو ہندوستان کے نام سے تحفہ پیش کرے تو یہ بے معنی زبردستی ہوگی۔ اس لیے پیشتر اسکے کہ اس سوال پر غور ہو پیلیمنٹ اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ کو اس سوال کا کھلے بندون فیصلہ کرنیکی اجازت ملنی چاہیے۔

ملکی پہلو ابھی ختم نہین ہوتا ہی۔ سر روپرٹ جج نے ہندوستان کیلیے اس ترجیحی سلوک کو اختیار کرنیکی اسلیے بھی سفارش کی ہی کہ اسکے ذریعے ہندوستان والے سلطنت کے مختلف حصون سے برابری کے حقوق لے سکین گے۔ اگر صاحب مذکور اپنی تجویز پر ذرا غور کرتے تو انھین معلوم ہوجاتا کہ یہ تو اُن حقوق کے خریدنے کا معاملہ ہوجائیگا جو حقوق کہ ہندوستانی ویسے ہی مانگ رہے ہین۔ صاحب مذکور نے شاید اس بات کو نظر انداز کردیا کہ ان حقوق کیلیے معاوضہ دینے کی سفارش کرنا ہندوستانیون کی ہتک کرنا ہی۔

رائٹ آنریبل مسٹر سری نواس شاستری نے لندن مین ایک اخبار کے نمائندہ سے کہا تھا کہ اگر آسٹریلیا کینیڈا۔ اور افریقہ ہمارے ساتھ مساوات کا سلوک نہ کرینگے تو کسی ایسی بحری فوج کے خرچ کیلیے حصہ دینا جو کہ انکی حفاظت کیلیے کام مین آئے سخت بیعزتی کی بات ہوگی۔ اسی طرح سے جب تک سلطنت کے باقی حصے ہندوستانیون کے ساتھ مساوات کا سلوک کرینگے یہ تیار عین ہین اسوقت تک انکے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرنا اس سے بھی بڑی بیعزتی ہوگی۔

سیر رام شرما جی۔ اے

ارتقائے زبان

ارتقا صرف زندہ ہستیون اور زندہ انواع ہی مین نہین پایا جاتا بلکہ اُن ہستیون مین بھی پایا جاتا ہی جنکو انسان غلطی سے زندہ نہین سمجھتا - اس کارخانۂ ہستی مین کوئی شے غیر ذی روح نہین - ہر شے اور ہر ہستی زندہ ہی اگرچہ زندگی زندگی مین فرق ہی تاہم زندگی اور موت ہر ہستی کے ساتھ لگی ہوئی ہی انسان جن اشیا کو غیر ذی روح جانتا اور اپنی خوش فہمی سے دائرۂ حیوانیت سے خارج سمجھتا ہی وہ سب کے سب اپنے اپنے رنگ مین زندگی اور موت کے قانون کے ماتحت ہین جسطرح نطریتین جداگانہ ہین اسی طرح زندگیان اور امواتیں بھی جداگانہ ہین -

کیا نباتات زندہ نہین، اگر زندہ نہین ہین تو یہ نشو ونما کیون پاتے ہین اگر انمین مادہ کے ساتھ ایک قسم کی حیوانی روح نہین ہی تو پھر بڑھتے اور پھولتے پھلتے کیون ہین اور ایک عرصہ کے بعد انمین سے کونسی شے یا کونسی طاقت سلب ہو جاتی ہی کہ پھر نشو ونما نہین پا سکتے ہین بلکہ بے حس ہو کر پژمردہ ہو جاتے ہین - اسی طرح جمادات اور عناصر مین بھی زندگی کے آثار موجود ہین جو ارتقائی مدارج طے کرتے رہتے ہین اور بالآخر فنا ہو جاتے ہین -

السنہ اور الفاظ مین بھی ایک قسم کی زندگی ہوتی ہی گو اس قسم کی زندگی کو ہم حیوانی زندگیون سے تعبیر نہین کر سکتے اور نہ اسپر عرفی زندگی کا اطلاق کر سکتے ہین لیکن مجازی رنگ مین کہہ سکتے ہین کہ زبانین اور الفاظ بھی کسی خاص وقت تک ترقی کرتے اور نشو ونما پاتے ہین اور اسکے بعد ارتقار اور نشو ونما مین انحطاط ہو جاتا ہی - دوسرے الفاظ مین گویا زبانون اور الفاظ کی بھی موت ہوتی ہی مجازاً لوگ کہا کرتے ہین کہ فلان زبان مُردہ ہو چکی ہی اور فلان زندہ ہی - بعض السنہ اس عہد مین بھی مُردہ یا نیم مُردہ سمجھے جاتے ہین کیونکہ نہ تو وہ مقابلتاً ترقی پذیر ہین اور نہ اُنکی قدر ہوتی ہی زبانونکے ارتقار اور انحطاط کی فلاسفی ایک بڑی دلچسپ فلاسفی ہی

جو شخص زبانون کی تاریخ کا شائق ہو وہ گویا انسانی نسلون کی تاریخ کا قدردان ہے کیونکہ زبانین بھی انسانی ترقیات کے ساتھ ساتھ ہی نشو ونما اور انحطاط پاتی ہین اگرچہ یہ ضروری اور لازمی نہین کہ قومون کی خرابی اور تنزل کے ساتھ ہی زبانین بھی گرتی جائین مگر اسمین شک نہین کہ متنزل اقوام سے زبانین بھی زوال مین آجاتی ہین اور قومون کے عروج سے زبانین بھی عروج پذیر ہوتی ہین -

ڈارون کا خیال ہو کہ بندر سے انسان بنا ہو اگر اس اصول کو الٹ کر زبانون پر عائد کیا جاے تو کہنا پڑے گا کہ زبانین اس قسم کا ارتقا نہین رکھتی ہین وہ بھی نوعی ارتقار کے تحت مین نشو ونما پاتی اور ترقی پذیر ہوتی ہین -

فی الحقیقت دنیا کی ساری زبانین ایک دوسرے سے مربوط اور متشق ہین اسی نوع کے اندر رہکر وہ ترقی پذیر ہوتی ہین - اور اسی نوع کے اندر انمین انحطاط بھی نمایان ہوتا ہے

کہا جاتا ہو کہ لاطینی اور ایرین زبانون مین کوئی رابطہ نہین ہو اور پھر دونون زبانین ایک دوسرے سے مختلف ہین لیکن جب کل نسل انسانی کی ابتدا ایک ہی قرار دی جاتی ہے تو پھر کہنا پڑتا ہے کہ زبانون کی ابتدا بھی ایک ہی ہو کسی وقت اس بات کا اعتراف لازمی ہوگا کہ سب انسانی نسلین ایک ہی مورث سے پیدا ہوئین تو پھر دنیا کی مختلف زبانین بھی ایک ہی درخت کی مختلف شاخین ہین -

ہر زبان شاہد ہو کہ اسکا سلسلہ الفاظ ارتقائی پہلوسے ہمیشہ بدلتا رہا ہے کسی زمانہ مین کسی خاص محاورون اور الفاظ کی قدر تھی مگر چند دنون کے بعد نئے نئے محاورون کا اجرا ہوگیا اور پرانے الفاظ اور محاورے نکال ڈالے گئے یا یون سمجھو کہ فنا ہوگئے - اردو زبان جو اسوقت ہندوستان کے اطراف مختلفہ مین بولی اور سمجھی جاتی ہے ایک ایسی زبان ہے جو چند زبانونکی مرہون منت ہے

اردو زبان گو بہ اعتبار اپنے ڈھانچے کے ایک نئی زبان ہو لیکن چونکہ اسکے اجزا دیرینہ زبانون سے مرکب اور مرتب ہوے ہین اسواسطے ہم کہ سکتے ہین کہ وہ اصل کے لحاظ سے ایک پرانی زبان ہے -

انسانی مذاق ہمیشہ بدلتے رہتے ہین اسی طرح زبانین اور زبانون کے الفاظ بھی تغیر پذیر ہوتے رہتے ہین بعض وقت یہ پتہ بھی نہین لگتا کہ کن وجوہ کے پیش کرنے پر ایسا ردوبدل ہوا ہے۔ اردو کی کتابین اردو کے ملفوظات ظاہر کرتے ہین کہ انمین رفتہ رفتہ کس کس قسم کی ارتقائی تبدیلیان ہوئی ہین کبھی متروک کے پیرایہ مین بعض الفاظ دائرۂ زبان سے خارج ہوگئے اور کبھی ثقالت اور کراہت کی وجہ سے بعض الفاظ رد ہوگئے۔ کبھی ایک لفظ نے اپنی جگہ چھوڑ کر دوسرے کو اپنا قائم مقام بنالیا کبھی جدید ضروریات قطع برید کی محرک ہوتی ہین اور کبھی پرانے ڈھانچون مین تغیر و تبدل کرنا پڑتا ہے ایسی کشمکش قریباً ہر زبان مین ہوتی رہی ہے مگر اس مضمون مین ہم صرف اردو زبان ہی کے چند نمونے پیش کرتے ہین جن سے پتہ لگ سکتا ہے کہ نسل کے السنہ مین بھی کس کس قسم کے تغیرات اور تبدلات پیش آتے رہے ہین اور کس طرح ایک نسل الفاظ محو ہوکر بجاے اسکے دوسری نسل جاگزین ہوتی ہے۔ ارتقاے زبان کی صورتین اور قسمین حسب ذیل ہوسکتی ہین۔

(الف) ارتقاے جدت

(ب) ارتقاے ترمیم

(ج) ارتقاے ترک

(د) ارتقاے اصنافی

(ہ) ارتقاے تبادلہ

نثر اور نظم دونون شعبون مین ارتقا عمل پذیر ہوتا ہے اور ایسے ہی انحطاطی صورتین بھی ہوتی ہین۔ ہم نظمی تبدلات اور نظمی تغیرات کے چند نمونے پیش کرتے ہین۔

آن کر سے آکر

نظم مین آ کر باندھتے تھے لیکن رفتہ رفتہ (ن) گرتا گیا اور اب عموماً بجاے آن کر کے آکر بولتے ہین (ن) کے اخراج سے لفظ دو ہلکا ہوگیا مزاحیہ دل کہتے ہین۔

جب دل کے آستان پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہان ہے ہم ہین

(نین - نے)

نے کی جگہ کبھی نین، استعمال ہوتا تھا رفتہ رفتہ دوسرا (ن) گرتا گیا اور صرف (نے) رہ گیا جیسے کہ مرزا مظہر جان جانا ن کہتے ہین

کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن
نہایت منھ لگایا ہے جس نین بیڑہ پان کو

پیام

دلی کے کج کلاہ لڑکون نین
کام عشاق کا تمام کیا

(آوُنے - آنے)

کبھی آنے کے بجاے آوُنے کا استعمال ہوتا تھا جیسے کہ

دھوم آوُنے کی کسکی گلزار مین پڑی ہے
ہاتھ ارجمند کا پیالہ نرگس لیے کھڑی ہے

رفتہ رفتہ ثقالت کی وجہ سے (و) گر گیا اور صرف آنے رہ گیا۔

(جیونا - جینا)

جیونا کے بجاے اب جینا رہ گیا واو ترک ہوگیا جیسے کہ مبارک شاہ کے شعر ذیل مین ہے

جیونا مثل حباب اس جگ مین دم کا بیچ ہے
یہ گرہ کھل جاتو دیکھو زندگانی ہیچ ہے

کیونکے - کیونکر

اب کیونکے کے بجاے کیونکر کہتے ہین۔

(ایک زنگ)

پارسائی اور جوانی کیونکے ہو
ایک جا آگ اور پانی کیونکے ہو

پیوتے - پیتے (پوچھیو ہو - پوچھتے ہو)

کثرت استعمال سے رفتہ رفتہ واو نکل کر پیتے رہ گیا۔

حکیم

ہمسے پوچھو ہو پیوتے ہو شراب
ایسے کیا شیخ و پارسا ہین ہم

(ہم - ہم نے)

کبھی صرف مین - اور ہم ہی سے کام لیا جاتا تھا اب دونون کے ساتھ ساتھ (نے) بھی لگایا جاتا ہے

میر سجاد — تو روز وصل کے بیٹھے ہے پاس کن کو لیے
یہ راتین ہجر کی کاٹی ہین ہم اسی دن کو

ولی — عالم مین ترے ہوش کی تعریف مین کی ہے
ایسا تو نہ کر کام کہ مجھ پر سخن آوے

(کون - کو)

کون کے بجاے اب کو بولتے ہین

کیدھر - کدھر

اب کیدھر کے بجاے کدھر کہتے ہین -

سید عبدالولی — سدھارے گل کہان سونے پڑے ہین گلستان اپنے
گئی ہین بلبلین کیدھر جلا کر آشیان اپنے

انکھیان - انکھیں (ہور - اور)

کسی وقت بجاے آنکھون کے انکھیان ہی بولتے تھے

ہاتفی — تری انکھیان ہور زلف سے کافر ہوا سارا جہان
اسلام ہور تقوے کہان نہ رہا اور مسلمان کدھر

لاگا - لگا

لاگا کے بجاے اب لگا کہتے ہین

عبدالبر — سجن کے ہجر کا نیزہ جگر کے بیچ لاگا ہے

ہم نا - ہم نے تمن - تمھین

کبھی بجاے ہم نے اور تمھین کے ہم نا - اور تمن بھی بولتے تھے -

ہمنا تمن کو دل دیا تم دل لیا اور دکھ دیا
تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے

(سین - سون - سے)

اب بجائے سین اور سون کے سے استعمال ہوتا ہے۔

ولی - بیوفائی نہ کر خدا سون ڈر کج ادائی نہ کر خدا سون ڈر

میر - آہ اگر باغ سین وہ سرو خرامان گزرے
اشک تمری سے گلستان مین طوفان گزرے

ان چند نمونون سے معلوم ہوسکتا ہے کہ بعض الفاظ مین رفتہ رفتہ ترمیمات اور تبدیلیان ہوگئی ہین اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اُس عہد مین ترمیمات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا اس اوپر کے نقشہ مین (سین) کے ساتھ ہی دوسرے مصرع مین (سے) بھی لایا گیا ہے۔

پرانے شاعرون کے کلام مین اس قسم کے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہین اور جب انکا مقابلہ عہد جدید کے شاعرون سے کیا جاتا ہے تو پتہ لگتا ہے کہ زبان اُردو مین بھی رفتہ رفتہ کس کس قسم کی کانٹ چھانٹ ہوتی رہی ہے اگر ذرا وسعت نظر سے کام لین تو معلوم ہوگا کہ الفاظ اُردو کو پنجابی زبان سے نسبتاً زیادہ وابستگی ہے جسقدر الفاظ اُردو نے ترک کردیے ہین وہ اسوقت تک پنجابی مین مستعمل ہین اگر انمین ذرا بھی ترمیم کردی جائے تو وہی اُردو بن جاتے ہین۔ ہم ایک مختصر سی عبارت پنجابی مین لکھتے ہین قارئین کرام دیکھ سکتے ہین کہ اُردو اور پنجابی الفاظ مین کسقدر وابستگی اور رابطہ ہے۔

(پنجابی)

میری بات جے تسین من لیندے تے میرے واسطے اچھا ہوندا تساندا نہ منّنا میرے حق وچ بہت برا ہے مین خیال کرنا ہان کہ جے تساندی مرضی ہوئے تے تسین من سکدے ہو پر تساڈے اختیار وچ ہے مینون ایس اُتے یقین ہے

جن الفاظ پر ہندسے دیے گئے ہین پہلے اُردو زبان مین بھی استعمال ہوتے تھے اُردو مین ان کا یہ ترجمہ ہوگا۔

میری بات اگر آپ مان لیتے تو میرے واسطے اچھا ہوتا آپ کا نہ ماننا میرے حق مین بہت بُرا ہے خیال کرتا ہون کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو آپ مان سکتے ہین

آپ کے اختیار مین ہے مجھے اسپر یقین ہے۔

دوسرے السنہ سے بھی پنجابی کی طرح اردو زبان اور اردو کے الفاظ کو نسبت ہے مگر جسقدر پنجابی سے ہے شاید ہی کسی اور زبان سے ہو۔ اسکی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اردو زبان مین فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش ہوئی ہے اور پنجاب مین بھی اہل فارس اہل کابل اور اہل عرب کے آنے کی وجہ سے ان زبانون کے الفاظ کا استعمال بکثرت ہوتا گیا۔ عربی الفاظ سندھ کے راستے سے بھی پنجاب مین داخل ہوے۔

ارتقاے زبان کا عمل کسی وقت مین ختم نہین ہوتا بلکہ یہ عمل برابر جاری رہتا ہے۔ تاوقتیکہ کوئی زبان پایۂ تکمیل تک نہ پہونچ جائے بلکہ تکمیل پر بھی کچھ نہ کچھ اضافے اور کتر بیونت کی ضرورت ہوتی رہتی ہے۔ یہ وہ سلسلہ ہے جو ہمیشہ انسانی اور قومی زندگی کے ساتھ ترقی کرتا رہتا ہے۔ جب قوم ترقی یاب ہوتی ہے تو زبان بھی ترقی پاتی ہے اور جب قوم مین تنزل آتا ہے تو زبانون مین بھی انحطاط اور زوال کے آثار شروع ہوجاتے ہین۔

سلطان احمد

جرمنی مین ڈاکٹر ٹیگور کا چرچا

نیویارک امریکہ کا ایک تاجر کتب حال ہی مین تمام یورپ کی سیاحت کے بعد لندن پہونچا ہے۔ اسکا بیان ہے کہ امریکہ مین اینک جو کتاب نہایت ہی سرعت اور عمدگی سے فروخت ہوئی ہے۔ وہ "مین سٹریٹ" تھی جسکے دو لاکھ نسخے بہت جلد فروخت ہوگئے۔ مگر تاجر کتب موصوف بیان کرتا ہے کہ جب وہ برلن مین تھا۔ تو ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کی کتب کے شایع کنندگان نے ڈاکٹر موصوف کی تصانیف کو شایع کرنے کے لیے بیس لاکھ پونڈ سے زیادہ کاغذ کا آرڈر دیا۔ تاکہ کتب شایع کی جائین۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ بیس لاکھ پونڈ سے تیس لاکھ کتب شایع ہوسکین گی۔

عجائبات سرندیپ

نام اور انکی تحقیقات | سرندیپ جزائر ہند مین ایک مشہور و معروف جزیرہ ہے، جسے عرب سیلان یورپ والے سیلون اور ہندوستان کے باشندے، لنکا، سنگلدیپ، سانکل دیپ اور سرندیپ بھی کہتے ہین۔ انگریزی تاریخون سے معلوم ہوتا ہے کہ "لنکا" اُس قلعہ شاہی کا نام تھا جسمین خود تاجدار جزیرہ رہتا تھا۔ اور دریاے شور کے ساحل پر ابتک اُسکا ایک بہت بڑا برج موجود ہے جو اپنی شاندار تاریخی روایات کا زبان حال سے ثبوت پیش کر رہا ہے۔ اسی مناسبت بالا کی وجہ سے تمام ملک کا نام لنکا ہوگیا، اور یہی نام بہت زیادہ مشہور و متعارف ہے۔ یہان اب حکومت برطانیہ کی تھوڑی سی فوج اور کچھ سامان جنگ، اسلحہ وغیرہ بنظر احتیاط و تحفظ رہتا ہے

دوسرا نام | سانکل دیپ ہے۔ سانکل اور دیپ دونون لفظ ہندی زبان کے ہین، سانکل ہندی مین زنجیر کو اور دیپ، جزیرہ کو کہتے ہین یعنی "زنجیر کا جزیرہ"۔ اسکی وجہ تسمیہ غالباً وہ زنجیرین ہین جنکا ذکر آگے آئیگا۔

تیسرا نام | سرندیپ ہی۔ لفظ سرن بھی ہندی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی ہین پناہ، لہذا سرندیپ کے معنی ہوے جزیرۂ نجات، یا جزیرۂ پناہ۔

موسمی حالت | اس جزیرہ مین اکثر و بیشتر پانی برستا ہے۔ اسی وجہ سے ملک نہایت سرسبز و شاداب اور موسم بہت اچھا ہوتا ہے۔

حکومت سابق و حال | پہلے اس جزیرہ کا فرمانروا ایک ہندو راجہ تھا۔ جسنے اپنی حکومت مین ملک کو ثروت و خوشحالی سے بہرہ ور اور رعایا کو شاد و آباد رکھا۔ مگر ضعف و انحطاط کے آثار پیدا ہوے ۱۸۰۲ء مین برطانیہ نے اسپر قبضہ کرلیا اور قابض و متصرف ہوکر راجہ کو گوشۂ عافیت مین متمکن بنا دیا نیز معقول تنخواہ مقرر کردی جو اسکی اولاد کو ابتک ملتی رہتی ہے۔

راجہ راجندر جی اور راون والی لنکا کے جنگی واقعات ہندوستان کے غرائب قصص

مین شمار کیے جاتے ہین۔ اور ہندی علم ادب انسے لبریز ہے۔
اسی حق و باطل کی جنگ، اور فتح صداقت و شکست ستم کی یادگار ہندوون کا تیوہار دسہرہ ہے۔

تاریخ سرندیپ کے ماخذ سرندیپ کے تاریخی حالات عربی و فارسی کی قدیم کتب تواریخ مین نہین ملتے البتہ انگریزون نے (جو فن تاریخ کے بڑے دلدادہ، سیر و سیاحت کے بیحد شائق اور تحقیق و تلاش کے شیفتہ، آثار قدیمہ کا پتہ چلانیکے نہایت گرویدہ ہین) ہر ملک کے حالات چشمدید اور معتبر و مستند طریقون سے سنسکرت تاریخ و سیر کی کتابون سے فلسفۂ درایت کے زرین اصول پر انتخاب کرکے اپنی کتابون مین لکھے ہین چنانچہ سرندیپ پر بھی اپنی تحقیق کے دریا بہائے ہین اور وہی اس مضمون کا ماخذ ہین۔

جغرافیہ سرندیپ جزیرۂ سرندیپ، ہندوستان کی جنوبی سمت مین خط استوا کے قریب واقع ہے اسکا طول جنوباً و شمالاً دو سو آٹھ کوس، عرض مین شرقاً و غرباً دو سو میل ہے۔ اور اسکا تمام و کمال دور آٹھ سو کوس یعنی سولہ سو میل ہے۔ چارون طرف دریاے شور اور بیچ مین جزیرہ کی زمین بلند ہے۔ اور تین میل تک کے اونچے اونچے پہاڑ اسمین واقع ہین۔ نیز چار بڑے بڑے دریا مثلاً گنگا، مہابلی وغیرہ جاری ہین جنکا پانی نہایت لطیف و خوشگوار ہے اور تمام جزیرہ انھین ندیون کے صاف و شفاف پانی سے سیراب و شاداب ہوتا ہے۔

پیداوار سرندیپ کے جنگلون مین سیاہ مرچ، دارچینی، الائچی، کیلا، گنا بافراط پیدا ہوتا ہے اور آبنوس، ساگون، ساکھو چیڑ وغیرہ کے درخت بھی بکثرت موجود ہین۔

کوہ آدم گر سرندیپ کے پہاڑون مین ایک پہاڑ بہت بلند و بالا ہے۔ جسے اس جزیرہ کے باشندے (بکسر راے) "آدم گر" کہتے ہین۔ یہ سنسکرت زبان مین پہاڑ کا نام ہے۔ اس پہاڑ پر پہونچنے کا راستہ عجیب و غریب ہے وہ اولاً ایک طولانی مسافت طے کرکے ایک ایسی جگہ پر پہونچتا ہے جو بالکل مسطح ہے۔ گویا یہ پہاڑ کے درجۂ ابتدائی کی انتہا ہے یا مسافر کی منزل اول ہے پھر یہان سے دوسری چڑھائی شروع ہو جاتی ہے۔ راستہ مین ایک نہایت عمیق اور وسیع و عریض خندق ملتی ہے جو بالکل قدرتی ہے۔ انسانی کوشش کو اس سے کوئی تعلق نہین

اس خندق سے گزر کر ایک اور طولانی مسافت طے کرنی پڑتی ہے۔ تب آدمی اپنی منزل مقصود یعنی پہاڑ کی چوٹی پر وارد ہوتا ہے۔ یہ تمام تر مسافت تقریباً پندرہ میل کی ہے جو پورے ایک دن مین ختم ہوتی ہے۔

عجیب زنجیر اور تختے ان دونون خندقون پر سے گزرنیکے لیے دو لکڑی کے تختے پڑے ہوے ہین۔ ہر ایک تختہ یک لخت سات فٹ چوڑا ہے۔ انمین جوڑ پیوند بالکل نہین ہے اور قدآدم ایک زنجیر اس سرے سے اُس سرے تک اس حیرت انگیز حوبی پل پر نصب ہے کہ اسکو پکڑ کر ہر راہ رو بلا تکلف و بے خطر خندق پر سے گزر جاتا ہے۔ خدا کے سوا کوئی نہین جانتا کہ یہ دونون تختے دونون خندقون پر کسنے رکھے ہین اور یہ زنجیرین کسکی لگائی ہوئی ہین۔ اور نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ زنجیرین لوہے کی ہین یا سٹ کٹ کی یا کسی اور نایاب دھات کی۔ مزید تعجب و حیرت یہ ہے کہ زنجیر کے جوڑ بالکل نہین معلوم ہوتے۔ نہ اُسپر کہین زنگ لگا ہے اور مضبوطی مین بھی بمثل ہر تختون کی لکڑی بھی خدا جانے کس چیز کی ہے کہ ایک نامعلوم زمانہ گزرنیکے باوجود ہنوز نہ سرمو بوسیدہ ہوئی ہے اور نہ بوسیدہ ہونیکے کچھ آثار پائے جاتے ہین۔ زنجیر کا ہر حلقہ تین انچ موٹا ہے اور جو حلقہ زیر تختہ کے کنارہ پر جڑا ہوا ہے اُسکا قطر (حجم) ایک فٹ ہے۔ خندق اول کی زنجیر تیس فٹ لمبی اور دوسری خندق کی زنجیر پچھتر فیٹ لمبی ہے۔

یہ دونون عجیب و غریب پل زینہ کی طرح پستی سے بلندی کی جانب چڑھتے ہوے واقع ہین اور دونون زنجیرین دونون طرف میخون سے زمین اور پتھر مین گڑی ہوئی ہین۔ اور یہ نہین معلوم ہوتا کہ میخین کتنی گہرائی تک پہاڑی زمین مین گاڑی گئی ہین۔

عجیب و غریب نقش قدم پہاڑ کی چوٹی بالکل مسطح ہے اور وہان چٹان پر ایک نقش قدم کندہ ہے۔ بقول عبدالقادر سیلانی اسکی پیمائش یہ ہے۔ طول چھ فیٹ نو انچ۔ عرض ایک فیٹ تین انچ۔ ایڑی سات انچ۔ عمق چار انچ۔

جزیرۂ سرندیپ مین تین ربع ہندو مہاتما بودھ اور مہادیوجی کے پیرو، اور ایک ربع مسلمان آباد ہین جو کہتے ہین کہ ہم یہان آٹھ سو برس سے آباد ہین۔ مسلمان بیان کرتے ہین کہ اس پہاڑ پر حضرت آدم علیہ السّلام مدت دراز تک ایک پانون سے کھڑے ہوکر خدائے پاک کی عبادت

اور التجاے معافی کرتے رہے ہین یہ انھین کا نقش قدم ہے۔

ہندوون کا قول ہے کہ مہادیوجی کا نقش قدم ہے۔ اور پیروان بودھ اسے بودھ کا نقش قدم بتاتے ہین، بہرحال سرندیپ کے تمام ہندو مسلمان ہر سال ایک بار اس نقش قدم کی زیارت کو پہاڑ پر ضرور آتے ہین۔ بہت بڑا میلا لگتا ہے اور ہزارون لاکھون روپیہ کا سامان فروخت ہوجاتا ہے۔ ہر ملک کے سوداگر یہان آتے ہین۔

ایک خاص قسم کے درخت اس متبرک و مقدس قدم کے گرداگرد ایک خاص قسم کے درخت ہین جو دنیا کی کسی اور اقلیم مین نہین پائے جاتے۔ باشندگان سرندیپ ان درختون کے پھلون کو ڈپی مُدری کہتے ہین۔ غالباً یہ انھین کی زبان کے الفاظ ہین۔ ڈپی کے معنی ہین ڈبیہ" اور مُدری کے معنی ہین پھلا"، پھل بہت خوبصورت بشکل بادام ہوتا ہے۔ مگر یہ ثمر خوش منظر کھانیکے قابل بالکل نہین ہے بلکہ زہر قاتل کی خاصیت رکھتا ہے۔ فوراً اپنا کام کرجاتا ہے اور کھانیوالا زندہ نہین رہتا چرند، پرند، غرض کوئی اسے نہین کھاتا — اور نہ اسکے پاس جاتا ہے۔ اس پھل پر ایک قدرتی نشان دانت سے کاٹنے کا صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اسمین سے تھوڑا سا کتر لیا ہے۔ پھل کا مغز بالکل سُرخ ہے اور پھول نہایت خوشبودار ہوتا ہے

سرندیپ کے مسلمان کہتے ہین کہ خدا تعالیٰ نے آدم و حوا علیہ السلام کو پیدا کرکے اس باغ مین بسایا تھا۔ یہ باغ بہت سرسبز و شاداب اور آراستہ و پیراستہ تھا۔ آدم و حوا سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس باغ کے تمام میوے کھاؤ اور پھول سونگھو مگر اس درخت کے پاس تک نہ پھٹکنا لیکن شیطان نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو بہکایا اور انھون نے اس درخت کا پھل ذرا سا دانت سے کاٹکر چکھ لیا۔ اسی وقت سے اس قادر مطلق کی حکمت سے ابتک ہر ایک پھل پر اُسکا نشان اولاد آدم کی عبرت کیلیے بطور علامت موجود ہے اور اس نافرمانی کی وجہ سے دونون اُس نایاب باغ سے نکال دیے گئے۔

ہندو کہتے ہین کہ راون نے سیتاجی کو لاکر اس باغ شاداب مین رکھا تھا۔ جب سیتاجی نے چند پھل دانت سے کاٹ کر اُسمین زہر ہلاہل بھر دیا کہ راون کھاتے ہی جہنم واصل ہو قدرت الٰہی سے اسکا اثر تمام درخت اور اُسکے پھلون مین ہمیشہ کیلیے سرایت کرگیا بلکہ جزو درخت

ہوگیا ہے اور ہر پھل پر دانت سے کاٹنے کا نشان بھی نمایان ہے۔

مرزا تقی سپہر صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہین کہ کوہ سرندیپ کے اوپر شاکمونی کا نقش قدم ہے۔ ساکمونی کو ملک خطا کے لوگ پیغمبر جانتے ہین۔ یہان رکھر انھون نے چند سال تک ایک پانؤن سے کھڑے رکھر عبادت الٰہی کی ہے اور یہان سے آسمان پر جاکر واپس آئے ہین۔ آسمان سے واپس آنیکے بعد شاکمون سے نسل انسانی عالم وجود مین آئی۔ اور شاکمونی کا قول ہے کہ مین بحکم خدا پھر اسی مرتبہ دنیا و آسمان مین آیا گیا ہون۔ شاکمون کی دعائین تمامتر عبودیت بندگی اور عاجزی سے لبریز و معمور ہین۔

سرندیپ کی موجودہ حالت و آبادی | انگریزی حکومت نے اس جزیرہ کو پانچ حصون مین تقسیم کردیا ہے۔ شہر جافنا شمالی حصہ کا دارالحکومت ہے۔ اور شہر گالی سیلان جنوبی حصۂ ملک کا۔ یہ بہت بڑی بندرگاہ ہے۔ اکثر جہازات کوئلہ لینے کی غرض سے یہان لنگر انداز ہوتے ہین۔ شہر گم ملی حصۂ شرقی کا پایۂ تخت ہے۔ اور شہر کی نوحصۂ مغربی کا۔ اور شہر کام کانڈے، حصۂ درمیانی یعنی قلب جزیرہ کا دارالسلطنت ہے۔ ان پانچ بڑے بڑے شہرون کے علاوہ بکثرت قصبات و دیہات آباد ہین۔ شہرون کی آبادی تخمیناً چالیس ہزار ہے۔ اور اس پورے جزیرہ کی آبادی کا شمار تقریباً بیس لاکھ نفر ہے۔

سرندیپ کے قدیم باشندون کی چار مشہور قومین یہ ہین۔

۱۔ بیدی۔ یہ لوگ وحوش کی مانند دشت و صحرا مین رہتے ہین۔ صحرائی کبوترون کی طرح انمین وحشت ہے۔ درندون کی طرح جب کسی آدمی کو پاتے ہین تو مار کر کھا جاتے ہین۔ شہری باشندے بھی جب انکا سامنا ہوجاتا ہے تو درندے سمجھکر بندوق یا تلوار سے ہلاک کر ڈالتے ہین۔ انگریزون نے انکے بچون کو پکڑ کر پالا اور پرورش کیا تھا۔ مگر وہ جب بڑے ہوے تو جنگل کو بھاگ گئے۔ طبعی وحشت و صحرائیت انسے بالکل دور نہ ہوئی۔

۲۔ دوسری قوم کا نام "ننگلی" ہے۔ یہ بھی صورت مین انسان مگر سیرت مین بہائم ہین مردم خوار، بزدل اور نرے احمق ہوتے ہین۔ مگر جسکے پاس رہتے ہین اسکی نہایت وفاداری و امانت سے اطاعت کرتے ہین۔

۳۔ تیسری قوم کا نام "مدیا" ہی۔ یہ کوہستان مین رہتے ہین کسی مذہب وملت کے پابند نہین بہت طماع اور لالچی ہین۔

۴۔ چوتھی قوم کا نام "مارلیا" ہی۔ یہ لوگ اکثر تجارت پیشہ ہین۔ اور اس قوم کے اکثر وبیشتر افراد مسلمان ہوگئے ہین مگر تمام تمدن ومعاشرت کے آداب ہندو مسلمان دونون کے یکسان ہین۔ پہلے اس ملک کے باشندون کی زبان پالی تھی اب اسمین تلنگی بھی شامل ہوگئی ہی۔

قبر آدم علیہ السلام | حاجی مروان علیخان اپنے سفرنامہ مین یہ بھی لکھتے ہین کہ کوہ آدم گر کے دامن مین حضرت آدم علیہ السلام کی قبر بھی ہی۔ قبر ناپی گئی تو تین سو پندرہ فٹ ہی۔ اور حضرت حوا علیہا السلام کی قبر بندرگاہ جدہ مین ایک سو ستاون گز ہی۔ یہ دونون قبرین قبلہ رو ہین سر وپا کی جانب دو چھوٹے چھوٹے قبے پہچان کی غرض سے بنا دیے گئے ہین۔

شہر کالی سلان مین ایک گروہ حسنی سادات کا قریب کوہ آباد ہی۔ اسکا قول ہی کہ ہم یہان سات سو برس سے مقیم وسکونت پذیر ہین۔ انھین مین کے چند آدمی حضرت آدم علیہ السلام کی اس قبر کے مجاور ہین۔

ایک عجیب بات یہ ہی کہ یہان کے اکثر ہندو مردہ کو جلاتے نہین بلکہ مسلمانون کی طرح زمین مین دفن کرتے ہین۔

ایک عجیب وغریب دانت | یہین ایک مندر مین ایک انسانی دانت ایک بالشت کا نہایت احترام وعزت کے ساتھ ایک مرصع صندوقچہ مین رکھا ہوا ہی ہندو کہتے ہین کہ یہ بودھ کا دانت ہی اور مسلمان کہتے ہین کہ آدم علیہ السلام کا دانت ہی۔ لیکن واقعہ یہ ہی کہ دانت بودھ کا نہین ہوسکتا۔ کیونکہ بودھ کو گزرے ہوے دو ہزار تین سو برس کا زمانہ ہوا ہی۔ اسوقت انسان کے دانت ایسے ہی تھے جیسے اب ہوتے ہین۔

قبر ابیل | یہان سے چند منزل کے فاصلہ پر لیبار کے قریب قصبہ رام ناتھ مین ہابیل کی قبر ہی۔ یہ قبر ایک سو اسی فٹ لمبی ہی۔ یہان بھی مسلمان مجاور ہین۔ اور یہ لوگ اپنے کو شیخ کہتے ہین۔

دیر مقدس | بہت زمانہ گزرا ایک انگریز نے مکان بنوانیکی غرض سے ایک مقام پر

نیو کھدوائی۔ اُس جگہ ایک تہ خانہ نکلا۔ تہ خانہ مین ایک تخت پر سونے کے کچھ کندہ اور اق دستیاب ہوے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ اہل ہند کی مقدس کتاب چار وید ہین اور اُسپر راون کی لکھی ہوئی شرح بھی کندہ ہی۔ یہ کتاب لندن بھیج دی گئی۔ وہان سے قیصر جرمنی نے اُسکی نقل حاصل کی اُسکو پڑھنے کی غرض سے اہل جرمنی کو سنسکرت زبان پڑھنے کا شوق ہوا چنانچہ بکمال ذوق وشوق زبان حاصل کرکے سنسکرت کا ایک مستقل سکول کھول دیا جرمنی زبان سنسکرت اور اُسکے علوم وفنون کو نہایت دلچسپی سے پڑھتے ہین۔ چارون ویدون کو طبع کرکے داخل درس کرلیا ہی۔ یہ مقدس کتاب توحید وعلوم الٰہیات سے مملو ہی۔ دیانند سرسوتی جنکو گزرے ہوے کچھ زیادہ زمانہ نہین گزرا ہی بڑے فاضل وکامل دیکے موحد تھے۔ وہ بت پرستی کو خلاف احکام وید کی تعمیل دیتے تھے۔ افسوس کہ اُنکو دشمنون نے زہر دیکر خفیہ طور پر مار ڈالا اُنکے پیرو اب بھی کثرت سے موجود ہین۔

کاغذ کی تاریخ

محمد حسین محوی صدیقی

کاغذسازی کا کام اول اول ۱۰۰ھ کے بعد شروع ہوا تھا سب سے پہلے جاپان چین۔ عرب مصر اور تبت نے کاغذ بنایا تھا تبت نے بانسون کے بودے پرانے سن کے ٹکڑے بچھلیونکے جال۔ بھوج پتر کی چھال وغیرہ سے کاغذ تیار کیا جاتا تھا۔ ایک قسم کے درخت کی چھال اور وہان کی پیال سے بھی کاغذ تیار کیا جاتا تھا۔

سنہ ۷۰ء مین سمرقند کے اندر کاغذسازی کا ایک کارخانہ تھا۔ تبت مین ۸۰ھ کے بعد وسط مین کاغذسازی کا کام شروع ہوا۔ عرب لوگ ۸۰ھ کے آخر مین کپاس روئی یا اون کو کاغذسازی کے کام مین لاتے تھے۔

ہندوستان مین کاغذسازی کیلیے سب سے زیادہ زبردست ثبوت عہد اکبر سے ملتا ہی۔ اسوقت اول ہی اول کشمیر مین کاغذسازی کی صنعت کا آغاز ہوا تھا۔ اور بعد ازان اسکی صنعت سارے ہندوستان مین پھیل گئی اور اسکے بعد سے بھوج پتر پر لکھنے کا رواج اُٹھ گیا۔ پہاڑی علاقہ جات کے باشندے نہین ایک قسم کے درخت کی چھال کا بڑا رواج تھا اور اسی طرح غیر پہاڑی بھوج پتر کا کام مین لاتے تھے۔ لیکن جب سے ہندوستان مین کاغذ کا رواج ہوا۔ دونون چیزون کا چلن بند ہوگیا اکبر کی نگرانی مین کشمیر کے اندر کاغذ کا کارخانہ جاری ہونیکے بہت پہلے کوہ ہمالہ کے شرقی باشندون مین ایک قسم کی کاغذسازی کی صنعت موجود تھی جو غالباً انھون نے چینیون سے حاصل کی ہوگی یہ صنعت دن بدن فروغ حاصل کرتی رہی اور آج بھی ہندوستان مین بھٹی پرانا تک کمایون اور گڑھوال مین چھپی ہوئی کاغذ بنانیکا طریقہ جاری ہی

موٹھ

(۱)

ڈاکٹر جے پال نے اعلیٰ درجہ کی سند حاصل کی تھی لیکن اسے تقدیر کہیے یا کاروباری اصولوں سے لاعلمی کہ انھیں اپنے پیشہ میں کبھی فروغ نہوا۔ انکا مکان ایک تنگ گلی میں واقع تھا لیکن انھیں کوئی کشادہ مکان لینے کا کبھی خیال نہوا۔ دواخانہ کی الماریاں نمایشان اور دوسرے طبی آلات بھی صاف ستھرے نہ تھے۔ اس کفایت شعاری کے اصول کو وہ اپنی خانہ داری میں سختی سے ملحوظ رکھتے تھے۔ لڑکا جوان ہوگیا تھا لیکن ابھی تک اسکی تعلیم کی فکر نہ تھی۔ سوچتے تھے اتنے دنوں کتابوں سے سرمار کر ایسی کونسی ثروت پیدا کرلی کہ خواہ مخواہ اسکی تعلیم پر ہزاروں روپیہ خرچ کروں۔ انکی بیوی اہلیا صابر اور جفاکش عورت تھی لیکن ڈاکٹر صاحب نے اُن اوصاف پر اتنا بوجھ رکھدیا تھا کہ انکی کمر بھی خم ہوگئی تھی مان بھی زندہ تھیں لیکن زندگی سے بیزار، جو گنگا اشنان کیلیے ترس ترس کے رہ جاتی تھیں دوسرے متبرک مقاموں کی جاترا کا ذکر ہی کیا۔ ان بیدردانہ کفایت شعاریوں کا نتیجہ یہ تھا کہ اس گھر میں اطمینان اور مسرت کا نام نہ تھا۔ اگر کوئی مدّ فاضل تھی تو وہ بڑھیا مہری جگیا تھی۔ اسنے ڈاکٹر صاحب کی گود میں کھلایا تھا اور اسے اس گھر سے کچھ ایسی محبت ہوگئی تھی کہ سب خرچ کی سختیاں جھیلتی تھی پر ٹلنے کا نام نہ لیتی تھی۔

(۲)

ڈاکٹر صاحب بڑی آمدنی کی کمی کو کپڑے اور شکر کے کارخانوں میں حصے لیکر پورا کرتے تھے آج سوء اتفاق سے بمبئی کے ایک کارخانے نے انکے پاس سالانہ نفع کے ۷۵۰۰ روپے بھیجے ڈاکٹر صاحب نے بیرہ کھولا۔ نوٹ گنے اور ڈاکیہ کو رخصت کرنا چاہتے تھے لیکن ڈاکیہ کے پاس روپے زیادہ تھے۔ بوجھ سے دبا جاتا تھا۔ بولا حضور روپے لے لیں اور مجھے نوٹ دیدیں

تو بڑا احسان ہو۔ بوجھ ہلکا ہو جائے۔ ڈاکٹر صاحب ڈاکیون کو خوش رکھنا چاہتے تھے انھین مفت دوائین دیدیا کرتے تھے۔ سوچے آخر مجھے بنک جانیکے لیے تانگہ منگانا ہی پڑیگا کیون نہ مفت کرم داشتن کے اصول پر عمل کرون۔ روپے گنکر ایک تھیلی مین رکھدیے اور سوچ ہی رہے تھے کہ چلون انھین بنک مین رکھتا آؤن کہ ایک مریض نے بلا بھیجا۔ ایسے موقعے یہان شاذ ہی آتے تھے۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب کو صندوقچہ پر بھروسہ نہ تھا لیکن مجبوراً تھیلی کو صندوقچہ مین رکھا اور مریض کو دیکھنے چلے گئے۔ وہان سے لوٹے تو تین بج چکے تھے بینک بند ہو چکا تھا۔ آج روپے کسی طرح جمع نہ ہو سکتے تھے حسب معمول شفاخانہ مین بیٹھ گئے آٹھ بجے رات کو جب وہ اندر جانے لگے تو احتیاطاً تھیلی کو اندر رکھنے کے لیے صندوق سے نکالا تھیلی کچھ ہلکی معلوم ہوئی۔ اسے فوراً دواؤن کی ترازو پر تولا۔ ہوش اڑ گئے۔ پورے ڈھائی سو روپے کم تھے۔ اعتبار نہوا۔ تھیلی کھولکر روپے گنے ڈھائی سو روپے کم نکلے مجنونانہ بے صبری کے ساتھ صندوق کے دوسرے خانون کو ٹٹولنا شروع کیا لیکن بے سود! روپے غائب ہو گئے تھے۔ مایوس ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور حافظہ کو مجتمع کرنے کے لیے آنکھین بند کرکے سوچنے لگے مین نے روپے گنین الگ تو نہین رکھدیے۔ ڈاکیہ نے روپے کم تو نہین دے۔ مین نے شمار کرنے مین تو غلطی نہین کی؟ ہرگز نہین۔ مین نے پچیس پچیس روپے کی گڈیان لگائی تھین۔ پوری تیس گڈیان تھین۔ خوب یاد ہے۔ مین نے ایک ایک گڈی گنکر تھیلی مین رکھی۔ حافظہ مطلق خطا نہین کرتا۔ صندوق کی کنجی بھی بند کر دی تھی۔ مگر اوہو اب سمجھ مین آگیا۔ کنجی میز ہی پر چھوڑ دی۔ عجب نہین اسے جیب مین رکھنا بھول گیا۔ وہ ابتک میز ہی پر پڑی ہے۔ بس یہی بات ہے۔ کنجی جیب مین ڈالنے کا خیال نہ رہا۔ لیکن مے کون گیا باہر کے دروازے بند تھے۔ گھر مین کوئی میرے روپے پیسے چھوتا نہین۔ آجتک کبھی ایسا اتفاق نہین ہوا۔ ضرور کسی باہر کے آدمی کی حرکت ہے۔ ممکن ہے کوئی دروازہ کھلا رہگیا ہو، کوئی شخص دوا لینے آیا ہو، میز پر کنجی پڑی دیکھی ہو اور صندوق کھولکر روپے نکال لیے ہون اسی سے مین روپے نہین لیا کرتا۔ کیا عجب ہے ڈاکیہ ہی کی شرارت ہو۔ بہت ممکن ہے۔ اسنے مجھے صندوق مین تھیلی رکھتے دیکھا تھا۔ یہ روپے جمع ہو جاتے تو میرے پاس پورے

.... ہزار روپیے ہوجاتے۔ سود کا حساب لگانے مین آسانی ہوتی۔ کیا کرون؟ پولیس مین اطلاع کرون؟ بالکل بے سود، خواہ مخواہ کا دردسر ہی۔ محلہ بھر کے آدمیون کا دروازہ پر مجمع ہوگا، دس پانچ آدمیون کو گالیان کھانی پڑینگی اور حاصل کچھ نہین۔ تو کیا صبر کرکے بیٹھ رہون؟ کیسے صبر کرون۔ یہ کوئی مال مفت نہ تھا حرام کی رقم ہوتی تو سمجھتا مالِ حرام تو بجاے حرام رفت۔ یہان تو ایک ایک پیسہ اپنے پسینے کا ہی۔ مین جو اتنی کفایت سے بسر کرتا ہون، اتنی تکلیفین اٹھاتا ہون، بخیل مشہور ہون۔ گھر کے ضروری مصارف مین بھی قطع و برید کرتا رہتا ہون، کیا اسی لیے کہ کسی آپکے کیلیے سامان تفریح مہیا کرون؟ مجھے ریشم سے نفرت نہین، نہ سیوے کم مرغوب ہین نہ سورمضم کی شکایت ہی کہ بالائی نہ ہضم کرسکون نہ ضعف بصر ہی کہ عینک اور سائنما کا لطف اٹھا سکون۔ آخر یہ نفس کشی اسی لیے تو کرتا ہون کہ میرے پاس چار پیسے ہوجائین۔ ضرورت کے وقت کسی کا دست نگر نہون۔ کچھ جائداد بنا سکون اور نہین تو اچھا گھر ہی بنوالون۔ اور اس نفس کشی کا یہ نتیجہ! گاڑھی محنت کے روپیے یون گالے خورد ہون۔ کاش مجھے معلوم ہوجاتا کہ یہ کس ظالم کی حرکت ہی۔ ستم ہی کہ مین یون دن دہاڑے لٹ جاؤن اور اس غارتگر کا بال بھی بیکا نہو۔ اسکے گھر عید ہو رہی ہوگی، جشن منایا جا رہا ہوگا۔ سب کے سب بغلین بجا رہے ہون گے۔

اس خیال سے ڈاکٹر صاحب پر ایک پُر اضطراب جذبۂ انتقام کا غلبہ ہوا۔ مین نے کبھی کسی فقیر کو کسی سادھو کو، دروازے پر کھڑا نہین ہونے دیا، باوجود تقاضون کے احباب کی کبھی دعوت نہین کی، عزیزون اور مہمانون سے ہمیشہ محترز رہا۔ کیا اسی لیے کہ یون ایک شاطر حریف کا تختۂ مشق بنون۔ کاش مجھے اسکا سراغ مل جاتا تو مین ایک زہریلی سوئی سے اسکا کام تمام کردیتا۔

مگر کوئی علاج نہین۔ قہر درویش برجان درویش کا معاملہ ہی۔ خفیہ پولیس والے بھی بس نام ہی کے ہین، سراغرسانی کا مادہ نہین۔ انکی ساری کارروائی سیاسی تقریرون کی غلط رپورٹین لکھنے پر ختم ہوجاتی ہی۔ انسان کتنا معذور ہی۔ کسی مسمرائزر کے پاس چلون۔ وہ اس عقدہ کو حل کرسکتا ہے۔ سنتا ہون یورپ، اور امریکہ مین اکثر چوریون کا سراغ اس

ترکیب سے مل جاتا ہی۔ مگر یہان ایسا باکمال کون ہی۔ اور پھر مسمریزم کے جوابات ہمیشہ معتبر نہین ہوتے۔ جوتشیون کی طرح وہ بھی قیاسات کے بحر بیکنار مین غوطے کھانے لگتے ہین کچھ لوگ نام بھی تو نکالتے ہین۔ اُنکے بڑے حیرت انگیز معجزے سنتے ہین۔ مین نے کبھی اُن روایتون پر اعتبار نہین کیا۔ مگر کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہی ورنہ اس مادی دور مین اس علم کا وجود ہی نہ رہتا آجکل کے علماء طبیعات بھی تو روحانیات کے قائل ہوتے جاتے ہین مگر بالفرض کسی ملانے کسی بے جرم کا نام بتلا ہی دیا تو میرے ہاتھ مین اسکے پاداش کا کونسا آلہ ہی۔ وہ ضمیر گوئی شہادت کا کام نہین دیسکتی بجز اسکے کہ ایک لمحہ کیلیے میری طبیعت کو سکون ہو جائے اور اس سے کیا حاصل ہی!

ہان خوب یاد آیا۔ ندی کی طرف جاتے ہوے وہ جو ایک اونچا ٹیلہ ہی اُسکے ترتب کے اکثر واقعات سُننے مین آتے ہین سُنتا ہون دفینون کا پتہ بتلا دیتا ہی۔ مریضون کو بات کی بات مین چنگا کر دیتا ہی۔ چوری کے مال کا پتہ لگا دیتا ہی۔ موٹھ چلاتا ہی۔ موٹھ کی بڑی تعریف سنی ہی۔ موٹھ چلا اور چور کے مُنھ سے خون جاری ہوا جبتک وہ مال واپس نہ کر دے خون بند نہین ہوتا۔ یہ ترکیب اگر کارگر ہو جائے تو میرا دلی منشا پورا ہو جائے۔ مُنھ مانگی مُراد بر آئے۔ روپے بھی مل جائین۔ چور کی تنبیہ بھی ہو جائے۔ اسکے یہان ہمیشہ غرض مندون کا ہجوم لگا رہتا ہی۔ اگر اسمین کچھ کرتب نہوتا تو اتنے لوگ کیون جمع ہوتے۔ اسکے چہرہ سے ایک سلیمت برستی ہی۔ آجکل کے تعلیمیافتہ لوگون کو تو ان باتون پر اعتقاد نہین ہی لیکن پنچ آدمیون اور جملا مین تو اسکا کافی چرچا ہی۔ بھوت، آسیب، جن، کے افسانے روز ہی سُنا کرتا ہون۔ کیون نہ اسی اوجھے کے پاس چلون۔ بالفرض کوئی فائدہ نہ بھی ہو تو میرا نقصان ہی کیا ہی۔ جیب مین ساڑھے سات سو گئے ہین دو چار روپے کا خون اور سہی۔ مال مل گیا تو پوچھنا ہی کیا۔ چور کی قرار واقعی سرزنش بھی ہو جائیگی۔ یہ موقع بھی اچھا ہی۔ آدمیون کا ہجوم کم ہوگا۔ چلنا چاہیے۔

(۳)

دل مین یون فیصلہ کرکے ڈاکٹر صاحب اُس سیانے کے گھر کی طرف چلے۔ جاڑے کی رات تھی۔ لوگ سو گئے تھے۔ راستہ قریب قریب بند ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی گھر دن سے رامائن کی صدا

کانون مین آجاتی تھی۔ کچھ دور کے بعد بالکل سناٹا ہوگیا۔ راستہ کے دونون طرف سبز یون کے کھیت تھے گیدڑون کے ہوا نے کی آواز سنائی دینے لگی۔ معلوم ہوتا ہی انکا غول نہین قریب ہی ہی۔ ڈاکٹر صاحب کو اکثر دور سے انکا نغمہ مکروہ سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ مگر اسوقت اس سناٹے مین اور اتنے قریب سے انکی چیخ سنکر انھین ڈر لگا۔ کئی بار اپنی چھڑی زمین پر ٹیکی۔ یہ درندے بزدل ہوتے ہین۔ آدمی کے قریب نہین آتے۔ لیکن پھر اندیشہ ہوا کہین انھین کوئی پاگل ہو تو۔ اسکا کاٹا تو بچتا ہی نہین۔ یہ فکر ہوتے ہی جراثیم اور بیکٹیریا اور پاسٹیور انسٹیٹوٹ اور کسولی کے خیالات انکے دماغ مین چکر کھانے لگے۔ وہ تیزی سے قدم بڑھائے چلے جاتے تھے۔ دفعتہً خیال آیا کہین میرے ہی گھر ہی مین کسی نے روپے اڑا دیے ہون تو؟ وہ فوراً ٹھٹک گئے۔ مگر ایک ہی لمحہ مین انھون نے اس صورت حال کا بھی فیصلہ کر لیا۔ کوئی مضائقہ نہین۔ گھر والون کو تو اور بھی سخت سزا ملنی چاہیے۔ چور کو مجھ سے کوئی ہمدردی نہین ہوسکتی۔ لیکن گھر والون کی ہمدردی کا مین مستحق ہون۔ انھین جاننا چاہیے کہ مین جو کچھ کرتا ہون انھین کیلیے کرتا ہون۔ اگر اسپر بھی وہ مجھے یون دغا دینے پر آمادہ ہون تو اُنسے زیادہ کافر نعمت، اُنسے زیادہ احسان فراموش، اُنسے زیادہ بیرحم اور کون ہوگا۔ انھین اور بھی سخت سزا ملنی چاہیے۔ ایسی عبرتناک کہ پھر کبھی کسی کو ایسی جرأت نہو۔

آخر وہ اونچے کے گھر کے قریب جا پہونچے۔ آدمیون کی بھیڑ نہ تھی۔ انھین تسکین ہوئی۔ ہان اُنکے تیز قدم ذرا دھیمے پڑ گئے۔ اور پھر خیال ہوا کہین یہ سب ڈھکوسلا ہی ڈھکوسلا ہو تو خواہ مخواہ شرمندہ ہونا پڑے۔ جوگئے احمق بنائے۔ شاید اوجھا بھی مجھے اپنے دل مین حقیر سمجھے۔ لیکن اب تو آگئے۔ یہ تجربہ بھی حاصل کر لون۔ اور کچھ نہوگا تو امتحان ہی سہی۔ اوجھا کا نام بدھو تھا۔ لقب چودھری۔ ذات کا چمار۔ مکان بہت تنگ اور بوسیدہ۔ سائبان اتنا نیچا کہ جھکنے پر بھی سر مین ٹکر لگنے کا خوف ہوتا تھا۔ دروازہ پر ایک نیم کا درخت تھا۔ اسکے نیچے ایک چبوترہ۔ نیم کے درخت پر دور سے ایک جھنڈی سی لہراتی ہوئی نظر آئی، چبوترہ پر بیسیون سیکڑون ہاتھی سیندور سے رنگے ہوے کھڑے تھے۔ کئی لوہے کے نوکدار ترسول بھی نظر آتے تھے، جو گویا ان سست رفتار ہاتھیون کیلیے آنکس کا کام دے رہے تھے۔ دس بجے تھے۔ بدھو چودھری جو ایک سیہ فام

قوی ہیکل، توندیلا، رعب دار آدمی تھا ایک پھٹے ہوئے ٹاٹ پر بیٹھا نار یل پی رہا تھا، بوتل اور گلاس بھی سامنے رکھے ہوئے تھے۔

بدھو نے ڈاکٹر صاحب کو دیکھکر فوراً بوتل چھپادی اور نیچے اُتر کر سلام کیا۔ گھر مین سے ایک بڑھیا نے مونڈھا لاکر اُنکے لیے رکھدیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کچھ جھیجتے ہوئے سارا واقعہ مفصل بیان کیا۔ بدھو نے کہا ہجور یہ کون بڑا کام ہی۔ ابھی اسی اتوار کو دروگا جی کی گھڑی چوری گئی تھی بہت کچھ تحقیقات کی پتہ نہ چلا۔ مجھے بُلایا۔ مین نے بات کی بات مین پتہ لگا دیا۔ پانچ روپیہ انام دیے۔ کل کی بات ہی جمادار صاحب کی گھوڑی کھوگئی تھی۔ چارون طرف دوڑتے پھرتے تھے۔ مین نے ایسا پتہ بتایا کہ گھوڑی کھڑی چرتی ہوئی مل گئی۔ اسی بدیا کی بدولت ہجور حاکم حکام سب مانتے ہین۔

جے لال کو داروغہ اور جمعدار کا ذکر ناگوار گذرا۔ ان جاہلون کی نگاہون مین جو کچھ ہین وہ داروغہ اور جمعدار ہین۔ بولے مین محض چوری کا پتہ لگانا نہین چاہتا۔ مین چور کو سزا دینی چاہتا ہون۔

بدھو نے ایک لحہ کے لیے آنکھین بندکین، جمائیان لین، چٹکیان بجائین اور بولا یہ گھر ہی کے کسی آدمی کا کام ہی،

جے لال۔ کچھ پرواہ نہین۔ کوئی ہو۔

بڑھیا۔ پیچھے سے کوئی بات بنے بگڑے گی تو ہجور ہمین کو بُرا کہین گے،

جے لال۔ اسکی کچھ فکر نہ کرو۔ مین نے خوب سوچ لیا ہی۔ میرا اپنا لڑکا ہی ہو تو بھی مین اُسے سبق دینے سے باز نہ آؤن گا۔ بلکہ اگر گھر کے کسی آدمی کی شرارت ہو تو مین اسکے ساتھ اور بھی سختی کرنی چاہتا ہون۔ باہر کا آدمی میرے ساتھ دغا کرے تو معافی کے قابل ہی۔ لیکن گھر کے آدمی کو مین کسی طرح معاف نہین کرسکتا۔

بدھو۔ تو ہجور چاہتے کیا ہین؟

جے لال۔ بس یہی کہ میرے روپیے مل جائین اور چور کسی سخت عذاب مین گرفتار ہوجائے۔

بدھو۔ موٹھ چلادون؟

بڑھیا۔ نہ بیٹا موٹھ کے پاس نہ جانا۔ نہ جانے کیسی پڑے کیسی نہ پڑے "

جے لال۔ تم موٹھ چلا دو۔ اسکا جو کچھ محنتانہ شکرانہ ہو وہ مین دینے کو تیار رہون "

بڑھیا۔ بیٹا مین پھر کہتی ہون موٹھ کے پھیر مین نہ پڑ۔ کوئی جوکھم کی بات آپڑے گی تو یہی بابو جی پھر تیرے سر ہونگے اور تیرے بنائے کچھ نہ بنے گی۔ کیا جانتا نہین۔ موٹھ کا اُتارنا کتنا کٹھن ہے "

بدھو۔ ہان بابو جی سوچ سمجھ لیجیے۔ موٹھ تو مین چلا دون گا لیکن اُسکو اُتارنے کا جمہ (ذمہ) نہین لے سکتا "

جے لال۔ اجی کہہ تو دیا۔ مین تمسے اُتارنے کو نہ کہون گا۔ چلاؤ بھی تو "

بدھو نے ضروری سامان کی ایک طویل فہرست پیش کی۔ ڈاکٹر صاحب نے چیزین خریدنیکے مقابلہ مین نقد روپیہ دینا زیادہ مناسب سمجھا۔ بدھو بخوشی راضی ہوگیا۔ چلتے وقت بولے "اچھا منتر چلاؤ کہ صبح ہوتے ہوتے چور میرے پاس مال لیے ہوے آکر حاضر ہو جائے "

بدھو نے کہا آپ نسا کھاتر رہین ایسا ہی ہوگا۔

(۴)

جے لال گھر پہونچے تو گیارہ بج گئے تھے۔ جاڑے کی رات کڑاکے کی سردی تھی۔ ان کی ماں اور بیوی دونون بیٹھی ہوئی انکا انتظار کر رہی تھین طبیعت کو بہلانیکے لیے بیچ مین ایک انگیٹھی رکھ لی تھی جسکا اثر جسم کی نسبت خیال پر زیادہ پڑتا تھا۔ یہان کوئلہ تکلف سمجھا جاتا تھا۔ بڑھیا مہری جگیا جو مادی حرارت سے اسقدر بے نیاز نہ تھی وہین ایک پھٹا ٹاٹ کا ٹکڑا اوڑھے پڑھی ہوئی تھی۔ وہ بار بار اُٹھکر اپنی اندھیری کوٹھری مین جاتی طاق پر کچھ ٹٹول کر دیکھتی اور پھر اپنی جگہ پر آکر پڑ رہتی۔ بار بار پوچھتی کتنی رات ہوگئی ہوگی۔ ذرا بھی کھٹکا ہوتا تو چونک پڑتی اور مژدہ نگاہون سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگتی۔ آج ڈاکٹر صاحب نے خلاف معمول کیون اتنی دیر لگائی اسکا سب کو تعجب تھا۔ ایسا بہت کم موقع ہوتا تھا کہ اُنھین مریضون کو دیکھنے کیلیے رات کو جانا پڑتا ہو۔ اگر کچھ لوگ اُنکے درست شفا کے قائل تھے تو رات کو اس گلی مین آنے کی زحمت نہ گوارا کرتے تھے۔ ملکی یا مجلسی معاملات سے انکو اتنا شوق نہ تھا جو اس تاخیر کا باعث ہو۔ مجلس احباب مین وہ کبھی شریک نہ ہوتے تھے۔ کسی

تھیٹر مین جانا اُسکے دائرۂ خیال سے بھی باہر تھا۔ مان نے کہا جانے کہان چلے گئے۔ کھانا بالکل پانی ہوگیا ہوگا۔

اہلیا۔ آدمی جاتا ہی تو کہہ کے جاتا ہی۔ آدھی رات سے اوپر ہوگئی۔

مان۔ کوئی ایسی ہی آنک ہوگئی نہین تو وہ کب گھر سے باہر نکلتے ہین۔

اہلیا۔ مین تو اب سونے جاتی ہون۔ اُنکا جب جی چاہے آئین۔ کوئی ساری رات بیٹھا ہوا پہرہ دیگا؟

یہی باتین ہو رہی تھین کہ ڈاکٹر صاحب اندر داخل ہوے۔ اہلیا سنبھل بیٹھی۔ جگیا اُٹھکر کھڑی ہوگئی اور اُسکی طرف سہمی ہوئی آنکھون سے تاکنے لگی۔ مان نے پوچھا۔ آج کہان اتنی دیر لگادی؟

جے لال۔ تملوگ تو آرام سے بیٹھی ہو نہ۔ مجھے دیر ہوگئی اسکی تمھین کیا فکر۔ جاؤ آرام سے سوؤ۔ ان ظاہرداریون سے مین دھوکے مین نہین آتا۔ موقع پاؤ تو گلا کاٹ لو۔ اسپر چلی ہو باتین بنانے۔

مان نے شرمندہ اور خفیف ہوکر کہا۔ بیٹا ایسی دل دُکھانیوالی باتین کیون کرتے ہو۔ گھر مین تمھارا کون بیری ہی جو تمھارا برا چیتے گا؟

جے لال۔ مین کسی کو اپنا دوست نہین سمجھتا۔ سبھی میرے دشمن ہین۔ میری جان کے گاہک ہین تو کیا آنکھ اوجھل ہوتے ہی میری میز پر سے ڈھائی سو روپیہ غائب ہوجاتے۔ دروازے باہر سے بند تھے۔ کوئی غیر آیا نہین اور روپیے رکھتے ہی رکھتے اُڑ گئے۔ جو لوگ اسطرح میرا گلا کاٹنے پر آمادہ ہون اُنھین کیونکر اپنا سمجھون۔ مین نے خوب پتہ لگا لیا ہی۔ ابھی ایک سیانے کے پاس سے چلا آرہا ہون۔ اُسنے صاف کہدیا کہ گھر ہی کے کسی آدمی کا فعل ہی غیر جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ مین بھی ثابت کردونگا کہ مین اپنے دشمنون کا دوست نہین ہون۔ اگر باہر کے کسی آدمی نے مجھے رشک دیا ہوتا تو شاید مین درگذر کر جاتا لیکن جب گھر کے آدمی جنکے لیے مین رات دن چکی پیستا ہون میرے ساتھ ایسی دغا کرین تو وہ اسی لائق ہین کہ اُنکے ساتھ ذرا بھی رورعایت نہ کی جائے۔ دیکھنا صبح تک چور کی کیا حالت ہوتی ہی۔ مین نے سیانے سے موٹھ چلانیکا

کہدیا ہی۔ موٹھ چلا اور آدھر چور کے جان کی خیریت نہین "جگیا گھر آکر بولی" بھتیا موٹھ مین تو جان جوکھم ہے"

جے لال "چور کی یہی سزا ہے"

بڑھیا "کس سیانے نے چلایا ہے؟

جے لال "بدھو چودھری نے"

بڑھیا۔ ارے رام۔ اسکے موٹھ کا تو آتا ہی نہین۔

جے لال اپنے کمرے مین چلے گئے تو مان نے کہا سوم کا دھن شیطان کھاتا ہی۔ ڈھائی سو روپیے کوئی مفت مار کرلے گیا۔ اتنے مین تو میرے ساتون دھام ہو جاتے۔

اہلیا بولی "کنگن کیلیے برسون سے جھینک رہی ہون۔ اچھا ہوا۔ میری آہ پڑی ہے"

مان "بھلا گھر مین انکے روپیے کون چھوئے گا"

اہلیا "کوا ڑھکے ہونگے۔ کوئی باہری آدمی اڑا لے گیا ہوگا"

مان "اکھوبشواس کیونکر آگیا کہ گھر ہی کے کسی آدمی نے روپیے چرائے ہین"

اہلیا "روپیہ کا لوبھ آدمی کو نیچ بناتا ہے"

(۵)

رات کے ایک بجے تھے۔ جے لال وحشتناک خوابون کے نرغے مین پڑے ہوے تھے دفعتہً اہلیا نے آکر کہا ذرا چلکر دیکھو جگیا کی کیا حالت ہو رہی ہی۔ معلوم ہوتا ہی زبان اینٹھ گئی کچھ بولتی ہی نہین۔ آنکھین پتھرا گئی ہین۔

جے لال چونک کر اٹھ بیٹھے۔ ایک لمحہ تک ادھر ادھر تاکتے رہے گویا تحقیق کر رہے تھے یہ بھی تو خواب نہین ہی۔ تب بولے کیا کیا؟ جگیا کو کیا ہو گیا؟

بیوی نے پھر جگیا کی حالت بیان کی۔ جے لال کے چہرہ پر ایک ہلکا سا تبسم نظر آیا۔ بولے چور پکڑا گیا۔ موٹھ نے اپنا کام کیا۔

بیوی۔ اور جو گھر ہی کے کسی آدمی نے لے لیے ہوتے؟

جے لال۔ تو اسکی بھی یہی حالت ہوتی۔ ہمیشہ کیلیے سبق مل جاتا۔

بیوی۔ ڈھائی سو روپیے کے پیچھے جان لے لیتے!

جے لال۔ ڈھائی سو روپیہ کیلیے نہین۔ ضرورت پڑے تو ڈھائی ہزار خرچ کرسکتا ہون۔ صرف دغابازی کی سزا دینے کے لیے۔

بیوی "بڑے بے رحم ہو"

جے لال تمھین سر سے پیر تک سونے سے لاد دون تو مجھے نیکی کا پتلا سمجھنے لگو۔ کیون؟ افسوس ہی کہ مین تمسے یہ سند نہین لے سکتا۔

یہ کہتے ہوے وہ جگیا کی کوٹھری مین گئے۔ اُسکی حالت اس سے کہین زیادہ خراب تھی جو اہلیا نے بیان کی تھی۔ اعضا اکڑ گئے تھے۔ نبض کا کہین پتہ نہ تھا۔ اُسکی مان اُسے ہوش مین لانے کیلیے بار بار اُسکے منھ پر پانی کے چھینٹے دے رہی تھین۔ جے لال نے یہ حالت دیکھی تو ہوش اُڑ گئے۔ انھین اپنی تدبیر کے کارگر ہونے پر خوش ہونا چاہیے تھا۔ جگیا نے روپیے چرائے اسکے لیے اب مزید ثبوت کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن موٹھ ایسی سریع الاثر اور قاتل چیز ہے اسکا انھین گمان بھی نہ تھا۔ وہ چور کو ایڑیان رگڑتے، دردسے کراہتے، اور تڑپتے ہوے دیکھنا چاہتے تھے۔ اُنکی یہ خواہش انتقام غیر متوقع طور پر پوری ہو رہی تھی۔ مگر یہ وہ نمک کی کثرت تھی جو لقمہ کو منھ کے اندر جانے نہین دیتی۔ یہ نظارۂ درد دیکھکر انھین خوشی کے بجاے رونگٹے کھڑے ہوجاتے۔ طبیعت مین ہم اپنی بیرحمی اور بیدردی کا مبالغہ آمیز اندازہ کرلیا کرتے ہین۔ واقعہ تخیل سے کہین زیادہ موثر ہوتا ہی۔ جنگ کا تخیل کتنا شاعرانہ ہی۔ رزمیہ شاعری کتنی حرارت انگیز۔ مگر کچلی ہوئی لاشین اور کٹے ہوے اعضا دیکھکر کون بشر ہی جسکے رونگٹے نہ کھڑے ہوجاتین۔ بلاشبہ درد انسان کی سرشت ہے۔

اسکے علاوہ مجرم کی خستہ حالی نے اس جذبۂ درد کو اور بھی متحرک کردیا۔ جگیا جیسا وجود نحیف اُسکے طبیعت کا شکار رہوگا اسکا انھین گمان نہ تھا۔ وہ سمجھے تھے میرے انتقام کا وار کسی جاندار آدمی پر ہوگا۔ یہان تک کہ وہ اپنی بیوی اور لڑکے کو بھی اس وار کے قابل سمجھتے تھے لیکن مرے کو مارنا، بچے کو کچلنا انھین اپنے شان انتقام کے خلاف معلوم ہوا۔ جگیا کی یہ حرکت معافی کے قابل تھی۔ جیسے روٹیون کے لالے ہون، جو کپڑون کو ترسے جسکا خانہ آرزو

ہمیشہ اندھیرا رہا ہو جسکی خواہشین کبھی مسکرائی نہون، اسکی نیت خام ہو جائے تو تعجب کی بات نہین۔ وہ فوراً دوا خانہ مین گئے بہترین ہوش آور ادویات کا ایک مرکب تیار کرلائے اور مجگیا کے حلق مین ڈال دیا۔ اس سے کچھ افاقہ نہوا تو برقی آلات لائے اور انکی مدد سے مجگیا کو ہوش مین لانے کی کوشش کرنی شروع کی۔ ایک لحہ مین مجگیا کی آنکھین کھل گئین اُسنے سہمی ہوئی نگاہون سے جے لال کو دیکھا، جیسا لڑکا اپنے مدرسہ کی چھڑی کی طرف دیکھتا ہو اور اکھڑی ہوئی آواز مین بولی، ہائے رام! کلیجہ پھٹا جاتا ہو۔ اپنے روپیے لے طاق پر ایک ہانڈی ہو اسی مین رکھے ہوے ہین مٹھی بھر روپیون کے لیے مجھے آگ مین جلا رہا ہے مین تجھے اتنا کالا نہ سمجھتی تھی۔ ہائے رام!

یہ کہتے کہتے اُسپر پھر غشی عارض ہوگئی۔ نبض بند ہوگئی ہونٹ نیلے پڑ گئے۔ اعضا مین تشنج ہونے لگا۔ جے پال بے بیکسانہ ندامت سے بیوی کی طرف دیکھا اور بولے مین تو اپنی ساری حکمت خرچ کر چکا۔ اب اسے ہوش مین لانا میرے امکان سے باہر ہی۔ مین کیا جانتا تھا کہ یہ کمبخت موٹھ اتنا قاتل ہوتا ہی۔ کہین اسکی جان پر بن گئی تو ساری عمر پچھتانا پڑیگا۔ ضمیر کے ٹھوکرون سے کبھی نجات نہ ملے گی، کیا کرون کچھ عقل کام نہین کرتی۔

اہلیا۔ سول سرجن کو بلاؤ شاید وہ کوئی اچھی دوا دیدے۔ کسی کو جان بوجھکر آگ مین ڈھکیلنا نہ چاہیے۔

جے لال۔ سول سرجن اس سے زیادہ اور کچھ نہین کر سکتے جو مین کر چکا۔ ہر لحہ اسکی حالت نازک ہوتی جاتی ہی نہ جانے ظالم نے کونسا منتر چلا دیا۔ اسکی مان مجھے بہت سمجھاتی رہی لیکن مین نے طیش مین اُسکی باتون کی ذرا بھی پروا نہ کی۔

مان۔ بیٹا تم اسی کو بلاؤ جسنے منتر چلایا ہی۔ وہی اسے اُتار سکے گا۔ رات تو بہت گئی ہی۔ لیکن کیا کیا جائیگا کہین مرگئی تو ہتیا سر پڑے گی۔ خاندان کو ہمیشہ ستائے گی۔

(۶)

دو کا عمل تھا۔ ٹھنڈی ہوا ہڈیون مین چبھی جاتی تھی۔ جے لال قدم بڑھائے بدھو چودھری کے گھر کی طرف چلے جاتے تھے۔ ادھر اُدھر بے سود نگاہین دوڑاتے تھے کہ کوئی یکہ یا تانگہ

ی جائے۔ اُنھیں معلوم ہو رہا تھا کہ بدھو کا مکان بہت دور ہو گیا ہے۔ کئی بار دھوکا ہوا
مین راستہ تو نہین بھول گیا۔ کئی بار ادھر آیا ہون یہ باغیچہ کبھی نہ ملا۔ یہ لیٹر بکس بھی
رک پر کبھی نہین دیکھا۔ یہ پل تو ہرگز نہ تھا۔ ضرور راستہ بھول گیا کس سے پوچھون۔ وہ
نی یادداشت پر جھنجھلائے اور اسی رو مین تھوڑی دور تک دوڑے۔ معلوم نہین ظالم
سوقت ملے گا بھی یا نہین، شراب مین مست پڑا ہوگا۔ کہین وہ غریب پل نہ بسی ہو۔
ئی بار دوسرے راستون پر گھوم جانے کا خیال ہوا۔ لیکن تحریک باطن نے سیدھے راستے
سے ہٹنے نہ دیا۔ یہان تک کہ بدھو کا مکان نظر آیا۔ ڈاکٹر صاحب کے جان مین جان آئی
بدھو کے دروازے پر جا کر زور سے کنڈی کھٹکھٹائی۔ اندر سے ایک کتے نے نامانوسانہ انداز
سے جواب دیا لیکن کوئی انسانی آواز نہ سنائی دی۔ پھر اور زور سے کیواڑ کھٹکھٹائے۔ کتا
اور بھی تند ہوا۔ بڑھیا کی نیند ٹوٹی۔ بولی، یہ کون اتنی رات گئے کیواڑ توڑے ڈالتا ہے؟
ڈاکٹر۔ مین ہون جو تھوڑی دیر ہوے تمھارے پاس آیا تھا۔
بڑھیا نے آواز پہچانی۔ سمجھ گئی انکے گھر کے کسی آدمی پر آفت آئی نہین تو اتنی رات گئے
کیون آتے۔ مگر ابھی تو بدھو نے موٹھ چلایا نہین۔ اسکا اثر کیونکر ہوا۔ بجھانی تھی تب
نہ مانا۔ خوب پھنسے۔ اُٹھکر کپی جلائی اور اُسے لیے ہوے باہر نکلی۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا
بدھو چودھری سو رہے ہین کیا۔ ذرا جگا دو۔
بڑھیا۔ نہ بابو جی۔ اس بکھت مین نہ جگاؤن گی۔ مجھے کچا ہی کھا جائیگا۔ رات کو لاٹ صاحب
بھی آئین تو نہین اُٹھتا۔
ڈاکٹر صاحب نے چند لفظون مین سارا ماجرا بیان کیا اور بڑی منت کے ساتھ التجا کی کہ
بدھو کو جگا دے۔ اتنے مین بدھو خود ہی باہر نکل آیا اور آنکھین ملتا ہوا بولا کیہے بابو جی!
کیا حکم ہے؟
بڑھیا نے چڑھکر کہا۔ تیری نیند آج کیسے کھل گئی۔ مین جگانے گئی ہوتی تو مارنے اٹھتا
ڈاکٹر۔ مین نے سارا ماجرا بوڑھا سے کہدیا ہے۔ انھین سے پوچھو،

بڑھیا۔ کچھ نہین تو نے موٹھ چلایا تھا۔ روپیے انکے گھر کی مہری نے دیے ہین۔ اب اسکا اپ ہو رہا ہی"

ڈاکٹر" غریب مر رہی ہی۔ کچھ ایسی تدبیر کرو کہ اسکی جان بچ جائے"

بدھو" یہ تو اب بری سنائی۔ موٹھ کو پھیرنا سچ نہین ہے"

بڑھیا" ارے بیٹا جان جوکھم ہے۔ کیا تجھے مالوم نہین ہی۔ کہین اسکے پھیر نیوالے ہی پر پڑے تو جان بچنی مشکل ہو جائے"

ڈاکٹر" اب اسکی جان تمھارے ہی بچائے بچے گی۔ اتنا دھرم کرو"

بڑھیا" دوسرے کی جان کیلیے کوئی اپنی جان کا ڈھر مین ڈالیگا!

ڈاکٹر" تم رات دن ہی کام کرتے رہتے ہو تمھین اسکے داؤن گھات سب معلوم ہین۔ مار بھی سکتے ہو، جلا بھی سکتے ہو۔ میرا تو ان باتون پر بالکل بشواس ہی نہ تھا لیکن تمھارا کمال دیکھکر دنگ رہ گیا۔ تمھارے ہاتھون کتنے ہی آدمیون کا بھلا ہوتا ہی۔ اس غریب بڑھیا پر رحم کرو"

بدھو کچھ پسیجا لیکن اسکی مان معاملہ داری مین اس سے کہین زیادہ فائق تھی۔ اسے خوف ہوا کہین یہ نرم ہوکر معاملہ بگاڑ نہ دے۔ اسنے بدھو کو کچھ کہنے کا موقع نہ دیا۔ بولی بابوجی۔ یہ تو سب ٹھیک ہی لیکن ہمارے بھی تو بال بچے ہین۔ نہ جانے کیسی پڑے کیسی نہ پڑے وہ تو ہمارے سر جائے گی نہ۔ آپ تو اپنا کام نکال کر الگ ہو جائین گے۔ موٹھ پھیرنا دلگی نہین ہے۔

بدھو" ہان بابوجی کام بڑے جوکھم کا ہے"

ڈاکٹر" کام جوکھم کا ہی تو مین تمسے مفت تو نہین کروانا چاہتا"

بڑھیا" آپ بہت دینگے سو پچاس روپیہ دیدینگے۔ اتنے مین ہم کے دن کھائین گے۔ موٹھ پھیرنا۔ سانپ کے بل مین ہاتھ ڈالنا، آگ مین کودنا ہے۔ بھگوان کی ایسی ہی نگاہ ہو تو جان بچتی ہے،

ڈاکٹر۔ تو ماتاجی مین تمسے باہر تو نہین ہوتا ہون۔ جو کچھ تمھاری مرضی ہو وہ کہو۔ مجھے تو اس

غریب کی جان بچانی ہو۔ یہان باتون مین دیر ہو رہی ہو۔ وہان معلوم نہین آسکا کیا حال ہوگا بڑھیا۔ دیر تو آپ ہی کر رہے ہین۔ آپ بات پکی کر دین تو یہ تو آپ کے ساتھ جائیگا اور جو کچھ اسکے کیے ہو سکے گا کرے گا۔ آپ کی خاطر سے یہ جو کچھ اپنے سر لے رہی ہون۔ دوسرا ہوتا تو کا سا جواب دیدیتی آپ کے ملاحجے مین پڑکر جان بوجھ کر جھک رہی ہون۔

ڈاکٹر صاحب کو ایک ایک لمحہ ایک ایک برس معلوم ہو رہا تھا۔ وہ بدھو کو اسی وقت اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ کہین اسکا دم نکل گیا تو یہ جاکر کیا بنا لیگا۔ اسوقت انکی نگاہ مین روپیہ کی کوئی قیمت نہ تھی۔ صرف یہی فکر تھی کہ جگیا موت کے منھ سے نکل آئے۔ جس روپیہ پر وہ اپنی ضرورتین اور آسائشین، اپنے گھر والون کی خوشی اور خواہش تصدق کرتے تھے۔ اُسے جذبۂ درد نے بالکل ناچیز بنا دیا تھا۔ بولے تمھین بتلا دو۔ اب مین کیا کہون۔ مگر جو کچھ کہنا ہو فوراً کہدو،

بڑھیا۔ اچھا تو پانسو روپیہ دیدیجئے۔ اس سے کم مین کام نہوگا،

بدھو نے مان کی طرف حیرت سے دیکھا۔ اور ڈاکٹر صاحب کو تو سکتہ سا ہو گیا۔ مایوسانہ انداز سے بولے آثار میرے قابو سے باہر ہی۔ معلوم ہوتا ہی اُسکی تقدیر مین مرنا ہی لکھا ہی۔

بڑھیا" تو جانے دیجئے۔ ہمین اپنی جان بھاری تھوڑے ہی ہی۔ ہمنے تو آپ کے ملاحجے سے اس کام کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ جاؤ بدھو سو رہو،

ڈاکٹر۔ بوڑھی ماتا۔ اتنی بیرحمی نہ کرو۔ آدمی کا کام آدمی ہی سے نکلتا ہی"

بدھو" نہین بابوجی۔ مین ہر طرح سے آپ کا کام کرنے کو تیار ہون۔ اسنے پانچسو کہے، آپ کچھ کم کر دیجے۔ ہان جو کچھ کا دھیان رکھیے گا۔

بڑھیا۔ تو جاکے سوتا کیون نہین۔ انھین روپیے پیارے ہین تو کیا تجھے اپنی جان پیاری نہین ہے۔ کل کو لہو تھوکنے لگے گا تو کچھ بنائے نہ بنے گی۔ ہاں بچون کو کس پر چھوڑیگا؟ ہو گھر مین کچھ

ڈاکٹر صاحب نے شرماتے ہوئے ڈھائی سو روپیہ کہے۔ بدھو راضی ہو گیا۔ معاملہ طے ہوا۔ ڈاکٹر صاحب اُسے ساتھ لیکر گھر کی طرف چلے۔ اُنھین ایسی روحانی مسرت کبھی حاصل نہ ہوئی تھی ہا۔ اہو اسقدر بہ جیت کر عدالت سے لوٹنے والا مقدمہ مہ ہاتھ بھی اتنا خوش نہ ہوتا ہوگا۔ لیکے

چلے جاتے تھے۔ بدھو سے بار بار قدم بڑھانے کو کہتے۔ گھر پہونچے تو جگیا کو نزع کی حالت مین پایا۔ معلوم ہوتا تھا دم واپسین ہے۔ اُسکی ماں اور بیوی دونون باچشم تر مایوس بیٹھی ہوئی تھین بدھو کو دونون نے منت آمیز نگاہون سے دیکھا۔ ڈاکٹر صاحب کے آنسو بھی نہ رُک سکے بڑھیا کے سر کی طرف جھکے تو اشک کے کئی قطرے اُسکے مرجھائے ہوے زرد رخسارون پر ٹپک پڑے بدھو کی فراست اب بیدار ہوئی۔ بڑھیا کے بدن پر ہاتھ رکھتے ہوے بولا بوجی اب میرا کیا کچھ نہین ہوسکتا۔ یہ تو دم توڑ رہی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے گڑگڑا کر کہا "نہین چودھری۔ ایشور کے لیے اپنا منتر جلاؤ۔ اسکی جان بچگئی تو مین ہمیشہ کے لیے تمھارا غلام بنا رہونگا"

بدھو۔ آپ مجھسے جان بوجھ کے جبر کھانے کو کہتے ہین۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ موٹھ کے دیوتا اس کمبخت اتنے گرم ہین۔ وہ میرے من مین بیٹھے کہہ رہے ہین تمنے میرا اُسکار چھینا تو ہم تمھین نگل جائینگے

ڈاکٹر۔ دیوتا کو کسی طرح راضی کرلو"

بدھو۔ مشکل سے راجی ہون گے۔ پانچسو روپیے دیجیے تو اسکی جان بچے۔ اُتارے کے لیے بڑے بڑے جتن کرنے پڑین گے"

ڈاکٹر۔ "پانچسو روپیہ دیدون تو اسکی جان بچا دوگے؟

بدھو۔ "ہان سرط بدکر"

ڈاکٹر صاحب بجلی کی طرح لپک کر اپنے کمرے مین گئے اور باقی پانچسو روپیون کی تھیلی لاکر بدھو کے سامنے رکھدی۔ بدھو نے فاتحانہ نظرون سے تھیلی کو دیکھا۔ تب جگیا کا سر اپنی گود مین رکھکر اسپر ہاتھ پھیرنے لگا۔ کچھ بُدبُدا کر چھو چھو کرتا جاتا تھا۔ ایک لمحہ مین اُسکی صورت وحشتناک ہوگئی۔ آنکھون سے شعاعین سی نکلنے لگین۔ بار بار انگڑائیان لینے لگا اسی عالم مین اُسنے ایک بے سُرا گیت گانا شروع کیا۔ مگر ہاتھ جگیا کے سر ہی پر تھے۔ آخر آدھ گھنٹہ مین بڑھیا نے آنکھین کھولدین۔ جیسے بجھتے ہوے چراغ مین تیل پڑ جائے۔ لمحہ بہ لمحہ اُسکی حالت رو بہ اصلاح ہونے لگی اور نزع کی پہلی بانگ سنائی دی۔ ادھر بڑھیا نے ایک انگڑائی لی اور اُٹھ بیٹھی۔ گویا اس بانگ سحر نے اُسے بیدار کردیا۔

(۷)

سات بجے تھے۔ جگیا میٹھی نیند سو رہی تھی۔ اُسکا چہرہ بشاش تھا۔ بدھو روپیون کی تھیلی لیکر ابھی ابھی رخصت ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی مان نے کہا "بات کی بات مین پانچسو روپیہ مارے گیا۔

ڈاکٹر۔ یہ کیون نہین کہتین کہ ایک مردہ کو جلا گیا۔ کیا اسکی جان کی قیمت اتنی بھی نہین ہے؟

مان۔ دیکھو طاق پر ہانڈی مین ڈھائی سو روپیہ ہین یا نہین؟

ڈاکٹر۔ نہین، اُن روپیون مین ہاتھ مت لگانا۔ اُنھین وہین پڑا رہنے دو۔ اُسنے تیرتھ کرنیکے لیے دیے تھے۔ وہ اُسی کام مین خرچ ہونگے۔

مان۔ یہ ساڑھے سات سو روپیے اسی کے بھاگ کے تھے،،

ڈاکٹر۔ اُسکے بھاگ کے تو ڈھائی سو ہی تھے۔ باقی میرے بھاگ کے تھے۔ انکی بدولت مجھے ایسا سبق مل گیا جو عمر بھر نہ بھولے گا۔ تم اب مجھے جائز خرچ مین مٹھی بند کرتے ہوے نہ پاؤگی

پریم چند

نیا زمانہ اور نئے لفظ

بعض اردو اخبارات مین گزشتہ چند سال سے نہین بعض ایسے لفظ استعمال ہونے لگے ہین جو انھین عربی اور فارسی اخبارات مین نظر آتے ہین۔ اور وہ انھین عربی یا ترکی سمجھکر استعمال کرنے لگے ہین حالانکہ انکی حالت اور ہی۔ مثلاً آجتک کیبنٹ کو وزارت یا کیبنٹ لکھا کرتے تھے۔ مگر اب اسے کابینہ لکھا جاتا ہے کیون اسلیے کہ عربی ترکی اخبارات اب لکھتے ہین۔ مگر یہ لفظ ہرگز عربی یا ترکی نہین ہے بلکہ فرانسیسی طریق تلفظ سے کیبی نٹ کو کابی نہ،، تلفظ کیا جاتا ہے۔ لفظ بالکل وہی ہے۔ انگریزی لفظ اردو مین لکھنے کا یہ قاعدہ مقانہ ہندوستان مین لاکھون لوگ انگریزی لکھ پڑھ سکتے ہین۔ اور وہ کیبی نٹ کے معنی جانتے ہین۔ ایسے ہی اور کئی نئے نئے لفظ آجکل رواج پا رہے ہین۔ ایک اور قسم کے اصطلاحات کی ہے جو خالص عربی الفاظ ہین جو ہندوستان کے مروجہ انگریزی الفاظ کی جگہ استعمال کرنیکی کوشش کیجارہی ہے مثلاً یونیورسٹی ایک عام لفظ ہے ہر ایک اسکول بلکہ کالج اور بازاری آدمی بھی یونیورسٹی کو جانتا ہے۔ کیونکہ اب کئی صوبون مین کئی کئی یونیورسٹیان ہو چکی ہین مگر اردو اخبارات عربی نئی اخبارات کو دیکھکر اُسے جامعہ لکھتے ہین۔ جامعہ کہ روزمرہ کی بول چال مین اُسے ہرگز کوئی یونیورسٹی نہین کہتا ہے۔ کیا ہندوستان کے ہندو دون سے یہی امید ہے کہ وہ کبھی کلیہ پنجاب یا کلیہ مدراس یا بنگال یا بمبئی لکھین گے۔ بہت سے اور بیجوڑ اور فضول نئے لفظ اردو اخبارات مین داخل ہو رہے ہین جنکا اردو زبان مین ہضم ہونا بہت مشکل نظر آتا ہے۔

تنقید کتب

کلام طور

طور مرحوم دنیا مین بہت تھوڑی عمر لیکر آئے تھے لیکن اس قلیل مدت مین وہ جو خدمت قوم مذہب اور اردو زبان کی کر گئے ہین وہ عرصہ تک یادگار رہیگی شائقین ادب کو شیخ تدرمحمد صاحب کا ممنون ہونا چاہیئے کہ انکے حسن کوشش سے کلام طور کا ایک مختصر سا مجموعہ شایع ہو چکا ہے۔ گو اس مین طور مرحوم کی سب نظمین یکجا نہین کیجا سکین لیکن اگر انور صاحب کی سعی اور فوراً برسرکار ہے تو کچھ تعجب نہین کہ کسی دوسرے رسالے مین آپ وہ تمام نظمین بھی شایع کردین جو بعض اخبارات و رسائل مین وقتاً فوقتاً شایع ہو چکی ہین اور جو اس مجموعے مین شامل نہین،

طور مرحوم انگریزی مین ایم۔ اے تھے۔ اردو فارسی وغیرہ متداولہ علوم مین کافی دستگاہ رکھتے تھے ایک مدت تک علی گڑھ کالج کی اسسٹنٹ پروفیسری پر بھی ممتاز رہے، اردو اور انگریزی ادب مین خاص عبور تھا چنانچہ مخزن کی اڈیٹری اور کامریڈ کی اسسٹنٹ اڈیٹری پر بھی فائز رہ چکے ہین۔ اپنے دیگر علمی مشاغل کے ساتھ آپ اکثر مذہبی اور قومی نظمین بھی کہتے رہتے تھے۔ نظمون کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپکے پہلو مین ایک درد بھرا دل تھا جسمین فطرت نے شاعرانہ مذاق کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا حالی۔ شبلی و اقبال وغیرہ کی طرح طور مرحوم کی نظمین بھی مفید ہونے کیساتھ دلکش اور دلچسپ بھی ہین کلام طور مین تسلسل مضامین کے علاوہ رنگ تغزل برقرار ہے۔ اشعار کے باہمی تسلسل کا یہ عالم ہے کہ گویا کسی دریا کی موجین ہین جو ایک سلسلے مین بڑھی چلی آتی ہین۔ مثال کی طور پر ارمغان طور کو لیجیے، جو کلام طور کے دوسرے صفحہ پر ہے، ابتدائی اشعار ملاحظہ ہون۔

ابر رحمت سایہ امکان پر تھا چھایا ہوا — خود اندھیرا لیست سے تھا اپنے اکتایا ہوا
ایک سناٹے کا عالم تھا خموشی تھی بپا — آب و باد و نار و گل پنہان ابھی تھے کچھ نہ تھا
منظر وحشت تھا، سونا تھا بیابان ازل — آشنا روئیدگی سے تھا نہ میدان ازل

غور کیجیے قادرالکلام شاعر کس خوش اسلوبی کے ساتھ سامع کے خیال کو اُس زمانے کیطرف منتقل کرنا چاہتا ہے جو وجود کائنات سے پہلے تھا، اگرچہ اُس زمانہ کا قیاس امکان فہم سے باہر ہے، لیکن شاعر نے مذہبی اور عقلی روایات کو اپنا رہنما بنایا ہے اور انھین پر اپنے نظم کی بنیاد رکھی ہے۔ ان اشعار کے بعد فوراً تمہید سے گریز کرتا ہے اور اسکے بعد والے اشعار مین فلسفۂ کائنات بیان کرتا ہے۔

یک بیک تاریک بادل کا لفافہ پھٹ گیا — یعنی روئے شاہد قدرت سے پردہ ہٹ گیا
نور ذات بیچگون خلوت مین عریان ہوگیا — دم کی دم مین انجمن کا ساز و سامان ہوگیا
نور احمدؐ رونما، نور خدا سے ہوگیا — میم کے پردے مین آکے نازنین خود ہوگیا
لمعہ افگن جب ہوا خورشید نور مصطفاؐ — مرحبا صلّ علیٰ کہکر لب کُن سے کہا

پہلے دو شعرون کے مضمون سے تو قریب قریب ساری دنیا متفق ہے اور تمام مذہبی کتابین تصدیق کرتی ہین کہ، ابتدا مین صرف خدا کی ذات تھی اور تاریکی کے سوا کائنات کا کچھ نشان نہ تھا البتہ پچھلے دو شعرون مین خاص مسلمانون کے عقیدے کا اظہار کیا ہے اور اس خوبی سے اظہار کیا ہے کہ شاعرانہ خوبیون کے ساتھ اپنی راسخ الاعتقادی کو بھی نمایان کردیا ہے۔

مسلمانون کا ایمان ہے کہ پہلے خدا نے اپنے نور سے نور احمدیؐ کو پیدا کیا اور پھر تمام کائنات کو وجود مین لایا، فرقان حمید مین ہے کہ ازل مین خدا نے کہا، کُن، یعنی ہوجا، پس تمام چیزین پیدا ہوگئین، شاعر نے انھین باتون کی طرف اشارہ کیا ہے، آگے چلکر فلسفیانہ انداز مین پوچھتا ہے۔

کون سی شے وجہ تخلیق بنی آدم ہوئی
موجب پیدایش ہر دو ہزار عالم ہوئی

اور پھر جواب مین اپنی کوتاہی فہم کا اعتراف کرتا ہوا بتاتا ہے کہ تخلیق عالم کا سبب عشق ہے، خدا کو عشق کی نمایش منظور ہوئی تو اپنے محبوب حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرکے سارے عالم کو ظہور مین لایا، ان اشعار کی لطافت، طرز بیان اور سہیل پر غور کرو،

ماجرا صبح ازل کا ہمنشین کیونکر کہون — آسمان کی بات مین اہل زمین کیونکر کہون
کیا کہون تجھسے ہوئی کیونکر نمود زندگی — کس طمع پر ہے وجود ہست و بود زندگی
ذات مطلق کو نمایش عشق کی منظور تھی — پردۂ سرّ ازل مین بات یہ مستور تھی

الفت محبوب کے اظہار سے ہستی ہوئی اور تعیین جہان و رفعت و پستی ہوئی
عشق سے موجود یہ اسم و مسمّے ہوگئے اہل جان ذرّات بیجان اور مجسّم ہوگئے،

غرض پوری نظم قابل دید ہے، اور اُسکا ہر شعر مصنف کو خود داد قادر الکلامی دے رہا ہے، اسی نظم پر موقوف نہین بلکہ کلام طور مین جتنی نظمین موجود ہین سب مین تسلسل اور رنگ تغزل کی یہی شان موجود ہے، بلکہ بعض بعض نظمین تو اپنی شان تغزل کیوجہ سے بہت بلند ہین۔

مکالمہ شاعر و فطرت اسلامیہ سوز گداز، اور حجاز کے عنوان سے جو نظمین ہین وہ اس قابل ہین کہ اہل نظر انھین پڑھین اور اندازہ کرین کہ زور تخیل اور آمد مضامین کا کیا عالم ہے۔

لیکن بعض نظمین کلام طور مین ایسی بھی ہین جنمین کوئی خاص بات نہین اور اُنکے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنف مرحوم کی ابتدائی مشق ہے۔ کلام طور مین جا بجا نغز شین بھی موجود ہین انھین اکثر وہ ہین جو عموماً اہل پنجاب کے کلام مین پائی جاتی ہین، اور تنہا طور مرحوم کو اُنکا ذمہ دار نہین ٹھہرایا جاسکتا باایں ہمہ مصنف کی کم مشقی اور خوشگوئی اُن سب کی تلافی کردیتی ہے،

فاختہ کا پیغام، کے عنوان سے ایک دلکش اور عبرت انگیز نظم ہے، جسمین مصنف نے اُون کیفیات کا اظہار کیا ہے جو ویرانۂ دہلی کی سیر سے اُسکے دیدۂ دل پر طاری ہوئین، اس نظم کے مطالعہ سے دہلی کی گذشتہ شان و شوکت کی تصویر بربادی آنکھون مین پھر جاتی ہے، نظم کا پہلا شعر ہے،

ویرانۂ دہلی مین جو گیا اک فاختہ مجھ سے یون بولی پیغام تجھے اک دیتی ہے سُن اے غافل کو کو میری

غالباً طور مرحوم نے عمر خیام کی اس رباعی سے اس نظم کا خاکہ طیار کیا ہے۔

آن خواجہ کہ خویش را ہلا کو میگفت وز کبر سخن بچشم ما برو میگفت
بر کنگرۂ سرائے او فاختہ ئے دیدم کہ نشستہ بود و کو کو میگفت

بفرض محال اگر یہ خیال صحیح بھی ہو تو شاعر کے کمال مین کوئی فرق نہین آتا کیونکہ اُسنے عمر خیام کے خیال کو اردو مین اس خوش اسلوبی سے نظم کر دیا ہے جو بحیثیت موجودہ کسی طرح اُس رباعی سے کم نہین،

طور مرحوم کو غزل گوئی سے زیادہ الفت نہ تھی لاگرچہ آخر مین چند غزلین شامل ہین مگر انمین بھی نظم ہی کا رنگ نمایان ہے) ممکن ہے کہ میدان غزل کی فرسودگی اور پامالی نے اُنھین اسطرف

متوجہ نہونے دیا ہو پھر بھی جو چند غزلین، کلام طور مین موجود ہین اُن مین دو چار شعر ایسے ملتے ہین جو شہادت دیتے ہین کہ طور مرحوم اس صنف مین بھی مجبور نہ تھے۔

افشاں کا جواب غزل کے بعد اس زمین مین کسی کی غزل کا رنگ نہین جمتا،

نہ چھیڑ اے نگہت باد بہاری راہ اپنی — تجھے اٹکھیلیان سوجھتی ہین ہم بیزار بیٹھے ہین

مگر طور مرحوم نے باوجود کم مشقی کے کامیاب غزل لکھی ہے چند شعر ملاحظہ ہون،

جدا ہونیکو ملکر بزم مین سب یار بیٹھے ہین — ابھی آئے تھے جانیکو ابھی تیار بیٹھے ہین

ہم اے مہمانسرائے دہر عبرت ہار بیٹھے ہین — مسافر ہین ازل کے تھک کے تھوڑا بیٹھے ہین

لگائین خاک دکھلے گلستان تیرے پھولون سے — جو شل ہوئے گل پرواز کو طیار بیٹھے ہین

ہماری انجمن بھی انجمن ہے اے خدا کیسی — کہین بیمار بیٹھے ہین کہین ناچار بیٹھے ہین

یہان تک کلام طور کے ایک رُخ پر گفتگو ہوچکی، اب دوسرا رخ باقی ہے، ہمارا فرض تھا کہ ہم اُسکو بھی نمایان کرتے لیکن ہم جیسا اوپر لکھ آئے ہین، مرحوم کی کم مشقی، تمام نغزشون کی ضامن ہے علاوہ برین طور مرحوم بقید حیات نہین، اُنھین نہ اب اپنی تعریف سے خوشی ہوسکتی ہے اور نہ اپنی غلطیون سے متنبہ ہوسکتے ہین، اسلیئے ہم تنقید کے اس رخ سے قصداً چشم پوشی کرتے ہین اور اسکے بجائے خدا سے مرحوم کے لیئے دعائے مغفرت مانگتے ہین۔

کلام طور کا حجم ایک سو چوبیس صفحے کا ہے، نظمون کے علاوہ چند غزلین اور متفرق اشعار بھی شامل ہین آخر مین بطور ضمیمہ چار صفحے پر طور مرحوم کی سوانحعمری بھی ہے، کاغذ اور کتابت وطباعت معمولی ہے۔ قیمت عہ ملنے کا پتہ لیشیر منزل ترکمانی دروازہ دہلی

پارہ ہائے جگر

پارہ ہائے جگر کے نام سے مولانا کیفی چریاکوٹی کی چھ نظمون کا مجموعہ برہم صاحب نے گورکھپور سے شایع کیا ہے۔

کیفی صاحب کی رنگینیٔ تخیل، طرز بیان، اور مضامین کی ندرت محتاج تعارف نہین - سالہ زمانہ اور اکثر موجودہ رسائل و اخبارات آپ کے رشحات قلم سے سیراب ہوتے رہے ہین آپ تمام اصناف سخن پر یکسان قدرت رکھتے ہین، اور نظم کے علاوہ نثر بھی بہت رنگین اور لطیف لکھتے ہین، لیکن آپ کبھی کبھی بلند پروازی کے جوش مین بعض ایسی باتون سے قطعاً چشم پوشی کر جاتے ہین جنکی وجہ سے کلام کی خوبیون پر حرف آجاتا ہی، عموماً آپ زور تخیل کے سامنے تسلسل مضامین اور اشعار کے ربط باہمی کا خیال نہین رکھتے -

سب سے آخری نظم جو آپنے عید کا چاند دیکھکر لکھی ہے، وہ نہایت ہی پُرکیف ہے، گو اسکا ہر شعر لطیف ہے لیکن شروع سے آخر تک پڑھ لینے کے بعد بھی یہ سمجھ مین نہین آتا کہ اس نظم کو اپنے عنوان سے کیا تعلق ہے - مطلع سے لیکر مقطع تک، ایک شعر کو دوسرے شعر سے کوئی لگاؤ نہین فرماتے ہین -

جنون کا جوش بھی ہے آپ کا خیال بھی ہی — بقدر ہمت دل ہجر بھی وصال بھی ہی
کہا یہ مہر جہان سوز سے قیامت نے — جسے عروج کبھی ہے اُسے زوال بھی ہی
زبان پہ مُہر خموشی ہے پانون مین زنجیر — جو پچھلے سال قیامت تھی اب کی سال بھی ہی
یہ سر ہے اپنی جگہ پر بنائے بیم و امید — کہ خشکل زیست بھی ہے دوش پر وبال بھی ہی

ان شعرون مین کوئی ربط نہین، اگر انھین ہم تشبیب سمجھ لین تو کہین گریز کا پتہ نہین چلتا، دو شعرون کے بعد تیسرے شعر مین ہلال کا قافیہ ضرور نظم ہوا ہے، لیکن وہ بھی اسطرح گویا غزل کا ایک شعر ہے کیونکہ اسکے بعد پھر کسی شعر مین ہلال عید کیطرف اشارہ ہی نہین -

زمین ہی نہین دشمن ترے اسیرون کی — سنا ہے تیغ یکف چرخ پر ہلال بھی ہے
رکھو نہ ہاتھ تسلی کو دل تو ٹوٹ گیا — کہ زخم یاس کا دنیا مین اندمال بھی ہے
جبین پہ اُنکے شکن ہے تو مین سمجھتا ہون — کہ آئینہ مین دکھانیکو ایک بال بھی ہے
تمھین بتا دُ کہ مین اور کس سے دون تشبیہ — تمھارے جور و جفا کی کہین مثال بھی ہے

ان شعرون کو پڑھکر کون کہہ سکتا ہے کہ ایک مسلسل نظم کے شعر ہونگے، انمین تو نظم کی کوئی شان نہین اور نہ عنوان مجوزہ سے ان اشعار کا کوئی تعلق ہے، ہمارے خیال مین اس قسم کی نظمون کو

غزل کہنا بہت مناسب ہے،

پہلی نظم جو مرقعہ اسلام کے عنوان سے لکھی گئی ہے، نہایت پاکیزہ نظم ہے، اور اسکے لیے جناب کیفی دنیائے ادب سے مبارک باد کے مستحق ہین، ممالک اسلامیہ کی براہ بی کے ساتھ ساتھ مسائل حاضرہ کی بڑی دلکش تصویر کھینچی ہے، پہلا بند یہ ہے۔

آج کچھ خود داری وحشت کا سامان ہوگیا — تخت دل اشکون مین ملکر گل یلمان ہوگیا
ہچکیون کا زور شمشیر رگ جان ہوگیا — یعنی آخر مبتلائے درد ہجران ہوگیا

نا امیدی کہتی ہے رنگ جہان کچھ بھی نہین
دل بھی کہتا ہے کہ ہان اے مہربان کچھ بھی نہین

ملاحظہ فرمایئے، جناب کیفی نے فصاحت و بلاغت کے کیسے کیسے جوہر دکھائے ہین، ہر مصرع ایک ادبی جواہر ریزہ ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اسکے تیسرے اور چوتھے مصرعے مین کوئی ربط ہی نہین، ہچکیون کا زور شمشیر رگ جان ہوگیا، خیر یہ بھی سہی، مگر یہ ہچکیان کیون آنے لگین یہ ظاہر، ہچکیون کو درد ہجران سے کوئی تعلق نہین معلوم ہوتا البتہ ترکیب کا بندش دشوار ہے، سلاست بیان، لطافت زبان، زور تخیل سب کچھ موجود ہے، "ہان اے مہربان کچھ بھی نہین" یہ فقرہ داد سے مستغنی ہے، مجموعی حیثیت سے یہ نظم، مولانا کیفی کی، عالی خیالی اور بلند پروازی کا نہایت عمدہ نمونہ ہے، ترک و عرب کے اتحاد کے متعلق آپ نے ایک بہت ہی پرکیف بند لکھا ہے، جسمین جناب سعدی کے شعر کو اس خوبی سے ضم کردیا ہے، کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے،

رہبر راہ محبت ہائے رہ زن ہوگئے — حرز جان جو بن گئے تھے طوق آہن ہوگئے
کنے سننے مین کسی کے آکے بدظن ہوگئے — سب یہ کہتے ہین عرب ترکون کے دشمن ہوگئے

آسمان راحق بود گر خون بگرید بر زمین
بر زوال ملک سلطان امیر المومنین

مگر تعریف ہی کیساتھ اتنا ہم ضرور کہینگے کہ، حرز جان جو بن گئے تھے، نہایت ہی بے جوڑ اور بے تکا فقرہ ہے، اسی طرح ایک جگہ ہندوستان کو خطاب کرکے، نہایت خوب دو بند لکھے ہین،

آج ہین تیری زمین پر لون تو تو مین بے شمار — ابر بن منگو لین افغان و ترکان تتار

تو نے دیکھے اپنے آنکھوں سے ہزاروں تاجدار تا در و اسکندر و احمد شہِ عالی وقار

اسطرح سیلاب آفت کار اِدھر آیا کبھی
سچ بتا ایسا تماشہ بھی نظر آیا کبھی

ہم ہین کیا شئے کیا ہمارین یاس کی تصویر ہین شکوۂ بے مدعا ہین آہ بے تاثیر ہین
جسمین کچھ مطلب نہ ہو وہ حرف وہ تحریر ہین جسکا کچھ منشا نہ سمجھے کوئی وہ تقریر ہین
زندگی کے مقصد اصلی سے بالکل دور ہین
کیا کرین ہم بستۂ زنجیر ہین مجبور ہین

پارہ ہائے جگر کے چھبیسوین صفحے پر نالۂ مسلم کے عنوان سے جو نظم ہے اُسکی شان نرالی ہے، اُردو کے ساتھ ساتھ، فارسی، عربی، اور بھاشا کی آمیزش سے کچھ عجب چیز ہوگئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ جناب کیفی نے اس نظم کو کسی پرچۂ اخبار کے لیئے لکھا تھا جو بھول چوک سے پارہ ہائے جگر مین شامل ہوگئی، جہان تک اردو ادب کا تعلق ہے، نظم بہت عمدہ ہے لیکن جہاں سے یہ علمی ظرافت یعنی فارسی عربی بھاشا کی آمیزش شروع ہوئی ہے اسکا رنگ ہی بدل گیا ہے بہرحال یہ ادبی لچڑی ہمکو پسند نہین، لیکن باایںہمہ پارہ ہائے جگر دیکھنے کی چیز ہے، اُسمین نظم اردو کے بہترین نمونے موجود ہین،

ٹائیٹل کے علاوہ ۳۲ صفحون پر کتاب ختم ہوئی ہے، قیمت عہ کسقدر زیادہ ہے مگر کیفی صاحب کے قدر شناسون کو اُنکا کلام جس قیمت پر بھی میسر آئے گران نہین،

(شائقین حکیم برہم صاحب (گورکھپور) سے طلب فرمائین

نکات غالب

یہ مرزا غالب کی خود نوشتہ سوانحعمری ہے جو چھوٹی تقطیع کے ۷۰ صفحے پر نظامی پریس بدایون سے شایع ہوئی ہے، جسکو جناب نظامی بدایونی نے مرزا کے خطوط سے اقتباس کرکے مرتب کیا ہے اگرچہ مضامین مختلف خطوط سے لیے گئے ہین لیکن مؤلف کی قابلیت نے ان بیش بہا موتیون کو ایک رشتہ مین اسطرح پرو دیا ہے کہ پوری سوانحعمری موتیون کی ایک لڑی بن گئی ہے،

مرزا غالب کے وہ تمام نکات بھی جو انھوں نے وقتاً فوقتاً اپنے دوستوں اور شاگردوں کو لکھے تھے جمع کر دیئے گئے ہیں، اسطرح کتاب کی خوبیوں میں ایک خاص اضافہ ہوگیا ہے۔ آخر میں مرزا کی طبعی ظرافت کے وہ نمونے بھی پیش کر دیئے گئے ہیں جس سے انکی رندانہ اور ظریفانہ زندگی پر کافی روشنی پڑتی ہے، غرض یہ مختصر سی کتاب ہر حیثیت سے قدر و عزت کی مستحق ہے، اور ہم جناب نظامی کو اس بے نظر تالیف پر مبارکباد دیتے ہیں،

کاغذ عمدہ کتابت وطباعت دیدہ زیب، جلد خوش نما گرچہ حجم کے لحاظ سے مقررہ قیمت عہ زیادہ ہے۔ ملنے کا پتہ۔ نظامی پریس بدایوں

امتحان وفا

امتحان وفا کے نام سے سید مسعود حسن بی اے ادیب نے انگلستان کے مشہور شاعر لارڈ ٹینی سن کے منظوم افسانے کا سلیس اور بامحاورہ اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ عموماً ترجمہ میں وہ خوبیاں قائم نہیں رہتیں جو اصل زبان میں ہوتی ہیں، لیکن جناب ادیب اپنی کوشش میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں، اصل افسانہ بہت ہی پُر اثر ہے۔ مگر امتحان وفا میں بھی وہ تاثیر زائل نہیں ہونے پائی ہے۔ کاغذ عمدہ کتابت وطباعت دیدہ زیب، قیمت صرف ۶ر ملنے کا پتہ زمانہ کانپور،

اعظمی

خوشی کی بات ہے کہ شہزادہ ولیعہد بہادر نے دورۂ ریاست میں کئی سرداروں اور سپاہیوں سے اردو میں بھی براہ راست بات چیت کی اور ایسی بے تکلفی سے کہ معلوم ہوتا تھا آپ اس زبان میں بھی مہارت پیدا کر رہے ہیں۔ مثلاً۔ حال میں ایک پنشنر رسالدار فرزند علیخان بہادر ساکن قائم گنج ضلع فرخ آباد کا کارونیشن میڈل دیکھکر فرمایا کہ آپ ولایت گئے تھے" جب رسالدار صاحب نے جواب عرض کیا کہ ہاں حضور گیا تھا تو آپنے فرمایا کہ" بادشاہ سلامت کو دیکھا تھا" رسالدار صاحب نے عرض کیا ہاں انہی کے دست مبارک سے ملا تھا یہ سُنکر مسکراتے ہوئے "بہت اچھا مبارک" کہہ کر آگے بڑھ گئے۔

میری پیاری بھارت ماتا

(ایک قومی گیت)

ہمینٹ ہمالہ تجھکو لاتا ہے بڑھیا سا چھتر چڑھاتا
سر کے بل ہے ساگر آتا تیرے چرنون کو دھوجاتا
میری پیاری بھارت ماتا

ہرے بھرے ہین جو جنگل ہین اچھے اچھے پھول اور پھل ہین
خوب سہانے سب جل تھل ہین تیرا درشن من کو بھاتا
میری پیاری بھارت ماتا

تازہ تازہ سرد ہوا ہے خوشبو بھی پھر اسمین کیا ہے!
اور روح افزا ہر جھونکا ہے ہان، جیون کو ہے بڑھاتا
میری پیاری بھارت ماتا

تیری چمک مین کیسی آنچ ہے چاند ہے چہرہ یا سورج ہے
سانولی رنگت پر سج دھج ہے آکاش یکدم جھک کے جاتا
میری پیاری بھارت ماتا

رشیون کو تو سر جا تو نے منیون کو بھی پالا تو نے
ویرون کو ہان جنما تو نے اے دیا اور بل کی داتا
میری پیاری بھارت ماتا

پھیلا سارا دھرم تجھی سے نکلا پورا کرم تجھی سے
پایا جگ کا مرم تجھی سے جس پر اب جگ ہے اتراتا
میری پیاری بھارت ماتا

۱۲ ۱۹۲۲

دُنیا نے کی پوجا تیری سب نے گائی مہما تیری
پھل دیتی تھی سیوا تیری بڑھیا سکھ تھا بڑھتی پاتا

میری پیاری بھارت ماتا

تجھ مین اب بھی ہے اونچا پن تیرا نام اب بھی ہے روشن
اب بھی تیری بھومی کا دھن کسکے دل کو نہین لبھاتا؟

میری پیاری بھارت ماتا

لیکن تیرے بچے بگڑے جھوٹی سچ پر مٹکے بگڑے
بنتے بنتے کیسے بگڑے یہ دُکھ تجھکو اب ہے ستاتا

میری پیاری بھارت ماتا

اُنکا گیان گھٹا اب کیسا ویسا دھان گھٹا اب کیسا
تیرا مان گھٹا اب کیسا اگلا آدر نہین دکھاتا

میری پیاری بھارت ماتا

تجھسے غافل یون ہو بیٹھے "اپنے پن" کو بھی رو بیٹھے
آرام اپنا سب کھو بیٹھے اور تیرا دل ہے گھبراتا

میری پیاری بھارت ماتا

کھو دینے کو پھر بھی اوداسی یہ تو نہین کچھ بات ذراسی
جیت رہے ہون بھارت باسی ہر اِک تجھکو ہو اپناتا

میری پیاری بھارت ماتا

سیکھین اتنا تک کر جانا تیری سیوا مین مر جانا
ایسے کاموں سے ڈر جانا کرکے جنکو من پچھتاتا

میری پیاری بھارت ماتا

پوری ہوگی جب تپ سیوا آنند آئے گا پھلا سا
دکھلائے گا پھر وہ تماشا جسے نہین اب جو دکھلاتا

میری پیاری بھارت ماتا

پریم رہے گا دنیا مین جسم دور خوشی سے ہوگا سب غم
سورگ اوتر کر تجھ مین یکدم رنگ اپنا ہوگا پھیلاتا

میری پیاری بھارت ماتا

جلد اب تجھکو پھیر ہے لانا اُس حالت کا پاک زمانا
ہان جس حالت کا یاد آنا تیرے جی کو ہے ترساتا

میری پیاری بھارت ماتا

ماتا! تیرا راج اٹل ہو تیرے دل مین دل کا بل ہو
سب پر تیرا صاف آنچل ہو تحر دعا مین یون ہے گاتا

میری پیاری بھارت ماتا

(اقبال ورما تحر ہتنگامی)

کلام اکبر

باطن بہت ہین ایسے جو مشتعل نہین ہین
سینے مین سب کے دل ہے، سب دل نہین ہین

اس سے کب انکار ہے کہتا ہون خود مین کچھ نہین
آپ بھی لیکن فقط بنتے ہی ہین، ہین کچھ نہین

اس خبر پر اٹھ کھڑا ہونا تھا لازم آپ کو
یہ نرا افسوس و غصہ، یہ فقط "آین" کچھ نہین

سرودِ عشق

کچھ تمکو اسکی خبر بھی ہو ہم یاد تمھاری کرتے ہین

جب صبح گلابی ہونٹو نسے پیغامِ نور سناتی ہو
جب شبکی سیاہی دنکی ضیا آپسمین گلے ملجاتی ہو

جب مہر درخشان کی کرنو نسے دنیا ہوتی ہو نورانی
جب جانمین چلتی پھرتی ہین مٹجاتی ہو سب ویرانی

جب دھوپ کی کثرت تابش سے دنیا کی زمین گھبراتی ہو
قہر خورشید درخشان ہو جسوقت ہوا تھرائی ہے

جب دنیا سب تھک جاتی ہو جب دن رکا دن ڈھلجاتا ہو
جب شام جہانکو ڈھکتی ہو جب شب کا اندھیرا آتا ہے

جب رات کا دلکش سناٹا دنیا پر ہوتا ہو طاری
جب سب اعضا سو جاتے ہین جب روح کو ہوتی ہو بیداری

جب اپنی حالت جاننے والے اپنے آپسے ڈرتے ہین
جب اپنے گناہ آتے ہین نظر جب دل کے داغ ابھرتے ہین

کچھ تمکو اسکی خبر بھی ہو ہم یاد تمھاری کرتے ہین

جب فکرونکی تاریکی مین دل جینے سے گھبراتا ہو
جب رنج کے بادل آتے ہین جب دم سے جی اکتاتا ہو

جب کوشش ضایع جاتی ہو جب اپنی قسمت پھرتی ہو
جب وصل کی راحت مٹتی ہو جب ہجر کی بجلی گرتی ہو

جب غربت کی تکلیفو نمین جانکاہ ہوائین آتی ہین
جب غلطی کی بشاشی سے دل کی کلیان کھلجاتی ہین

جب اپنے پرائے صدمو نسے ہوتا ہو دل پر غم طاری
جب درد والم سے ہوتی ہو خود زیست ہمین اپنی بھاری

جب ہوتا ہو شئے الفت سے بریز یہ دل کا پیمانہ
جب ناملوم طریقو نسے بنتا ہو یگانہ بیگانہ

جب بنتے کام بگڑتے ہین جب بگڑے کام سنورتے ہین
جب روح کو راحت ہوتی ہو جب جی پر رنج گذرتے ہین

کچھ تمکو اسکی خبر بھی ہو ہم یاد تمھاری کرتے ہین

جب باد نسیم کے جھونکو نسے گلشن کی شجر لہراتے ہین
جب پتی پتی ہنستی ہو جب غنچے تان لگاتے ہین

جب مستی مین غان چڑیون کی گرم غزلخوانی
جب شبنم کی دانون پہ صبا کرتی ہو سجدہ گردانی

جب سیکڑہ گلشن مین رنگ ان پھولو نکی ساغر ہوتی ہین
جب مست ہوئے بیخود ہی جاے سے باہر ہوتے ہین

جب مہر منور سے گلشن پر طور کا عالم ہوتا ہے
جب اشک ندامت موسی کا ہر قطرہ شبنم ہوتا ہے

جب شاخین سجدہ کرتی ہین جب فصل بہار آتی ہی جب باد خزان کی گرمی سے سبزی تری جلجاتی ہی
جب دل جوش مسرت سے آنکھونمین آنسو بھر آتے ہین جب کالی گھٹائین آتی ہین دنکے جذبات ابھرتے ہین
کچھ تمکو اسکی خبر بھی ہی ہم یاد تمھاری کرتے ہین

روان

افادات اکبر مرحوم

دانت کا درد بدستور چلا جاتا ہے وہی مازدو ہی کافور چلا جاتا ہے
ڈارون کے اسی لکچر کا سبق ہی اب تک وہی بندر وہی لنگور چلا جاتا ہے
برق کے لپ سے آنکھونکو بچائے اللہ روشنی آتی ہے اور نور چلا جاتا ہے
شیخ صاحب کی کمر جھک گئی اور دل تھ جھکا آجتک شوق سقنقور چلا جاتا ہے

ارمان بقدر طاقت ہر سونکل رہے ہین صاحب تو اڑ رہے ہین دہم پھول رہے ہین
غصہ مین ہین ہم آپ وہ ہمپہ ہنس رہے ہین خادم فریب دنیا مین دونون پھنس رہے ہین
دونونکو چاہیے یہ طاعت سے منھ نہ موڑین وہ اپنا جبر چھوڑین ہم صبر کو نہ چھوڑین

حامی جنون کی، راہ خدا ہو تو کیا کرون ہوش آفرین ہی ہوش ربا ہو تو کیا کرون
الفاظ پر مرے ہی بجا اعتراض شیخ مطلب مگر جو یون ہی ادا ہو تو کیا کرون

دل شکستہ مین اک سا دجان نواز بھی ہی نہ رہا ہو نمین جسے اسی پہ ناز بھی ہی

تنخواہ کے لیے ہو نہ ہی واہ کے لیے ہے میری شاعری دل آگاہ کے لیے
ہی یہ دعا کہ ترک فضولی نصیب ہو جو کچھ کہون وہ ہو فقط اللہ کے لیے
اک مل چکا کہ اسکو بھی لیمنس ہی ضرور منھ کھل چکا تھا ورنہ مرا آہ کے لیے

تلاشِ سکون

(۱)

دن کے ہنگامے نہان ہین رات کے آغوش مین
ہوش ہے خوابیدہ یعنی پیکرِ مدہوش مین

اسطرح طاری ہین دنیا پھر یہ آثارِ سکون
ذرّہ ذرّہ اس کا گویا ہے پرستارِ سکون

رات کے دامن مین آسودہ ہو دل کا اضطراب
دہر کے رُخ پر پڑی ہے رات کی کالی نقاب

ہر طرف ہے ایک تاریکی مطلق جلوہ گر
یعنی پنہان ہین حجاب شب مین انوارِ سحر

اس اندھیرے مین عجب نیرنگیان پوشیدہ ہین
کچھ نگاہین مائلِ آرام کچھ خوابیدہ ہین

ساری دنیا اس سکوتِ شب کی ہے منت گزار
لیکن اک مین ہون کہ آتا ہی نہین مجھکو قرار

رات ہو یا دن مگر راحت مجھے حاصل نہین
نیند آنکھون سے اُڑی، دل ہے بہت اندوہگین

درس خاموشی مین دیتا ہون لبِ فریاد کو
کاش حاصل ہو سکون کچھ خاطرِ ناشاد کو

رنج و راحت بزم و خلوت یہ تو کچھ مشکل نہین
ہیچ ہے لیکن جو اطمینانِ دل حاصل نہین

رنج و غم مین گر سکون ہوتا نہین حاصل تو
عیش و راحت کے زمانہ مین تو دل بیحل نہو

(۲)

بہرِ اطمینانِ دل کوئی تو صورت چاہیئے
سوچتا ہون مین کہ دولت اور حکومت چاہیئے

کاش ملجائے مجھے قیصر کی ساری مملکت
کاش ملجائے مجھے خاقان کا تختِ سلطنت

ہو زمانہ بھر مین میرا سکّۂ دولت روان
ہو مرے زیرِ نگین عالم مین اُس کا حکمران

لعل و گوہر سے خزانہ بھی مرا معمور ہو
شاید اس صورت سے کچھ شادانِ دل رنجور ہو

آہ! لیکن فائدہ کیا سلطنت لیکر مجھے
یاد ہے افسانۂ دارا و اسکندر مجھے

کیا مین اپنے جانثارون سے گلا کٹواؤنگا
کیا مین خالی ہاتھ دنیا کو دکھاتا جاؤنگا

اے فریبِ مالِ دولت میرے دل سے دور ہو
اے غرورِ جاہ و حشمت میرے دل سے دور ہو

(۳)

جی مین اب یہ آرہی ہو فاتح اعظم بنون
نائی اسفندیار و ہمسر رستم بنون
چار سو شہرہ ہو میری ہیبت شمشیر کا
ہر طرف سکہ ہو میرے عزم عالمگیر کا
شان نادر شوکت تیمور ہو حاصل مجھے
شاید اس صورت سے ملجائے سکون دل مجھے
لیکن اس صورت مین پیش نظر ہے بار بار
جو ہوا انجام زور رستم و اسفندیار
فاتح یورپ وہ شاہ بایزید یلدرم
دشمنون کے سر پہ چمکی جسکی تیغ برق دم
اُس شجاع دہر کا انجام آخر کیا ہوا
اور یونا پارٹ سا خود کام آخر کیا ہوا
اس تصور سے بھی اطمینان کچھ حاصل نہین
خود نمائی کی ہوس وجہ سکون دل نہین

(۴)

دل کے بہلانے کو پیدا اک نئی صورت کرون
حلقۂ احباب مین کچھ اور اب وسعت کرون
اس طرح گھٹ جائے شاید رنج بھی آزار بھی
غم ہی یعنی جب مقدر ہے تو ہون غمخوار بھی
دوستون مین بیٹھکر کچھ تو بہل جائیگا دل
پھر نہ ہوگا اسقدر غمگین اتنا مضمحل
بے محل ہے اُف یہ میری آرزو بھی کسقدر
لومین بھولا وہ مثل بھی غم نداری بُز بخر
یا تو یہ حالت کہ اپنی زندگی بھی بار ہے
یا یہ جرارت اب کہ ان فکرون مین دل تیار ہے
دوستون سے شرکت رنج و مصیبت کا خیال
ایک امید عبث ہے، اک تمنائے محال
اپنے مطلب کے سوا پاس وفا ان مین نہین
جسکو دیکھا آہ پایا اُس کو مار آستین،
ابن مریم کی گرفتاری مین مخبر کون تھا
قاتل دارا و جمہ قتل نادر کون تھا
جو پس سیزر کا گھر کسنے کیا تھا بے چراغ
پیر کنعان کو دیا غیرون نے کب بیٹے کا داغ
مین نہ رکھونگا کبھی ایسون سے اپنا واسطہ
خود غرض اے مائے عالم سے مجھے کیا واسطہ

(۵)

اب سکون قلب کی تدبیر آخر کیا کرون
ترک آبادی کرون مہمانی صحرا کرون
یعنی جنگل مین رہون بستی کی راحت چھوڑکر
خوش رہونگا کیا مین یہ قید علائق توڑکر
ہان بظاہر بعد ہوجائیگا ان افکار سے
اور زندان تمدن کے در و دیوار سے

ایک گو نہ مجھکو آزادی وہان مل جائیگی
کچھ تو یہ جان ستمدیدہ تسلی پائیگی

فکر مین لیکن وہان بھی مبتلا ہو جاؤنگا
کیا خبر ہے چھوڑکر بستی کو کیا ہو جاؤنگا

مین سمجھتا ہون کہ کچھ بہتر نہین یہ بھی خیال
میری نظرون مین ہے ابتک بودھ اعظم کی مثال

دشت وصحرا مین جو ملتا اُس کو اطمینان دل
تو وہ دنیا چھوڑ دینے پر رہتا منفعل

یہ بھی ظاہر ہے کہ یون دنیا سے ہوکر بے نیاز
جانور مین اور مجھ مین کیا رہے گا امتیاز

الغرض رہبانیت مین کچھ جو ہوتا فائدا
ترکِ دنیا کو نہ کرتے منع ہرگز مصطفےٰ

آہ دنیا تجھ مین رہکر تجھکو کیونکر چھوڑدون
کسطرح مین تیرے دیرینہ علایق توڑدون

(۶)

بس زمانے مین کہین میرے لیے راحت نہین
اور اطمینانِ دل حاصل ہو وہ قسمت نہین

آہ یہ دنیا نہین ہے میری راحت کا مقام
ایسی دنیا اور ایسی زندگانی کو سلام

مجھکو مرنے دو کہ ملجائے کہین تسکین دل
یعنی وہ تسکین کہ جسکی جستجو ہے جان گسل

جس کو جیتے جی نہ پایا اُسکو مرکر ڈھونڈلون
اک نئی دنیا تخیل کے لیے پیدا کرون

جسکے دینے پر نہین سارے جہان کو اختیار
دے سکے شاید وہ نعمت گوشۂ تنگ مزار

گو نظر آتی ہے یہ تدبیر کچھ موزون مجھے
یاد آجاتا ہے لیکن ذوق کا مضمون مجھے

اب تو گھبراکر یہ کہتے ہین کہ مرجائینگے ہم
مرکے بھی راحت نہ پائی تو کدھر جائینگے ہم

(۷)

اے سکون موہوم ہے تیری بھی ہستی کسقدر
دل کے بہلانے کو ہے اک لفظ بے معنی مگر

ساری دنیا سے سُنا کرتے تھے تیرا نام ہم
جستجو ہر چند کی لیکن رہے ناکام ہم

اہلِ دنیا کو جو دیکھا اُنمین خوشحالی نہین
تارکِ دنیا بھی کچھ افکار سے خالی نہین

رنج وغم خوف وخطر مین مبتلا ہین مالدار
اور ہین بیم ورجا مین زاہدانِ شب گزار

کاش ملتا کوئی ایسا رہبر کامل مجھے
جو بتا دیتا سکون قلب کی منزل مجھے

ہے اگر تسکینِ خاطر بھی جہان مین کوئی شے
تو بتائے کوئی کیسی ہے، کہان ہے، کیا ہے

ورنہ جب پورا نہ ہوگا میرے دل کا مدعا
تو کہونگا پھر کہونگا آشکارہ برملا

دونون عالم مین کہین فہمی سکون دل نہین
جب یہ ہے تو جستجو کیا سعی لاحاصل نہین

سید محمود اعظم فہمی ترمذی

سالِ نو

آئے وہ دن نصیب ہو جاہ و جلالِ نو — آنکھوں سے اپنی دیکھیں فروغِ جمالِ نو
چمکے فراخ چہرۂ وطن پر ہلالِ نو — حاصل عروج نو ہو میسر کمالِ نو
یارب دیارِ ہند کو راس آئے سالِ نو
بہبودیِ وطن کے لیے ہو یہ فالِ نو

ہر سمت دور دورۂ امن و امان رہے — آشوبِ روزگار سے آسودہ جان رہے
ارزاں ہو عیش جنس تباہی گران رہے — راحت کدہ یہ خطۂ جنت نشان رہے
یارب دیارِ ہند کو راس آئے سالِ نو
بہبودیِ وطن کے لیے ہو یہ فالِ نو

فتنہ نہ ہو۔ فساد نہ ہو۔ شور و شر نہ ہو — ہندوستان میں خانہ خرابی کا گھر نہ ہو
چہروں سے داد خواہوں کا چھلنی جگر نہ ہو — دامانِ خاکِ خونِ شہیدان سے تر نہ ہو
یارب دیارِ ہند کو راس آئے سالِ نو
بہبودیِ وطن کے لیے ہو یہ فالِ نو

سرسبز کشتِ ہند ہو، دل باغ باغ ہو — بادِ بہارِ عیش سے تازہ دماغ ہو
غم سے نصیبِ اہلِ وطن کوفراغ ہو — ہر سو سمائے طرب کا چھلکتا ایاغ ہو
یارب دیارِ ہند کو راس آئے سالِ نو
بہبودیِ وطن کے لیے ہو یہ فالِ نو

افراد متحد ہوں۔ بہم اتفاق ہو — دل پر کسی کے بارِ کشاکش نہ شاق ہو
غارتگرِ طرب۔ نہ عنادِ نفاق ہو — شیشہ سے عناد کا بالائے طاق ہو
یارب دیارِ ہند کو راس آئے سالِ نو

بہبودی وطن کے لیے ہو یہ فال نو

قحط و وبا کا ہونے نہ پائے گذر یہان — دن رات ہو ترقیِ علم و ہنر یہان
لائے نہال صنعت و حرفت ثمر یہان — اقبال و اوج و جاہ و حشم کا ہو گھر یہان

یارب دیا رہند کو راس آئے سال نو
بہبودی وطن کے لیے ہو یہ فال نو

انصاف کا ہو عہد ستم ہو نہ جور ہو — بگڑا ہوا نصیب نہ دنیا کا طور ہو
بدلے ہوائے دہر۔ زمانہ کچھ اور ہو — اپنی زمین۔ اپنا فلک۔ اپنا دور ہو

یارب دیا رہند کو راس آئے سال نو
بہبودیِ وطن کے لیے ہو یہ فال نو

از برق دہلوی، بی، اے

محفل قدرت ہے ایک دریاے بے پایان حسن
دیکھتی ہے آنکھ ہر قطرے مین یان دریاے حسن
حسن کوہستان کی سنسان خاموشی مین ہے
مہر کی صنوگستری شب کی سیہ پوشی مین ہے
آسمانِ صبح کے آئینہ پوشی مین ہے یہ
شام کی ظلمت شفق کی گل فراشی مین ہے یہ
عظمتِ دیرینہ کے مٹتے ہوے آثار مین
طفلکِ ناآشنا کی کوششِ گفتار مین
ساکنانِ صحن گلشن کی ہم آوازی مین ہے
ننھے ننھے طائرون کی آشیان سازی مین ہے
چشمۂ کہسار مین۔ دریا کی آزادی مین حسن
شہر مین۔ صحرا مین۔ ویرانے مین آبادی مین ہے

(ماخوذ از اقبال)

زمانہ

جلد ۳۸ فروری سنہ ۱۹۲۲ء نمبر ۲

اکبر مرحوم کے چند خطوط

حضرت اکبر کے انتقال کو پورے پانچ مہینے ہو گئے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج ہی یہ سانحہ ہوا ہے۔ انکی جدائی کا غم ابھی تازہ ہے اور ہم سمجھتے ہین کہ ہمیشہ تازہ رہیگا۔ اردو شاعری کو اس حادثۂ عظیم سے جو نقصان پہونچا ہے اسکے لیے سچ تو یہ ہے کہ اگر تمام عمر ماتمی جذبات روحانی ماتم کرتے رہین تب بھی سوگواری کا حق ادا نہ ہو۔ اس فلسفی شاعر کے بغیر بزم سخن سونی نظر آرہی ہے۔ اُردو کی بدقسمتی ہے کہ آسمان ادب کے تمام ستارے ایک ایک کرکے غروب ہوتے جاتے ہین!

ذاتی حیثیت سے جن لوگون کو اکبر مرحوم سے تعارف کا شرف نصیب تھا اُنکے لیے موصوف کی وفات ایک نقصان عظیم ہے جسکی کسی طرح بھی تلافی نہین ہوسکتی ہے، ایک دفعہ بھی جو اُنسے مل آیا اُسکا دل ہمیشہ اُنکی ملاقات کیلیے بیقرار رہتا تھا۔ اُنکا خلوص اور اُنکی محبت، انکی شگفتہ مزاجی، انکی بذلہ سنجی دلون پر ایک دیرپا نقش چھوڑ دیتی تھی۔ اُنکی گفتگو ایسی شستہ، برجستہ، دلنشین اور پُرلطف ہوتی تھی کہ جس سے مدتون دل مسرور اور دماغ منور رہتا تھا۔ اُنکے پُرمذاق فقرے، لطیف استعارے، پُرمعنی اشارے، انکی حکیمانہ

باتین اور فلسفیانہ بحثین، مذہبی و روحانی نکتے، اور سیاسی آزاد خیالی یہ سب جب یاد آتی ہین تو اب بھی مُنھ سے بے اختیار ایک آہ سرد نکل جاتی ہے۔ آہ ناپائیدار دنیا! مگر فنا کا حکم اٹل ہے فنا کا سکہ سب پر جاری ہے۔ آج وہ کل ہماری باری ہے!

رسالہ زمانہ ابتدا ہی سے حضرت اکبر کا مرہون منت رہا ہے۔ آغاز اشاعت سے اسکے حال پر موصوف کی خاص توجہ رہی۔ شاید اسکی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ راقم کے بزرگون سے حضرت اکبر مرحوم کے مراسم خاص تھے۔ خیر کچھ ہو جناب اکبر روز اول ہی سے راقم کے علمی مشاغل کی قدر کرنے لگے تھے۔ اور گو انکی بزرگانہ نوازش اور مخلصانہ ہمدردی کا سلسلہ انکی آخر عمر تک یکسان قائم رہا اور خط و کتابت جاری رہی لیکن ۱۹۰۷ء و ۱۹۰۸ء کے درمیان کی خط و کتابت عام دلچسپی کے خیال سے بھی نہایت اہم ہے اکثر خطوط مین اُسوقت کے مختلف تحریکات اور واقعات کا جس پر لطف اور سبق آموز پیرایہ مین ذکر آگیا ہے اسکی دلچسپی اتنے دنون کے بعد کم ہونیکے بجاے پہلے سے بھی بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ افسوس راقم کے پاس اُسوقت کے سب خطوط محفوظ نہین ہے اور اپنے نیاز نامون اور عریضون کی بھی نقل موجود نہین ہے ہان مرحوم کے بعض عنایت نامے باقی رہ گئے ہین جنسے انکی بہت سی خصوصیات واضح ہوتی ہین۔ اور سوانحی حالات پر روشنی پڑنیکے علاوہ بعض اہم مسائل پر انکے دلی جذبات اور خیالات بھی آئینہ ہو جاتے ہین۔ ادبی حیثیت سے بھی یہ تحریرین ادب اُردو اور انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہین۔

جس زمانہ کے یہ خطوط ہین اُسوقت عنان حکومت لارڈ کرزن کے زبردست ہاتھون مین تھی۔ قومی جذبات مین صدیون کی خفلت کے بعد بیداری کے آثار ظاہر ہو رہے تھے لارڈ کرزن اصلاح کی دھن مین جسیغہ مین رد و بدل کے خواہشمند تھے۔ تعلیم کی اصلاح پر ویسرائے نے خاص توجہ کی تھی اور مروجہ نظام تعلیم بالکل بدل ڈالنے کے درپے تھے۔ تمام ملک مین اسپر ایک تہلکہ برپا تھا۔ زمانہ مین سٹیو شمجھو (بالمکند گپت مرحوم) کے مشہور و معروف چٹھے شایع ہو رہے تھے۔ راقم نے حضرت اکبر سے بھی لارڈ کرزن کی پالیسی پر اپنے طرز خاص مین رائے زنی کی درخواست کی تھی۔ موصوف

نے رسالہ کے لیے تو نثر میں کوئی مضمون نہیں لکھا۔ لیکن ایک خط میں باتوں باتوں میں نہ جانے کیا کچھ لکھ گئے۔ میں نے قدرتاً اُسوقت اس پُرلطف چھیڑ کو شایع کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن اسکی تلافی اب ہو رہی ہے۔ حضرت اکبر الہ دنوں پنشن لے چکے تھے اور آپکے فرزند رشید سید عشرت حسین صاحب انگلستان میں اپنے والدین کی مرضی کے خلاف طولانی قیام کیے ہوئے تھے۔ انھیں دنوں کچھ تو قدرتی اسباب اور کچھ بیٹے کی جدائی سے حضرت اکبر کی آنکھیں خراب ہوگئیں، کلام اور گفتگو دونوں میں دلی ملال کا عکس بار بار نمایاں ہو جاتا تھا، اور کبھی کبھی تو یہ حالت ہو جاتی تھی کہ کہنے والے اور سُننے والے دونوں کی آنکھیں پُرنم ہو جاتی تھیں۔ خطوط ذیل میں انھیں سب گرد و پیش واقعات اور نجی حالات کی طرف اشارہ ہے ضمنی طور پر اُردو کی کس پرسی اور علم کی بیقدری کا بھی کہیں کہیں شکوہ ہے۔ بہرحال یہ ادبی خزانہ جو راقم کے پاس سالہا سال سے امانت تھا نذر ناظرین زمانہ ہے۔

(۱)

عشرت منزل چوک الہ آباد ۹۔ جنوری ۱۹۰۷ء

جناب مکرم۔

آپ نے میری بڑی عزت افزائی کی۔ آپ کی تحسین و مرحبا سے دل کو مسرت ہوئی اس فیاضانہ اظہار رائے کا کہاں تک شکر ادا کروں چند روز سے میری آنکھوں میں ایک ایسی شکایت پیدا ہو گئی ہے کہ نوشت و خواند سے یک قلم نہیں تو بہت کچھ معذور ہوں۔

چھ مہینے یا سال بھر میں اصلاح کا وعدہ کیا گیا ہے اسی وجہ سے میں اپنے معینہ اندازے سے پہلے ریٹائر[1] ہوا۔ اس سے زیادہ کس بات کی خوشی ہو سکتی ہے کہ جوہر شناس سخن اور قدر دان فن کے ملاحظہ میں اپنی ناچیز نظم و نثر پیش کیا کروں جن اکابر کے نام آپ نے تحریر فرمائے ہیں شاید وہ سب بزرگ میرے عنایت فرما ہیں۔

بالفعل میں تعمیل ارشاد سے قاصر رہوں تو معاف فرمائیے۔

میری چند نظمیں کہیں کہیں چھپ چکی ہیں۔ اور میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کے تمام ناظرین

[1] ملازمت سے کنارہ کش

انکو دیکھ چکے ہونگے۔ آپ اپنے زمانہ میں ان سب کو یکے بعد دیگرے عزت اشاعت عطا فرما سکتے ہین [1]

مدتین گذرین مین نے چند روز پنچ کی نامہ نگاری کی تھی اور اُسوقت اسکا شوق بھی تھا عظیم سوشل اور پولیٹکل انتخاب و پیش تھا اور دور اندیش طبیعتین اُن انقلابون کے ناگوار پہلوون کی مخالفت اور تردید ضروری سمجھتی تھین اور ظرافت کا پیرایہ اُسکے لیے بہت ہی مفید اور موثر سمجھا گیا تھا۔ نوکری کے مشاغل اور ذمہ واری کی نزاکت نے اُس شغل کو تھوڑی مدت کے بعد مجھسے چھڑا دیا۔ اپنے طور پر کبھی کبھی کوئی غزل یا مضمون لکھتا رہا۔ مگر باوجود اصرار احباب ہنوز کسی مجموعہ کی اشاعت کو دل نہین چاہا۔ حیدرآباد اور بمبئی اور دیگر مقامات کے آپ ایسے بلند طبع اور اولوالعزم بزرگون کے خطوط کے انبار میرے پاس جمع ہین۔ اگر معذور نہ ہوتا تو بھی انکی تعمیل ارشاد سے معذور رہتا۔

مخزن نے بمشکل اور مدت مین مجھسے دو ایک نظمین پائی ہین۔ اول تو کہتا کم ہون۔ اور کہا بھی تو لکھے کون صاف کون کرے۔ کہین نوٹ کر دیا اور بھول گئے۔

بیشک حالی [2] گورنمنٹ یا اسکولی شاعر ہین۔ داغ درباری شاعر ہین تو کسی شمار مین نہین ہون مین مکرر عرض کرتا ہون کہ آپ کی قابلیت اور داد دہی نے مجھکو بہت محظوظ کیا اور مجھکو آپ کا معتقد بنایا۔ اور آرزو پیدا ہوئی کہ گھڑی دو گھڑی آپ سے باتین کرون۔ لکھنؤ آتے جاتے ایسا ممکن ہے اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو بشرط اجازت آپ کو اطلاع دونگا۔ اسوقت کسی قدر دوران سر تھا نیاز نامہ اپنے ڈکٹیشن سے لکھوا دیا ہے۔ یہ نہ خیال کیجئے گا کہ تعمیل ارشاد کا مجھکو مطلق خیال نہ رہے گا۔

اکبر حسین

۴۔ جون ۱۹۰۴ء

(۲)

عنایت فرمائے من۔ .....

اپریل مین آپ کا پرچہ میرے نام سے خالی رہا جس کم جہان پاک۔ بلاشبہ یہ افسوس ہوا

---

[1] اس تجویز پر زمانہ مین عمل نہین ہو سکا۔

[2] زمانہ بابت جنوری ۱۹۰۴ء مین کلام اکبر کی تمہید کے سلسلے مین اُردو شاعری کے ان مختلف اسکولون کا مختصر تذکرہ کیا تھا اور اسکے پیشگی پروف جناب اکبر کی خدمت مین ملاحظہ کیلئے بھیجے گئے تھے ان فقرات مین غالباً اسی طرف اشارہ ہے

کہ آپنے سمجھا ہوگا کہ باوجود اسقدر ترغیب اور تحسین اور منت کے مین نے پروانہ کی اسی امر کا مجھکو بہت خیال تھا۔ نوشت وخواند مجھ پر بار ہی، عشرت سلمہ کا انتظار ہی۔ کچھ موزون کرتا ہون تو صاف ہونے کی نوبت نہین آتی منشی جی غلط نویس ہین اور پھر وہ چند روز سے کچھ اور کامون پر متعین ہین۔

آپ نے اُن چند اشعار کو جو مکرر خط آنے پر مین نے بھیجدیے تھے نہین چھاپا اچھا کیا۔ وہ کچھ پرائیوٹ تفنن طبع کے طور پر موزون ہوے تھے لیکن اس اثنا مین میرے بعض خطوط احباب کے پاس نہین پہونچے اسلیے شبہ ہوتا ہے کہ آپکے پاس دوسرا خط پہونچ گیا تھا یا نہین۔

"روانی لوڈور" میری ایک نظم ہے جو بہت مشہور اور مقبول ہوئی ہے اُسکے سوا اور نظمین بھی ہین البتہ اُنکا ملنا ذرا دشوار ہے۔ اگر آپ پرچہ مئی کے لیے پرود کرین تو منشی جی پر تاکید کرون کہ تلاش کرکے اُسکی نقل بھیجدین۔

مین ہنوز اُنھین شکایتون مین مبتلا ہون۔ یہ خط لکھ رہا ہون لیکن یقین نہین کہ قلم میرے ارادون کو پورا کرتا جاتا ہے۔

گوئٹہ جو جرمنی کا مشہور شاعر گذرا ہے شعرا کے سرور کو جو نظم سخن سے حاصل ہوتا ہے طیور خوش الحان کی نغمہ سنجی سے تشبیہ دیتا ہے انکی ترانہ سنجیان اسلیے ہین کہ وہ انکی فطرت مین داخل ہین نہ اسلیے کہ چمن روزگار سے انکو داد وتحسین وآفرین کی طلب ہو۔ شاعری مین وہ درجہ میرا تو ہے نہین۔ لیکن شروع ہی سے کچھ ایسی حالت پیش آئی کہ اشاعت کلام کا خیال نہوا۔ دل گھبراتا تو زبان بہلا دیتی۔ خیر جہان تک ممکن ہوگا انسان بننے کی کوشش کرون گا۔ بلبل پھر بھی جانور ہے۔ غالباً آپ کو ذوق سخن بھی ہے۔ اگرچہ اڈیٹر کو اسکی فرصت نہین رہتی چڑیون کی سنین کہ پنجرون کی درستی کی فکر کرین۔ صلح کل پر میرے چار مصرعے تو تصنیف سنیے۔ پلے اپان ورڈس ہے لیکن بیجا نہین۔

دل ہو جو وسیع اور روشن ہو خیال — ہر رنگ تجھے دکھائے خالق کا جمال
ساری دنیا ہے اُسکو پیاری اکبر — کہتا ہے کم اہل جسکو حاصل ہے کمال

لہ ضلع جگت

(۳)

(بلا تاریخ)

عنایت فرمائے من۔ ہر چند نظر آنکھ چراتی رہی لیکن مین نے کسی طرح آپکا خط پڑھ ہی لیا آپ اُس رُباعی کو میرے نام کے ساتھ بھی لکھدین تو حرج نہین۔ آخر وہ میری تصنیفات مین داخل ہے۔ آپکی مشکلات سے مین خوب آگاہ ہون۔ بے تمیزی رُک نہین سکتی جہالت کی گردن جھک نہین سکتی۔ بولنے کی طاقت نہین۔ بارعب جھوٹی جماعت نہین۔ لیکن آپ محنت و استقلال سے اپنا کام کیے جائیے خدا مددگار رہے۔ اُردو سب کو آتی ہے۔ انگلش لیڈر بچرنے خیالات کے انبار لگا دیے ہین۔ آپکو بہت مضمون نگار ملتے رہین گے۔ آپ خود بھی نہایت ذکی اور صاحب فہم اور وسیع الخیال ہین۔ مین آپ سے سچ عرض کرتا ہون کہ لکھنے پڑھنے مین بہت دقت ہے اکثر سے لکھتا ہون مشکل سے پڑھتا ہون۔ کئی خط آئے جس مین سخت شکایت ہے کہ زمانے کو مضمون ملتا ہے ہمسے معذرت کیجاتی ہے۔ مین نے لکھدیا کہ وہان بھی نہین جاسکتا خیر یہ تو کوئی بات نہین ہے اصل یہ ہو کہ شکایت چشم سے نہایت ہی پریشان ہون۔ اپنے ذخیرۂ اشعار کو ابتک ترتیب نہین دے سکا عشرت سلمہ کا انتظار ہے دیکھئے ولایت سے کیا اندراج طبیعت لیکر آتے ہین

نیازمند اکبر

میری غزلین قریباً کل غیر طبع شدہ ہین۔ وہ ذخیرہ عشرت سلمہ کے علم مین کہین موجود ہو چند اجزا میرے پاس ہین۔ کچھ نئی غزلین بھی ہین اگرچہ بیکار طبع ہونا چاہیے لیکن تعمیل ارشاد بھی ضروری ہے۔ چند اشعار ایک پرانی غزل کے عرض کرتا ہون

ادراک بھی تھا علم بھی تھا عقل رسا بھی — وہ لیگئے دل اور کوئی بولا نہ ذرا بھی

[۱]

. . . . . .

سنتا ہون کہ اکبر نے کیا عشق بتان ترک — اس بات سے تو خوش نہوا ہوگا خدا بھی

(۴)

یہ خط بلا تاریخ ہے لیکن ۱۹۰۴ء کا لکھا ہوا ہے

[۱] پوری غزل ہے۔ یہان صرف مطلع و مقطع درج کیا جاتا ہے

ایڈیٹر

مکرمی - یادآوری اور مزاج پرسی کا ممنون ہون، میری طبیعت بدستور ہے آنکھون کی اصلاح کا وقت دور ہے۔ ان روزون شہر مین پلیگ کا زور ہے۔ مرنیوالے مرتے جاتے ہین بھاگنے والے بھاگے جاتے ہین۔ مین خدا بہ توکل گھر مین بیٹھا ہون۔ معمولی احتیاط اور صفائی کو کافی سمجھ لیا ہے۔ دھوپ کھاتے ہین سوپ[1] پیتے ہین۔ حکم اللہ کا ہے جیتے ہین۔ مرنا تو مین نہین چاہتا لیکن طاعون کی قید نہین ہے بلکہ کسی طرح کسی عارضے مین مرنا نہین چاہتا۔ ایسی جگہ ملے تو سب سے پہلے مین بھاگون۔ ڈاکٹر کا ہمسایہ اس ریمارک کو دیوانگی سمجھے گا۔ شاعر کا ہمسایہ اُسپر عمل کر سکے یا نہین اسکو عمدہ مضمون سمجھے گا۔ جہاز اور ریل نے اچھے، بُرے، پاک، ناپاک، مضر غیر مضر کو مخلوط کر رکھا ہے۔ انکو کوئی روکتا نہین پھر ہم آپ بُری ہواؤن یا بُرے افرون کو کیا روک سکتے ہین۔ نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد۔ بے سامانی اور کمزور خون پر پلیگ کا وار چل رہا ہے۔

سید اکبر حسین

(۵)

(کسی خط کا آخری ٹکڑا محفوظ رہ گیا ہے)

لیکن آسمان کہتا ہے کہ یہ پاپولیشن[2] کا ریڈکشن[3] ہمارے محکمہ سے جاری ہے۔ کہین پلیگ ہے کہین جنگ ہے ——— جو کچھ ہو۔

مقصود ہے شغل - کوئی مضمون سہی — پیمانہ سے نہین تو افیون سہی
ہنگامۂ موت بھی ہے اِک چیز اکبر — گو جنگ نہین تو خیر، طاعون سہی

منشی جی سے کہدیا ہے دو ایک رباعیان بھیجدینگے۔ میرا نام خریدار[4] رجسٹر مین نہ لکھیے گا اوا بجھ مین نہین ہے۔ باقیداری پسند نہین۔

(۶)

(۲۲-جون ۱۹۰۴ء)

عنایت فرمائے من زاد لطفہ - آپ کا خط دیکھکر یہ مضمون ذہن مین آیا

گو وہ نہ کہلا سکے مضامین کے گُل — احباب مین ہو رہا ہے تحسین کا غُل
ہے آج زمانہ مُصلح گلشن نظم — اکبر بھی بنا ہے آنریری بُلبل

---

[1] شوربہ [2] آبادی [3] تخفیف [4] اسکا کوئی خوف نہ تھا لیکن کفایت شعار طبیعت، احتیاط پسند تھی

اگرچہ آپ کی قدر افزائی کا شکر گذار ہون لیکن شرمندہ ہوتا ہون کہ وہ قابلیت نہین ہے جو آپ نے تصور فرمائی ہے۔ لارڈ کرزن کی کس اوپر آپ میری توجہ چاہتے ہین ؎

حیران ہین اس زمانے مین ہم جی کے کیا کرین
جائز سہی شراب مگر پی کے کیا کرین

اسکا دوسرا شعر شاید کچھ تعلق رکھتا ہے ؎

تعلیم اونچے درجے کی ہوتی نہین نصیب
پھر گھر مین بیٹھکر بجز B.A بی کے کیا کرین

B.A بی بی سے بھی مخاطبہ ہے۔ ۱۶ مئی ۱۹۰۴ء کے انسٹیٹوٹ گزٹ علی گڑھ مین میری ایک نظم چھپی ہے جسمین لڑکون کو اطاعت والدین کی نصیحت ہے مین خیال کرتا ہون کہ اس سے زیادہ کوئی ضروری چیز نہین ہوسکتی۔ آپ اُس پرچے کو منگا کر ملاحظہ فرمائین محسن الملک صاحب نے میرا پرائیوٹ خط بھی چھاپ دیا ہے اگرچہ وہ بھی لطیفہ تھا لیکن میرا مقصود اُسی اخلاقی نظم سے تھا۔ دربار دہلی کے متعلق میری جو نظم ہے اسکو بھی لیجئے۔ کرزن سبھا کو چھاپیے۔ لارڈ کرزن پر اعتراضات سے ہوتا کیا ہے اس ملک مین بنگالیون نے زور قلم دکھایا۔ سرسید نے بزم جمشید مرتب کی، خوب چمک دمک دکھائی، ڈنر دیے، دونون نے اپنے اپنے طریقون سے کشود کار چاہا لیکن ہمارے اعمال ایسے ہین کہ خرابی ہی کی طرف رفتار ہے۔ اسی خیال سے مین نے یہ رباعی کہی تھی ؎

بنگالی ہاتھ مین قلم لے تو کیا — مسلم جو مسند بزم جم لے تو کیا
ہندی کی نجات ہے نہایت مشکل — سو مرتبہ مرکے وہ جنم لے تو کیا

یہ رباعی ذہن مین تھی اسوقت لکھتا ہون۔ ابھی آپ کے پرچہ مین کسی صاحب کا مضمون تھا کہ بچون کو بھوت سے نہ ڈرانا چاہیے، بیشک یہ بات صحیح ہے۔ یہ نصیحت بارہا ہوچکی ہے۔ اگرچہ نظر افتتاح مین کہدون کہ بیگانہ ملک سے گھر کا بھوت اولیٰ ہے تصریح نہ پوچھیے سکوت اولیٰ ہے۔ لیکن درحقیقت بچون کے دل مین ایک غلط خیال کی بنیاد قائم کرنا نہایت مضر ہے۔ سچی بات کیون نہ کہو کہ حکام کا خوف اور ادب دل مین پیدا ہو۔

لڑکے جو شریر ہین سنور جائین گے آجائین گے راہ پر سدھر جائین گے
بھولون کے ذکر کی ضرورت کیا ہے صاحب کا نام لے دوڑ جائین گے

نصیحت تو اچھی ہے لیکن شاعرانہ کجفہمی سے ترکیب نظم ایسی واقع ہوگئی ہے کہ بدگمانی پیدا ہوسکتی ہے۔ آپ خود حظ حاصل کرلین۔ حضرت آپ کی تحریر اور تقاضے اور تعریفین مجبور کرتی ہین ورنہ مجھکو خط لکھنا بھی بار ہے۔ تا بہ مضمون نگاری چہ رسد

نیازمند
اکبر

ہمایون

رسالہ ہمایون کا پہلا نمبر لاہور سے ۲۰×۳۰ تقطیع پر میان محمد شاہدین صاحب ہمایون (مرحوم) کی یادگار مین شایع ہوا ہی جو صوری و معنوی دونون حیثیت سے قابل قدر ہے۔ کاغذ اور کتابت و طباعت کے ساتھ مضامین بھی اچھے ہین۔ ہماری دعا ہے کہ دنیائے ادب کا یہ نو وارد مسافر جناب ہمایون مرحوم کی یادگار کے ساتھ ساتھ اُردو زبان کے لیے سرمایۂ ناز ثابت ہو، ہمارا ذوق ادب مجبور کرتا ہی کہ ہم معزز رسالہ ہمایون اور بعض دیگر معاصرین سے گزارش کرین، کہ وہ اپنے صفحات کو ایسے مضامین سے پاک رکھنے کی کوشش کرین جنکی معنویت ہوس کارانہ لفاظی پر مبنی ہوتی ہے، اور جنمین نفسانی جذبات اور ولولہ انگیز خیالات کے سوا اور کچھ نہین ہوتا۔ کچھ دنون سے اس قسم کے مضامین کی بھرمار ہو رہی ہے، ضرورت ہے، کہ اُن مضامین کی باقاعدہ مخالفت کی جائے جن سے ادب اُردو کی در اصل توہین ہوتی ہے

ہمایون کی سالانہ قیمت پانچ روپیہ ہے۔ شائقین منیجر رسالہ ہمایون لاہور سے طلب فرمائین

لہ مرحوم بمقتضائے وقت عموماً بہت محتاط تھے اور آخر وقت تک ضرورت سے زیادہ احتیاط کرنے لگے تھے۔ ایڈیٹر

نواب مہر مرحوم

نواب امین الدولہ سیف الملک سیّد آغا علی خان بہادر فیروز جنگ مہر مرحوم فرزند رشید نواب معتمد الدولہ مختار الملک سیّد محمد خان بہادر ضیغم جنگ عرف آغا میر وزیر شاہ اودھ ناسخ مرحوم کے ارشد تلامذہ مین تھے اور شاعری کے دلدادہ تھے فارسی اردو دونون زبانون مین قادر الکلام تھے آپکا دیوان ۱۲۶۳ھ مین شاہی پریس لکھنؤ مین طبع ہوچکا تھا۔ تحقیق زبان صحت الفاظ محل استعمال مین انکا مرتبہ ناسخ سے کچھ کم نہ تھا دو تین مرتبہ ناسخ مرحوم ان کے بلائے ہوئے کانپور مین گئے حسن اتفاق سے ایک مرتبہ کسی تقریب مین ناسخ نواب امین الدولہ کے مہمان تھے کہ منیر مرحوم نے حاضر ہو کر شرف تلمذ حاصل کیا۔ ناسخ نے کہا نواب صاحب کو تو اصلاح دینے کی فرصت نہین ہے مین میر علی اوسط رشک سے کہدونگا تم انھین سے اصلاح لیا کرو مجھے اصلاح دینے کا وقت نہین ملتا نواب امین الدولہ کی تمام عمر کانپور مین گذری۔ اگرچہ کانپور کو بھی نواب نے دوسرا لکھنؤ بنا لیا تھا تاہم ہمیشہ لکھنؤ کے لیئے بیتاب رہتے تھے، اکثر شاہیر شعرا لکھنؤ، منیر، رشک، ناسخ، وغیرہ انکے یہان مہمان رہا کرتے تھے۔ اس طرح لکھنؤ کا نظارۂ باطنی تو میسّر تھا۔ مگر نظارۂ ظاہری کی متمنی رہتے تھے چنانچہ فرماتے ہین،

دم پھڑکتا ہے مرا ہر دم برائے لکھنؤ — لکھنؤ مجھکو دکھا دے اے خدا اے لکھنؤ
جب کنار گنگ آتی ہے کبھی ٹھنڈی ہوا — یاد آتی ہے مجھے آب و ہوا اے لکھنؤ
آرزو ہے تجھسے اے فرمانروائے کائنات — مہر پہ ہو دن مہربان فرما تو دے لکھنؤ

دوسری غزل مین کمال اشتیاق ظاہر کرکے کہتے ہین۔

کانپور مین ہے یہ میری زندگانی کا سبب — جسم کو لگ جاتی ہے اکثر ہوائے لکھنؤ

ایک غزل قافیہ بدلکر لکھنؤ کی حسرت مین کہی ہے۔

بلبلو پھرتے ہین دلمین گلعذار لکھنؤ — میری آنکھون کو ہے اکثر انتظار لکھنؤ

پاس سے دیکھوں بنائے پائیدار لکھنؤ دور ہو آنکھوں سے یارب انتظار لکھنؤ
حیدرآباد اور دلی کی حقیقت کون شئے وسعت ملک صفاہان ہے نثار لکھنؤ
کابنور مین کیا کہین جاؤن پے گلگشت باغ سامنے آنکھون کے ہے باغ وبہار لکھنؤ

ایک اور غزل تبدیل قافیہ ردیف و فراق لکھنؤ مین کہی ہے،

فرش ہو مسند ہو بیداری ہو خواب عیش ہو اب سخن تکیہ مرا ہے اشتیاق لکھنؤ
سلطنت کے بدلے بھو بچا دے وطن تک لے ہما بادشاہی سے سوا ہے اشتیاق لکھنؤ
شمل آب و آتش و خاک و ہوا طینت سے ہے پانچوان عنصر بنا ہے اشتیاق لکھنؤ
مرہم سیر وطن اے مہر اسکا ہے علاج مثل داغ دل بنا ہے اشتیاق لکھنؤ

آخر مین مایوس ہو کر فرماتے ہین،

جینے کب دے گا فراق لکھنؤ جان تک لیگا فراق لکھنؤ

اور غزلون مین بھی آپنے لکھنؤ کی حسرت دیدار کو بہ طرز احسن ظاہر کیا ہے۔ جس سے قادر الکلامی ٹپکتی ہے۔

لکھنؤ خوب ہے جنت کے چمن سے ہم کو خوش کرے جلد خدا سیر وطن سے ہمکو

میر رضا من علی شوق خلف میر علی اوسط رشک ہمیشہ انھین کے دربار مین رہے۔

جناب شوق کا ایک قاعدہ تھا کہ ہر غزل کے مقطع مین مادہ تاریخ غزل نکالتے تھے اور یہ شرف انھون نے جناب مہر سے حاصل کیا یعنی جناب مہر نے کبھی کبھی اپنے مشاعرے کی غزل مین مقطع کے مصرعہ آخر سے مادہ تاریخ نکالا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہین۔

یہ ہوئی طرح کی اے مہر مسیحی تاریخ بس محبت ہے گل غنچہ دہن سے ہمکو

اور مضمون کی صفائی حسن بندش معانی کی خوبی کا تو ان کے کلام پر خاتمہ تھا۔

کھل گئے غیب کے اسرار سخن سے ہم کو کام کی بات ملی تیرے دہن سے ہمکو

جدت طرازی کا نمونہ سنیئے۔

ہستی زر پر نہین قابو گدا و شاہ کا جان بھی اللہ کی ہے مال بھی اللہ کا
مجھ مین اس قاتل مین تیرونکی لڑائی رہتی ہے جب نگہ کا تیر کھایا تیر مارا آہ کا

کہکشان اے مہر جسکو فلسفی ٹھہراتے ہین یہ دھوآن ہے آسمان گیر اپنی شمع آہ کا

ایک مشکل مصرع پر ایسا زوردار مصرع لگایا ہے کہ قابل داد ہے مصرع یہ تھا ؎ پیکر تہ پیرہن نہ دیکھا، بادی النظر مین اس مصرع کو تغزل سے کوئی واسطہ نہین معلوم ہوتا اور یہ بھی سمجھ مین نہین آتا کہ شاعر کیا مصرع اسپر لگائیگا۔ اسی مصرع سے مہر کی قادر الکلامی کا ثبوت ملتا ہے۔

دیکھا تجھے جسنے دل سے عریان پیکر تہ پیرہن نہ دیکھا

ایک غزل مین لکھنؤ کی بربادی پر افسوس کرکے فرماتے ہین۔

اُٹھائے غربت کے رنج ہم تباہ ہوتے وطن نہ دیکھا مقام شادی ہے ہم صفیر وخزان مین رونے چمن نہ دیکھا

ایک مرتبہ کانپور کے قریب ایک مقام بٹھور ہے وہان کے میلے مین تشریف لیگئے اسکی کیفیت ایک غزل مین نظم کردی ایک شعر مین میلے کی صفت کو ختم کردیا۔

جس سے بازار مصر شرماے ایسا میلا بٹھور مین دیکھا

مشکل ردیف وقافیون بھی اپنا رنگ طبیعت دکھا جاتے تھے جہاب بنا پر بگڑ گیا، کتاب بنا پر بگڑ گیا، اسمین ایک شعر اپنے حصہ کا کہا ہے۔

ایوان عیش اہل فنا کو نہ پوچھیے مانند بزم خواب بنا پر بگڑ گیا

کہین کہین تعلی بھی کی ہے۔

ہماری نظم سے کیونکر ہو آب دتاب جدا درخوش آب جو ہو اس سے کیا ہو آب جدا

پئین گے شہر سے جاکر کہین شراب جدا ہے پاس دفع جدا بہم احتساب جدا

۱۲۴۹ھ ہجری مین ایک دفعہ بٹھور کے میلے مین تشریف لیگئے اُسکی تعریف ایک غزل مین لکھی اور مادہ تاریخ مقطع کے آخری مصرع سے نکالا۔

دریاے فیض عام ہے میلا بٹھور کا ہوتا عبث نہین لب گنگا بٹھور کا

اس ماہ وش نے مجھ سے یہ تاریخ مین کہا لے مہر لو پری ہے یہ میلا بٹھور کا

۱۸۳۳ء مین ایک غزل بٹھور کے حالات مین لکھی اسمین بھی مادہ تاریخ پیدا کیا۔

کاشی گیا پراگ مین جانے سے فائدہ آنکھو نہین ہان سمایا ہے تیرتھ بٹھور کا

تاریخ عیسوی مین یہ مصرع ہوا ہے مہر کیا ہی پسند آیا ہے تیرتھ بٹھور کا

لکھنؤ سے نکلنے کا غم دل پر ہمیشہ رہا اور اسکا اظہار غم مختلف پہلو سے کیا۔

لکھنؤ تھا جسم تو ہم جان تھے — آئی قضا دیس نکالا ملا
شاہ ہم اس حکم کے دیوانے ہین — بے سر و پا دیس نکالا ملا
کہنہ چلا آیا ہے آدم کا ارث — کیا یہ نیا دیس نکالا ملا

دوسری غزل مین کہتے ہین۔

بیجرم و بے گناہ غریب الوطن کیا — ہمکو وطن سے شاہ غریب الوطن کیا
دشمن نہ یون ہو دوست کسیطرح سے ہمین — باحالت تباہ غریب الوطن کیا

تصوف کے رنگ مین بھی اچھی داد سخن دی ہے۔

یہ عرش نہین گوشۂ میخانہ ہے اسکا — سورج خم افلاک مین پیمانہ ہے اسکا
چھانا جہان مین نے اِک جا مکان نہ ٹھہرا — مسکن ترا امکان سے تا لامکان نہ ٹھہرا
ہمکو بھی ساتھ لیتے اے رہروان منزل — عجلت کا کیا سبب تھا کیون کارواں ٹھہرا

درج گوہر کو صدف سے تو نے عالی کر دیا — ایک کا گھر بھر دیا اور ایک خالی کر دیا

اُستاد کا ذکر نہیر عجیب حسرت سے کیا ہے۔

پوچھتے ہو مجھسے کیا اے مہر آہ — نام تھا ناسخ مرے اُستاد کا

لکھنؤ کی بربادی کا حال کس دلکش پیرایہ مین کیا ہے،

مین ہون ساکن اُس خراب آباد کا — جسمین غم ہے نکبت برباد کا

غلط کی ردیف مین نواب ناظم والی رامپور کی غزل مشہور ہے لیکن مہر کی غزل تبدیل قافیہ عجب مرصع نظر آتی ہے۔ ناظم فرماتے ہین،

مین نے کہا کہ دعویٔ الفت مگر غلط — کہنے لگے کہ ہان غلط اور کسقدر غلط

جناب مہر فرماتے ہین،

دنیا کے ہین یہ سات ورق جا بجا غلط — ہے ابتدائے دہر سے تا انتہا غلط

قاتل سے ہے خیال شکایات کا غلط — دعوائے خون غلط طلب خوبہا غلط
پڑھکر ہمارے خط کو نکالے یہ پانچ عیب — بے ربط بے محاورہ بدخط برا غلط

ہجر صنم مین ضبط فغان و بکا غلط — تسلیم و صبر و شکر و شکیب و رضا غلط
حیرت زدہ مرا دل پرخون ہے ساقیو — ساغر دروغ جام غلط آئینہ غلط
اپنا کسی کا کوئی نہین اس زمانے مین — لطف یگانہ دوستی آشنا غلط
انداز ربط و ہم سخنی حیلہ و فریب — تسلیم بندگی و سلام و دعا غلط

جسم صاف من ردیف ہے اور ضیا دعا قافیہ ہے ردیف کی دفتو پر نظر کیجئے تو اس مین مطلع کہنا بہت مشکل یعنی ایک مصرع کی ردیف بیکار ہوئی جاتی ہے، ایسی مشکل زمین مین نواب مہر نے غزل کہی ہے اور نازک نازک شعر نکالے ہین۔

عالم ہے مہر آئینہ کا جسم صاف مین — ہے اسقدر صفا و ضیا جسم صاف مین
تیرے ہر ایک عضو مین آتا ہے منھ نظر — سب جڑ دیئے ہین آئینے کیا جسم صاف مین

وطن صحرا مین چمن صحرا مین غزل کہی ہے جسکا مطلع ہے،

روح کو خانہ زندان ہے بدن صحرا مین — یاد آتا ہے ہمین اپنا وطن صحرا مین

شمشیر مین زنجیر مین ایک پامال زمین ہے اسمین بھی اچھے اچھے شعر نکالے ہین۔

یار کی تلوار کا کھنچنا نوید فضل ہے — بدلے جوہر کے قضا کے حرف ہین شمشیر مین
جب نکالی قید خانے سے ترے وحشی کی لاش — غل بہار و نے پیٹنے کا خانۂ زنجیر مین
طبع بد کو خوبی اصلاح سے کیا فائدہ — بوے گل ہوتی نہین ہے گلشن تصویر مین

مثال اور دلیل معانی کے توصائب تھے۔

دست رنگین مین نہین ظرف شراب آتشین — آگ ساغر مین بھری ہے اور ساغر آگ مین
اشک و سوز غم سے مین ہون آب آتش بین کہ لو — مچھلیان پانی مین پیتی ہین سمندر آگ مین
مرتبہ جتنا بڑھے دنیا مین اتنا رنج ہو — ماہ آسایش مین ہے خورشید غادر آگ مین

لکھنو پہنچنے کا تو ایسا غم تھا کہ کوئی غزل اس ماجرے سے خالی نظر نہین آتی ہے اور خاص خاص

غزلین بھی اسی خیال مین کہی ہین۔

کانپور سے کمسین بلائے وطن — جان لے میری با جلائے وطن
منھ سے غربت مین بھی نکلتا ہے — لکھنؤ لکھنؤ بجائے وطن

آیا خیال ماہ لقا کان پور مین — یاد وطن نے داغ دیا کان پور مین
خنجر بیخ غربت و قلق و صدمہ وطن — چوتھا نہین انیس مرا کان پور مین
ہو نا وطن مین قتل نہین سلطنت سے کم — ہے ظلِ تیغ ظلِ ہما کان پور مین

گنگ اکلکہین خاموش جو ہون غربت مین — کس سے افسانہ غریبی کا کہون غربت مین
بیخ ایسا ہے کہ دون جان اگر قابو ہو — بیخ غربت کا بھی احسان نہ لون غربت مین

انتخاب کلام

کیا کرون یار مطرب و ساقی — جلوۂ مے نہین محفل مین

جو ہو وہ طالب بزم شراب دریا مین — نہین پیالہ و مینا حباب دریا مین

کس چیز سے مین اسکے سوا غم غلط کرون — آئے کبھی جو نامہ ترا غم غلط کرون

بے وفا کس سے وفا کرتے ہین — نقد دل یکے دفا کرتے ہین

جیسے ہر طاہر ہُما ہوتا نہین — ہر گدا بھی بادشا ہوتا نہین
چشم بد دور آنکھ کی پتلی ہے تو — جسم سے سایہ جدا ہوتا نہین
مہر تیرے ساتھ ہے اے بحر حسن — موجہ دریا سے جدا ہوتا نہین

ایک چھٹ دوسرے کا نام نہین قصر دل خانۂ عوام نہین

جسم مین جان نہو طاقت گفتار نہو سب گوارا ہے مگر فرقت دلدار نہو

نمود خط رخسار بتان ہے چمن مین آمد فصل خزان ہے

ہنس کے یون کہگئے وہ مجھکو جو روتے دیکھا سیر کو آئے تھے ہم آب روان دیکھ چلے
کی جگہ اور ہو سناکو نکے خاطر خالی خوب ہم محفل عشرت کا سمان دیکھ چلے

کہین کس دل سے ہم خدا سمجھے تجھ سے اے بت تری جفا سمجھے

دیکھو اے غافل سوے ماہ و نجوم چار دن یہ صحبت احباب ہے

آؤ رخصت ہو لو اے اہل وطن اب ہمارے کوچ کا سامان ہے

وصل کی شب بات کی فرصت نہین شام ہوئی اور سحر آگئی

تو جو گرم خرام ہوتا ہے روز محشر کا نام ہوتا ہے
وصل کے بعد ہے جو رنج و فراق یہ فقط انتقام ہوتا ہے

وقت پیری ہمین ہوا معلوم کہ پیام اجل جوانی ہے
جائے عبرت ہے ہستی موہوم صحبت رفتگان کہانی ہے

روز کہتے ہین یہ اردو سے معلے والے
لطف دہلی تو گیا لکھنؤ آباد رہے

ہے خدا سے یہ دعا لکھنؤ آباد رہے
اصفہان سے بھی سوا لکھنؤ آباد رہے

ربع مسکون مین فرخاک نہین ایسی جا
لوگ کہتے ہین بجا لکھنؤ آباد رہے

کسقدر اسکا دہن شیرین ہے
ایک سے ایک سخن شیرین ہے

تا زدنیا زدل سے نہ آگہی رہے
تا منتہائے عشق ہمین مبتدی رہے

خالی ملازمہ سے نہ شغل اے پری رہے
حقے کے بدلے صحن چمن مین کلی رہے

کہتا ہے تجکو عقد ثریا دکھا کے چرخ
اے ماہ نیچہ مین بھی دستکی رہے

ہرگز نہ وعظ سے دل میخوار توڑیئے
اکبار توبہ کیجئے سو بار توڑیئے

خواجہ محمد عبد الرؤف عشرت

کیا آپ نے اُردو کا ہفتہ وار اخبار **آزاد** ملاحظہ فرمایا ہے جو ہر ہفتہ کانپور سے ایڈیٹر صاحب زمانہ کی زیر نگرانی شایع ہوتا ہے؟ صرف چار روپیہ مین آپ ہفتہ بھر کی خبرون کے بہترین مجموعہ کو سال بھر تک دیکھ سکتے ہین! نمونہ نمبر آزاد کانپور سے مفت طلب فرمایئے۔

لاکھ

لاکھ بھی گوند کی قسم سے ہے اور یہ اُن کیڑون کا فضلہ ہے جو درختون مین خود بخود پیدا ہوجاتے ہین یہ صرف مشرق ہی مین ہوتی ہے اور ہندوستان مین سب سے زیادہ ہندوستان کے علاوہ سیام اور انڈوچینا مین بھی اسکا وجود پایا جاتا ہے مگر دونون ملک کل پیداوار کا صرف (جو تقریباً ۹½ لاکھ من ہوتی ہے) دو یا ڈھائی فیصدی مہیا کرسکتے ہین۔ ان دونون ملک کی بیشتر لاکھ ہندوستان چلی آتی ہے جو صاف کرکے بنائی جاتی ہے۔ اسطرح سے ہندوستان کا قریب قریب لاکھ پر اجارہ ہے۔ پس لاکھ ایک ایسی پیداوار ہے جسپر کہ ملک محصول برآمد لگاکر فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

لاکھ کا کیڑا مختلف درختون مین لگتا ہے جس قسم کا درخت ہوتا ہے اسی قسم کی لاکھ ہوتی ہے سب سے عمدہ قسم کی لاکھ کُسمب کے درخت کی ہوتی ہے مگر بیر۔ پلاس پیپل اور ببول کی لاکھ بھی اچھی ہوتی ہے۔ ممالک متوسط مین کُسمب اور پلاس کے درخت زیادہ تر لاکھ پیدا کرتے ہین۔ مگر سندھ مین ببول پر عمدہ لاکھ ہوتی ہے۔ لیکن جب سندھ کے ببول کی لاکھ کے کیڑے بہار مین لائے گئے تو ببول کے درخت پر انکی نشو ونما نہو سکی۔ اس سے ظاہر ہے کہ مختلف قسم کی لاکھ محض اس بات کی وجہ سے نہین ہوتی کہ کیڑے مختلف قسم کے درخت پر پرورش پاتے ہین بلکہ بات یہ ہے کہ کیڑے بھی مختلف قسم کے ہوتے ہین۔ اس بات کا ابھی کافی طور پر پتہ نہین چلا ہے اور ابھی اس مسئلہ کی تفتیش کی ضرورت ہے۔

سال مین لاکھ کی چار فصلین ہوتی ہین۔ انہین سے پہلی سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

(۱) بیساکھی (۲) جیٹھوا (۳) کشمی (۴) کاتکی۔

یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ کل ملاکر ۹½ لاکھ من کچی لاکھ حاصل ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ سیام اور انڈوچینا سے تقریباً نوے ہزار من درآمد ہوتی ہے۔ اسطرح میزان کل دس لاکھ

پندرہ ہزار من ہوئی - اس سے چالیس سے ساٹھ فیصدی تک صاف شدہ لاکھ تیار ہوتی ہے - یہ ۳ سے ۴ - لاکھ من ہوئی - یہ زیادہ تر دوسرے ملکون کو چلی جاتی ہے -

لاکھ کی پیداوار بہت بڑھ سکتی ہے - جتنے کام کرنیوالے ملے اتنی ہی لاکھ فراہم ہوئی - اگر جنگلونمین لاکھ جمع کرنیکے کام کرنیوالون کی تعداد مین اضافہ ہو تو لاکھ کی پیداوار مین بھی اضافہ ہوسکتا ہے - زمانہ گذشتہ مین سب سے بڑی مشکل یہ رہی ہے کہ عمدہ لاکھ کے کیڑے کم دستیاب ہوتے تھے لیکن اب انتظام کیا گیا ہے کہ عمدہ کیڑے مل سکین - انکے واسطے گھوارے قائم ہونے والے ہین - فی الحال لاکھ جمع کرنیکے پٹے دیے جاتے ہین اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب لائسنس بدلنے والا ہوتا ہے اور لائسنسدار کو امید نہین ہوتی کہ اسکو لائسنس پھر ملے گا تو وہ لائسنس کی مدت ختم ہونیکے قبل ہی جتنی لاکھ ہوتی ہے سب نکال لیتا ہے اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ۱۰ سر نو لاکھ پیدا کرنے کا سامان بھی جاتا رہتا ہے یہ مشکل اسطرح حل کرنے کا ارادہ ہے کہ انڈے دینے والے لاکھ کے کیڑے کسی اوسط مین لائسنس سے مستثنیٰ کردیے جائین - جنگ کے زمانہ مین اس امر کی تھوڑی بہت تحقیقات ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری صنعتین ابھی مختلف پہلوؤن سے سائنس کے اصولون پر نہین چلتین - یہی حال لاکھ کا بھی ہے - ہندوستانی لاکھ اکھاڑ لیتے ہین حالانکہ لاکھ ابھی پورے طور پر جمنے نہین پاتی - ملائم اور نرم ہوتی ہے اور قبل اسکے کہ اس سے انڈے پھوٹ کر ننھے کیڑے نکلین - اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک تو لاکھ کی عمدگی مین فرق آتا ہے دوسرے یہ کہ اگر کافی تعداد مین کیڑے انڈے پھوڑ کر لاکھ جمع کرنیکے پیشتر ہی نکل نہین گئے ہین تو آنیوالے موسم مین لاکھ کی پیداوار کم ہوجاتی ہے - مگر لاکھ جمع کرنیوالون کا ایسا کرنا حق بجانب ہے کیونکہ لاکھ صاف کرنیوالے ایسی ہی لاکھ مانگتے ہین - اسکی وجہ یہ ہے کہ لاکھ مین جو گوندسی شے ہوتی ہے وہ لاکھ کے ملایم ہونے پر کم درجہ کی گرمی پر گل جاتی ہے ورنہ اسکو گرمی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے لیکن اسطرح لاکھ کے انڈے برباد ہوجاتے ہین اور لاکھ بھی عمدہ نہین ہوتی - تیسرا اثر اسکا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ سال بسال لاکھ برابر مقدار مین نہین پیدا ہوتی اسلیے لاکھ کی تجارت مین قمار بازی کو دخل ہوجاتا ہے اور اس سے بہت

نقصان ہوتا ہے۔ اوھ کچی لاکھ کو جمع کرنے کا جو دستور ہے اسکی اسی طرح بندش کرنا چاہیے جسطرح ہندوستان مین صغرسنی کی شادی کی روک کی ضرورت ہے۔ لاکھ کے واسطے ضرورت اس بات کی ہے کہ جن شاخون مین لاکھ جمی ہے اُنکو درخت پر ہی رہنے دیا جاے یا اُنکو کاٹکر دوسرے درختون پر ڈال دیا جاے تاکہ اُسکے نئے کیڑے نکل جائین اور آیندہ لاکھ بنائین۔ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ سال بسال لاکھ کی پیداوار مستقل ہو جائیگی۔ قمار بازی لاکھ کی تجارت مین مسدود ہو جائیگی اور اسکی قیمت ارزان ہوگی۔ لاکھ کی تجارت مین یا کسی اور تجارت مین قمار بازی یون پیدا ہو جاتی ہے کہ جب یہ اطمینان نہین ہوتا اور نہ معلومات ہوتی ہے اور نہ ایسے سامان ہوتے ہین جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ پیداوار کتنی ہوگی تو ہوشیار تاجر اُس سے نفع اُٹھانیکے زیادہ خواہشمند ہوتے ہین۔ وہ پیداوار کو روک لیتے ہین اور جب قدرتی طور پر کمی ہونیکی وجہ سے اسکا نرخ چڑھتا ہے تو اپنی قسمت کو سراہتے اور ایک ایک کے چار چار کرتے ہین۔

ہندوستان مین چار خطے ہین جہان لاکھ کی پیداوار کافی مقدار مین ہوتی ہے۔

۱۔ ممالک متوسط ہند جسمین ضلع ناگپور۔ اُڑیسہ اور بنگال کے ملحق علاقے اور حیدرآباد ریاست کے مشرقی اور شمالی جنگلات شامل ہین۔

۲۔ سندھ

۳۔ سنٹرل آسام۔

۴۔ اپر برما اور ریاستہاے شان۔

انکے علاوہ اور بھی علاقے ہین جیسے پنجاب۔ مگر نمبر اول کے مقامات کو بھی اہمیت ہے کیونکہ لاکھ صاف کرنیوالے اسی رقبہ سے زیادہ تر لاکھ حاصل کرتے ہین۔

(لاکھ کا استعمال)

لاکھ کا استعمال متعدد طریقون سے ہوتا اور گذشتہ چند سالونمین یہ نئے نئے طریقہ پر صنعتونمین استعمال ہونے لگی ہے۔ یہ وثوق کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ مغرب مین صنعتون کیلیے یہ ایک لابدی شے ہے۔ اور چونکہ یہ دیگر ممالک یورپ اور امریکہ مین نہین پائی جاتی

اسلیے ابتک دیگر ممالک مین بڑی بڑی تحقیقاتین ہوچکی ہین تاکہ کوئی اسکا بدل تیار ہو جسطرح کہ نیل کا بدل جرمنی مین تیار ہوا تھا مگر ابھی تک اسمین کوئی کامیابی نہین ہوئی ہے - یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسکا مصنوعی بدل بنانا غیر ممکن ہے اور اگر بنایا بھی جائے تو لاکھ کا کام نہین دے سکتا -

اس لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ ایسے وسائل اختیار کیے جاوین کہ جس سے لاکھ پر جو اجارہ ہندوستان کا ہے قائم رہے اور ہندوستان کا خزانہ اس سے مستفید ہو سکے

لاکھ بطور خام مال کے یورپ اور امریکہ کے آرٹ اور صنعتون کے واسطے ضروری ہوگئی ہے - دوران جنگ مین یہ فوجی ضروریات کی چیزون کے بنانے مین بھی کام آئی ہے - اس سے اسکی اہمیت اور بڑھ گئی ہے اسکے خاص خاص استعمال حسب ذیل ہین -

۱ - صنعتون مین یہ مندرجۂ ذیل صنعتون مین کام آتی ہے - گراموفون کے رکارڈ بنانا بٹن بنانا لیتھو کی روشنائی بنانا - نقلی ہاتھی دانت بنانا - آئل کلاتھ بنانا - وارنش اور پالش تیار کرنا - پتھر اور دھات کی چیزون پر پالش کے لیے چرخ تیار کرنا وغیرہ وغیرہ -

۲ - ریشم یا کھر کی ٹوپیون مین سختی پیدا کرنا

۳ - بجلی کی مشینون مین بجلی کی طاقت کو زائل ہونے سے روکنے کیلیے آلات بنانا جنکو انگریزی مین انسیولیٹر کہتے ہین - لاکھ ایک ایسی شے ہے جسمین سے ہوکر بجلی گذر نہین سکتی جیسے دھات مین سے ہوکر گذر جاتی ہے -

۴ - بارود کی ایسی چیزین بنانے مین کام آتی ہے -

۵ - روزمرہ کے گھر کے استعمال کی چیزین بنانے مین کارآمد ہے مثلاً مہر کرنے کے لیے چوڑیان بنانیکے لیے - کھلونے بنانے کیلیے - وغیرہ وغیرہ -

۶ - جوڑنے کے کام آتی ہے مثلاً ہاتھی دانت اور دھات کی چیزین جوڑنے کے لیے تلوارون کا دستہ جوڑنے کے لیے -

۷ - زیورات بھرنے کے لیے جو اندر سے کھوکھلے ہوتے ہین -

۸ - سفید لاکھ تیار کرنے مین جو لاکھ اور کلورین کی مرکب ہے -

جب لکڑی پر پالش یا دھات پر پالش کرنیکے یا بارود کے گولون کے اندر پالش چڑھانیکی ضرورت ہوتی ہو تو لاکھ کو الکوحل مین گھولتے ہین - فلٹ ٹوپیون اور ایسی چیزون کو کڑا کرنیکے لیے لاکھ کو مہاگہ مین ملاتے ہین - سفید لاکھ تیار کرنیکے لیے اسکو سوڈا کی خاک اور پانی مین گھولتے ہین - یہ سفید لاکھ الکوحل مین گھل جاتی ہے اور اسطرح ایک سفیدی مائل صاف شفاف پالش تیار ہو جاتی ہے -

(لاکھ اور اُسکی تجارت)

خام لاکھ سے پختہ لاکھ جسکو شبلک کہتے ہین ممالک متحدہ آگرہ و اودھ - بنگال اور بہار کے مختلف اضلاع مین تیار کی جاتی ہے - سب سے زیادہ مشہور مقامات اسکی صنعت کے مرزاپور - بلرامپور - امام گنج - پاکر اور جھالدہ ہین - اسکے علاوہ بنگال مین دو کارخانہ ہین جنمین مشین کے ذریعہ پیٹنٹ شدہ طریقون سے شبلک بنائی جاتی ہے -

اسکے حسب ذیل تجارتی اشکال ہین -

۱ - خام لاکھ

۲ - دانہ دار لاکھ - خام لاکھ کو کوٹ پیسکر دھوکر خشک کر لیتے ہین -

۳ - شبلک یا چپڑا لاکھ - یہ تیار شدہ لاکھ یا شبلک ہے جو پپڑا یا گائے کی شکل کی ہوتی ہے

۴ - مُن یا زبان کی شکل کی لاکھ - یہ وہی تیار شدہ لاکھ یا شبلک ہے - اسکو گلا کر بٹن یا زبان کی شکل مین بنا لیتے ہین -

۵ - تامڑے کی لاکھ - یہ بھاری سُرخ رنگ کی ہوتی ہے - اسکی شکل پتلے پتلے ٹکڑون کی سی ہوتی ہے جو چپٹے نہین ہوتے جیسے نمبر ۳ - اسمین تقریباً ۱۰ فیصدی رال ہوتی ہے لیکن خالص بن سکتی ہے - نمبر ۴ و ۵ - اقسام کی ادنی درجہ کی لاکھ لاکھ کا فضلہ ملا نیسے بھی تیار ہوتی ہے -

۶ - کیڑی - یہ فضلہ ہے جو بورون مین جنمین لاکھ گلائی جاتی ہے لاکھ گلنے کے بعد باقی رہجاتا ہے - اسمین لاکھ کا کچھ اوسط ہوتا ہے - بعض اوقات پچاس فیصدی تک - اکثر اس سے بھی زیادہ - یہ عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مشین کی بنی ہوئی لاکھ ہاتھ کی بنی ہوئی

لاکھ سے مقابلہ نہین کرسکتی۔

تجارت برآمد کی کل قیمت کا اندازہ ۳۴/۳ کروڑ روپیہ سالانہ ہے مگر یہ اتنا زیادہ اسوجہ سے ہے کہ نرخ چڑھا ہوا ہے۔ فوجی ضروریات کی وجہ سے دوران جنگ مین اسکی قیمت مین بہت بڑا اضافہ ہوا۔ اور اسکی اہمیت بڑھ گئی۔

دس سال قبل تجارت برآمد کی کل قیمت کا اندازہ صرف ۲۳/۴ کروڑ روپیہ ہے۔ جنوری ۱۹۱۷ء سے جب سے کہ ہندوستان کے وسائل پورے طور پر جنگ مین کام آنے لگے اور جب سے گرانی کا سلسلہ شروع ہوکر ابھی تک ختم ہونے نہین آتا بائیس مہینونمین ۱۱۲۰۰۰ من لاکھ وزارت اسلحہ کو گئی تھی۔ اسکی قیمت مقررہ تھی۔ ۸۲ ۱/۲ پونڈفی من کی قیمت ۸۲ روپیہ تھی مندرجۂ ذیل اعداد روپیہ ہین۔ اور برآمد شدہ مال کے ہین۔

سال	تیار شدہ لاکھ	غیر تیار شدہ لاکھ	میزان کل
۱۹۱۳-۱۴	۱۸۲٫۸۵۰۰۰	۱۳٫۷۳۰۰۰	۱۹۶٫۵۸۰۰۰
۱۹۱۴-۱۵	۱۵۳٫۶۲۰۰۰	۶٫۹۶۰۰۰	۱۶۰٫۵۸۰۰۰
۱۹۱۵-۱۶	۱۶۰٫۴۶۰۰۰	۱۱٫۲۹۰۰۰	۱۷۱٫۸۵۰۰۰
۱۹۱۶-۱۷	۲۵۶٫۹۹۰۰۰	۲۳٫۳۳۰۰۰	۲۸۳٫۳۲۰۰۰
۱۹۱۷-۱۸	۳۶۳٫۳۹۰۰۰	۱۴٫۳۹۰۰۰	۳۷۷٫۷۸۰۰۰

اگر مندرجۂ صدر پانچ برسون کا اوسط نکالا جاے تو اوسط برآمد ۲۰۰ کروڑ ۳۸ لاکھ روپیہ نکلتا ہے۔ اسکی تجارت کا نظام بہت سادہ ہے اور تقسیم کار و نقصانات کے عمدہ اصول پر مبنی ہے۔ لاکھ کے جمع کرنیوالے اسکو بنیون کے ہاتھ فروخت کرتے ہین۔ بنیا چھوٹے چھوٹے کارخانہ دارون کو مال بہم پہونچاتا ہے۔ یہ مال تیار کرکے دلالون کے ذریعہ برآمد کرنیوالے تاجرون کے ہاتھ فروخت کرتے ہین۔ سرمایہ جو اسمین لگا ہے مختلف درجونمین مختلف مالکون کا ہے۔ کلکتہ کے دلال چھوٹے کارخانہ دارون کو روپیہ پیشگی دیدیتے ہین اسطرح انکا کام چلتا ہے۔ لاکھ جمع کرنیوالون کو روپیہ بنیون سے پیشگی مل جاتا ہے۔ اسمین ایک نقص ہے اور وہ یہ ہے کہ اس نظام مین پیشگی روپیہ لینے والا۔ دینے والے کا ایک قسم کا

غلام ہوجاتا ہے۔ اسکو مال بازار کے نرخ سے کم داموں پر دینا پڑتا ہے اور اکثر شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ سوائے اسکے مال اور کسی دوسرے کو نہ دیا جاے۔ پہلی شرط کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ سود نہین لیا جاتا اسلیے اسکا عیوض کمی نرخ مین نکلتا ہے مگر اسمین پیشگی لینے والے کا سراسر نقصان ہے۔ فرض کیجیے کسی نے سو روپیہ پیشگی لیے اور دوران سال مین اُسنے ۵۰۰ کا مال دیا۔ یہ مال فرض کیجیے ۲۵ من ہے لہذا قیمت بیس روپیہ فی من ہوئی۔ قیاس کہتا ہے کہ جب بیس روپیہ کا نرخ کاٹا گیا ہوگا تو بازار کا نرخ ۲۵ روپیہ فی من ضرور ہوگا۔ اسطرح سے اسکو پانچ روپیہ فی من کا گھاٹا ہوا۔ ۲۵ من پر ۱۲۵ روپیہ ہوئے اور سو روپیہ پیشگی لینے پر ۱۲۵ روپیہ کا نقصان ہوا۔ سو روپیہ کا سود ۱۲ فیصدی لگانے پر بھی پیشگی لینے والے کو ۱۱۳ روپیہ کا خالص فائدہ رہا۔ دوسری شرط ایک بندش ہے جس سے کارخانہ دار کو سخت نقصان پہونچ سکتا ہے۔ ایسی ہی بندشون سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال کی پارچہ بافی کی صنعت کو ملیامیٹ کر دیا تھا جب نرخ ارزان ہوتا ہے تو کٹے ہوے نرخ سے بھی کم دام دیے جاتے ہین اور جب گران ہوتا ہے تو معہودہ نرخ پر بیچنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے۔ غرض روپیہ پیشگی دینے والا ہر طرح سے اپنا فائدہ نکالتا ہے۔

(لاکھ سے کیا کیا نکلتا ہے)

اول اول لاکھ محض رنگ کیلیے جو اس سے نکلتا ہے جمع کیجاتی تھی۔ لاکھ مین تین خاص چیزین ہوتی ہین۔

۱۔ لاکھی رال۔ یہ درختون پر جمی ہوئی لاکھ کی سب سے اوپری پوسش ہے۔

۲۔ لاکھی موم۔ یہ لاکھ کے کیڑے کے اردگرد ہوتا ہے۔

۳۔ لاکھی رنگ۔ یہ کیڑے کے جسم کے اندر ہوتا ہے۔

یہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ لاکھ جو دیسی طریقہ پر بنائی جاتی ہے اسمین ایک یہی نقص ہوتا ہے کہ اسمین میل ہوتا ہے۔ یہ موم اور رال کی ملاوٹ ہے جسکے اوسط کا پتہ نہین ہوتا۔ چونکہ لاکھ مختلف کام مین آتی ہے اور مختلف کامونمین لاکھی موم اور رال کے مختلف اوسط کے میل کی ضرورت ہوتی ہے اسلیے یہ ضرور ہے کہ ہر قسم کی رال کی نسبت یہ تحقیق ہو کہ اسمین

کتنا کتنا میل کس قسم کا ہے۔ موم تو بالکل نکالا ہی نہین جاتا اور اگر رنگ نکالا جاتا ہے تو اسمین موم۔ خالص رال اور کیڑے کے جسم کے ذرے اور گرد کی ملاوٹ ہوتی ہے۔

لاکھ سے جو رنگ نکلتا ہے وہ کل لال رنگون سے زیادہ شوخ اور گہرا لال رنگ ہے یہ کہا جاتا ہے کہ ابتک ہندوستان کے بعض حصونمین یہ کام دیکھون اور ساریون کے رنگنے مین کام آتا ہے اور اسکو ولایتی سُرخ رنگ پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ فی الحال کل لاکھ کا رنگ جو نکلتا ہے پھینکدیا جاتا ہے۔ یہان پر اس بات پر توجہ دلانے کی ضرورت ہے کہ سائنس کے طریقون پر تحقیق ہوکر اسکی ترقی ہونا چاہیے کیونکہ اس سے لاکھ کی صنعت وتجارت کے فوائد بڑھ جائینگے اور ایک قدرتی رنگ اور سب سے بہتر سُرخ رنگ ہمارے کام آئیگا۔ یہ بات بتلانیکی چندان ضرورت نہین کہ قدرتی رنگون سے جسمانی اور دماغی فائدہ ہوتا ہے اور برخلاف اسکے مصنوعی رنگون سے نقصان ہوتا ہے۔ قدرتی رنگون کی خوشبو بھلی معلوم ہوتی ہے اور مصنوعی رنگون کی ناگوار۔ اسکے علاوہ جس عرق مین رنگ ہوتا ہے وہ کھاد کا عمدہ کام دیسکتا ہے اگر تازہ تازہ کھیتون مین چھوڑ دیا جاے کیونکہ اسمین نٹروجن ہوتی ہے جو زمین کی زرخیزی کا ایک عنصر ہے۔ لیکن اگر یہ خشک کرکے کھاد کے کام مین لایا جاے تو اتنا عمدہ کام نہین کرتا جیسا کہ تازہ کیونکہ خشک ہونے پر اسمین سے فاسفورس کے اجزا جو زرخیزی کا ایک دوسرا عنصر ہے غائب ہوجاتے ہین۔ مگر رنگ کی ان ناتمام تکمیون سے سہل طریقون سے مندرجۂ ذیل چیزین نکالنا ممکن ہے

۱۔ ایک قسم کی دوم درجہ کی وارنش۔

۲۔ موم جو مکھی کے موم کے مثل ہوتا ہے اور خوبی یہ کہ خواص اور قیمت مین بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔

۳۔ رنگ۔ یہ ریشم اور اون رنگنے کے بہت کام آسکتا ہے۔ اگر خالص بنایا جاے تو بہت کام کا ہے جیسا اوپر کہا گیا ہے ابھی تک یہ بالکل ضائع کردیا جاتا ہے۔ لاکھ کے تیار کرنے مین جو عرق بچتا ہے اسکو اگر تجربہ اور تحقیق سے باسھوں طریقون سے کام مین لایا جاے تو اوپر لکھی ہوئی تینون چیزین اس سے باسانی نکل سکتی ہین۔ امید کیجاتی

ہے کہ یہ کام اگر ہاتھ مین لیا جاے تو بہت ہی فائدہ مند ثابت ہوگا۔ اوپر کہین یہ ذکر کیا گیا ہے کہ خاص خاص چیزون کے بنانے مین لاکھ کے خاص مرکبون کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً

۱۔ ٹوپیون کے بنانے مین ایسی لاکھ کی ضرورت ہوتی ہے جسمین ایک خاص مناسبت سے رال اور گوند کا میل ہو تاکہ ضروری نرمی اور چمڑا پن لاکھ مین ہو۔

۲۔ گراموفون کے ریکارڈ تیار کرنے مین ایک قسم کی لاکھ کی ضرورت ہوتی ہے جو خواص مین مخصوص ہے

۳۔ لکڑی اور دھات پر پالش کیلیے لاکھ مین رال کا جز نہین ہونا چاہیے۔ اسکے واسطے خالص لاکھ کی وارنش کی ضرورت ہوتی ہے۔

۴۔ مہر کرنیکے لیے۔ کھلونے بنانے کیلیے اور آرٹ وغیرہ مین استعمال کیلیے ایک خاص قسم کے لاکھ کی ضرورت ہوتی ہے۔

۵۔ وارنش تیار کرنے کیلیے یہ بات بہت ضروری ہے کہ رنگ نہو۔ انگریزی طریقہ رنگ دور کرنے کا بلیچنگ پوڈر کے ذریعہ ہے (یہ پوڈر چونہ اور کلورین گیس کا مرکب ہے اور گرمی مین جلد خراب جاتا ہے) لیکن رنگ دور کرنے کا سب سے بہتر طریقہ جو ابھی تک معلوم ہے وہی ہے جو ہمارے دیسی کاریگر استعمال کرتے ہین یعنی لاکھ کو ہرتال اور گندھک کے ایک مرکب مین ملاکر گلاتے ہین۔

۶۔ وارنش کے علاوہ اور چیزونمین لاکھ کا رنگ کوئی حرج نہین کرتا۔ مسئلہ کی اہمیت صرف اسمین ہے کہ رال اور موم کا اوسط مقرر ہو اور جس کام کیلیے ہو اس کام کیلیے لاکھ اسی مقررہ اوسط سے ترکیب دیجاے۔

پس ظاہر ہوتا ہے کہ لاکھ کی صنعت وتجارت مین جس لائن پر ترقی ہونا چاہیے یہ ہو کہ لاکھ کے مختلف اسٹینڈرڈ یا درجے قایم کئے جائین جنکے مطابق لاکھ تیار ہوا کرے۔ اسکے لیے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔ پھر بھی اسکی مالی کامیابی اس بات پر منحصر ہوگی کہ شیلک کے نرخ کو نیام ہو۔ جیسا بتایا جا چکا ہے کہ فی الحال نرخ کو قیام اسوجہ سے نہین کہ اول تو اسکی پیداوار کے حالات نرخ کے قیام کے موافق نہین دویم تھوک فروش اسکا اسٹاک جمع کرکے اس سے

ناجائز منافع اُٹھانے کی فکر کرتے ہین۔ اگر سائنٹفک اصول پر کام کرنے سے پہلا سبب دور ہے تو دوسرے کے اسباب بھی مسدود ہو جائین گے اور ہندوستان کے ہاتھ مین ایک مفید چیز کا اجارہ رہے گا۔ اور چونکہ یہان الکوحل لامحدود تعداد مین تیار ہو سکتا ہے اسلیے اسکے متعلق صنعتون کو ہندوستان اپنے یہان جاری کر سکے گا۔ اور اگر باشندگان ملک ملکی اور غیر ملکی مال مین تفریق اور تشخیص کر سکین تو ہندوستان مین اس ضروری چیز کا اجارہ اور اس سے غیر معمولی منافع ہمیشہ قائم رہ سکتا ہے۔ اس غیر معمولی منافع کو حاصل کرنیکے لیے کچھ محنت و جانفشانی اور تحقیق اور تجسس کی ضرورت ہے اور اسکے لیے روپیہ درکار ہے۔ سرکاری کونسلون مین تجویز ہے کہ لاکھ کی برآمد پر محصول لگا کر اسکا محصول لاکھ کی انجمن کو جو ملک مین قائم ہے دیدیا جاے تاکہ یہ روپیہ اسی طرح لاکھ کی ترقی مین لگایا جاے جسطرح چاے کی برآمد پر جو محصول ہے وہ چاے کی انجمن کے ذریعہ چاے کی ترقی مین لگایا جاتا ہے امید ہے کہ اس ترکیب سے یہ منصوبہ پورا ہوگا۔

اقبال بہادر سکسینہ

مہامہوپادھیاؤ ڈاکٹر ستیش چندر ودیابھوشن پرنسپل سنسکرت کالج کلکتہ نے پچھلے سال کے اورینٹل کانفرنس کے سامنے ایک مضمون پڑھا جسمین اُنھون نے یہ دکھانے کی کوشش کی کہ ملک الشعرا کالیداس نے لنکا کے جنوب مین بمقام تھالدا واقع دریائے کیرندی اور بحر ہند کے جاے اتصال پر ۵۶۴ء مین وفات پائی، لنکا کا راجہ کمار داس کالیداس کی تصنیف جانکی ہرن کاویہ پر ہزار جان سے فدا تھا۔ اپنے دوستانہ تعلقات اور احسانمندی کے اظہار مین ملک الشعرا کالیداس کے ساتھ اسی چتا مین جل مرا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ اور کالیداس ایک خاص زبان مین آپس مین مشاعرہ کیا کرتے تھے۔ اس زبان کو ہندوستان کے مختلف صوبون کے لوگ اور اہل لنکا دونون اپنے ساتھ منسوب کرتے ہین۔

میرابائی

(۱)

سرزمین راجپوتانہ کا چپہ چپہ تاریخ عالم کا ایک ورق ہے جسمین شجاعت اور دلیری کی بہترین یادگارین موجود ہین خصوصاً چتور کا نامور قلعہ اور اسکی شاندار عمارتین آج تک زمانۂ ماضیہ کے حسن، غنائی، شجاعت و مردانگی حلم و بردباری کے غیر فانی مجسمون سے معمور ہین۔ یہی وہ قلعہ تھا جسکو اکبر اعظم کی شمشیر خارا شگاف فتح نہ کر سکی۔ یہی وہ گڑھی تھی جسنے پہاڑونمین روپوش ہوکر ایک عرصۂ دراز تک اپنی خودمختاری اور آزادی قرار رکھی، اسی ریاست کے سورما بہادرون نے آزادی کی خاطر جو انسان کا پیدائشی حق ہے سیکڑون بار سرکٹ ہوکر میدان جدال و قتال مین داد شجاعت دی اور علم خودمختاری کو سرنگون نہونے دیا۔ یہی وہ سرزمین حسن ہے جس کی پری تمثال ملکہ پدمنی نے شاہنشاہ علاء الدین خلجی کو ایک زمانہ تک مضطرب و بیچین رکھا، اور بالآخر قربانگہ وفا پر بھینٹ چڑھ گئی۔ یہی وہ مقدس اور مردم خیز خطہ ہے جسمین میرابائی جیسی نامور خاتون پیدا ہوئی، جو حسن و دلآویزی مین لاثانی تھی اور جسکے جمال و غنائی نے اہل چتور کے قلوب کو مسخر کر لیا تھا۔

میرابائی کا نام نامی آجتک زبان زد خلائق ہے، چرواہے دوپہر کو درختون کے سایہ مین بیٹھ کر آج بھی اسکے گیت گاتے ہین، پجاری کرشن جی کے روبرو دونو ہوکر آج بھی اسی کی بھجن الاپتے ہین۔ بڑے بڑے کلاونت جب دھرپد مین نغمہ سرائی کرتے ہین، اور بزم نشاط مین اپنی صدائے نغمہ پرور سے سامعین کو محو و بیخود بناتے ہین تو میرابائی کے داستان رنگین سے فضائے آسمانی گونج اٹھتی ہے۔ وہ میرابائی جسکی پاک روح صدق و صفا کا جوہر تھی، جو ہند کی ایک نامور شاعرہ اور ادیب تھی جو کرشن جی کے بھگتی مین سرتاپا غرق ہو چکی تھی۔

(۲)

چیت کا مہینہ ہے اور پورنماشی کا دن ہے سے مہاراجہ چتور کا نامور اور مقبول صورت راج کمار جسونت سنگھ اپنے محل کے بالائی منزل پر جلوہ افروز ہے، اور اسکی ناز آفرین اور خوبصورت رانی بھی اسکے پہلو مین رونق افروز ہے فطرت کی فیاضی نے دونون کو فنون لطیفہ مین یکتائے روزگار بنایا تھا، دونون شاعر تھے اور موسیقی کے ماہر، جسونت سنگھ اپنی شاعرانہ نازکخیالی اور شیوا بیانی مین مصروف رہا، لیکن میرابائی نے اپنا طنبورہ ہاتھ مین لے لیا اور گھنٹون اپنی لحن داؤدی کا کرشمہ دکھاتی رہی، تمام کائنات پر چاندنی چھٹک رہی تھی، ماہتاب کی کرنین بڑے اسکے گلابی رخسارون پر نظر جمائے ہوے تھا اور ہوا اسکی زلفون سے اٹکھیلیان کر رہی تھی۔ آخر جب اس حسینہ کی نزاکت مزید نغمہ سرائی کی تاب نہ لاسکی تو اسنے اپنا طنبورہ رکھدیا اور راجکمار کے آغوش الفت مین سر رکھ کے بیہوش ہوگئی۔ آہ

نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتین اسکی ہین
اسکی زلفین جسکے بازو پر پریشان ہوگئین

امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ دونون کے شاعرانہ انداز بیان مین نمایان فرق ہوگیا جسونت کے کلام مین دماغی اور نفس پرستی جھلکنے لگی اور روز بروز اسکا مطمح نظر پست ہونے لگا یہان تک کہ تخت نصیب ہونے تک اسکی شاعری بالکل ختم ہوگئی۔ اسکے برخلاف میرابائی کے کلام مین تصوف اور روحانیت کا رنگ گہرا ہوگیا اور اسکا طائر خیال اُن منازل تک پرواز کرنے لگا جہان انسانی فکر کی رسائی محال ہے۔ سری کرشن کی بھگتی نے اسکے دل پر قبضہ کرلیا اسنے بہت جلد محسوس کرلیا کہ کوئی فرد بھی اسوقت تک سچی خوشی حاصل نہین کرسکتا جب تک کہ یہ چشمۂ محبت کا متلاشی نہو۔

مذہبی جوش حقیقی عشق اور صفائی قلب نے اسکو دنیاوی مکروہات سے آزاد کردیا، وہ خانگی فرائض، دنیوی افکار اور ظاہری آرائش سے بھی بے نیاز ہوگئی۔ صبح کے وقت وہ گھنٹون اپنی سہیلیون کے ہمراہ محل کے حسین باغ کے کنجون مین بھجن گاتی اور گوبندجی کے مقدس دربار مین اپنی بلورین پیشانی فرط محبت سے رگڑتی، اسکی شاعرانہ سحر طرازی کا ڈنکا

ایک عالم مین بج چکا تھا، موسیقی کے ساتھ ساتھ اسکی آواز مین بھی وہ سوز وگداز پیدا ہوگیا تھا کہ سننے والے از خود رفتہ ہوجاتے تھے اور وہ خود بھی گاتے گاتے بیہوش ہوجاتی تھی۔

آخر یہ مقدس مستی کب تک چتور کے قلعہ مین مقید رہ سکتی تھی جس سینے مین عشق کی آگ دہک چکی ہو اُسے کوئی چیز بھی ٹھنڈا نہین کرسکتی، چنانچہ وہ سری کرشن کے آستانۂ اقدس پر پہونچگئی جہان وہ اپنے بھگتی مین ڈوبے ہوئے۔ اگ گاتی اور بیہوش ہوجاتی، پتھر اُسکے نغمے سنتے اور پگھل جاتے، ندی اُسکے بھجن سے متاثر ہوکر اپنی روانی بند کردیتی، طیور اس کی جادو بیانی سنکر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے اور ایک دنیا اُسکی نغمہ سرائی سے نشۂ بیخودی مین سرشار و مدہوش ہوجاتی۔

(۳)

میرابائی کی شہرت شدہ شدہ اکبر فرمانروائے دہلی تک پہونچی، وہ خود بھی شاعر تھا چنانچہ اُسنے اُس مظہر حقیقت کے نغمے سُننے کا مصمم ارادہ کرلیا، تان سین کے ہمراہ ایک بیہاتی پجاری کے لباس مین تن تنہا اسکی طرف چل کھڑا ہوا، اور چند روز بعد اُس مندر مین پہونچا جو میرابائی کی جادو نظری اور لحن داؤدی کی وجہ سے ایک محشرستان تمنا تھا، اُسنے اُس حسن کی دیوی کی زیارت کی، اُسکے بھجن سُنے، اور فرط نیاز سے اُسکے قدمون پر گر پڑا، حصول نجات کی تدبیر دریافت کی اور ایک مالا پیش کرکے بولا۔

"مقدس دیوی اپنے معشوق حقیقی کے واسطے یہ حقیر نذر قبول کر"

میرابائی نے مالا دیکھا۔ اکبر پر نظر ڈالی، اور کہنے لگی۔

آپ تو دیہاتی فقیر معلوم ہوتے ہین۔ ایسی نایاب چیز آپکو کہان سے ملی؟

اکبر نے جواب دیا کہ جمنا جی مین اشنان کرتے ہوئے مجھے یہ مالا ملا ہے"

میرابائی نے شکریہ ادا کیا، اور دونون جاتری دہلی واپس آگئے۔

مالا نہایت قیمتی اور نفیس تھا، سیکڑون آدمی کرشن جی کی مورت پر اس جواہرات کے کی دیدہ زیبی دیکھنے دور دور سے آنے لگے، حتی کہ جسونت کو بھی اسکی خبر ہوئی، جاسوسون سے

معلوم ہوگیا کہ یہ مالا اکبر کے خزانۂ عامرہ مین تھا، اور شاہان مغلیہ اسکو بہت عزیز رکھتے تھے دونون جانبون کا سراغ لگانیکے بعد مہاراجہ جسونت سنگھ کو یقین ہوگیا کہ اکبر اعظم نے میرابائی کو بے حجاب دیکھ لیا ہے وہ سمجھا کہ میرا نے میواڑ کے عالی خاندان پر کلنگ کا ٹیکہ لگایا، چنانچہ فوراً اُسکے قتل کا حکم جاری کردیا لیکن کوئی جلاد تعمیل حکم پر آمادہ نہوا اور ریاست کے تمام افسر بھی عذرخواہ ہوے - آخر الامر رانی کے پاس حکم بھیجا گیا کہ تم اپنی جان سے دست بردار ہوجاؤ -

میرابائی پوجاپاٹ سے واپس ہورہی تھی، اُسنے اس حکمنامہ کو پڑھکر قاصد سے دریافت کیا، کہ

"کیا مین آخری مرتبہ اپنے آقا کا درشن کرسکتی ہون؟" قاصد نے جوابدیا کہ مہاراجہ تمکو اسکی اجازت نہ دینگے، اور ہندو دھرم مین عورت کیلیے اپنے شوہر کا حکم ماننا ضروری ہے

(۴)

رات کے بارہ بج چکے ہین، تمام دنیا ہو کا عالم بنی ہوئی ہے - فضاے عالم محوخواب ہے آسمان وزمین بھی سورہے ہین، دریا کی موجین بھی آغوش سکون مین ہین، ہر طرف ایک سناٹا چھایا ہوا ہے، ایک حسینہ لب دریا کھڑی ہے اور دبی آواز سے کچھ گارہی ہے جس سے ہوا مین رہ رہ کے خفیف سا تموج پیدا ہوتا رہتا ہے - اُسنے "سری کرشن" کا نام باآواز بلند لیا اور "آقا تیرا حکم مانتی ہون" کہکر تاریک موجون مین کود پڑی، ایک ہولناک آواز نے ہوا مین حرکت پیدا کردی اور بس،

یہ وہی دُنیا کی قابل رشک عورت میرابائی تھی جسکی پاک مذہبی جوش نے اسکو بے چون وچرا اپنے شوہر کا حکم ماننے پر مجبور کردیا - مغربی تہذیب وتمدن کی کوئی تاریخ اس وفاشعاری اور اطاعت پسندی کی مثال نہین پیش کرسکتی - یورپ وامریکہ بیشک دولت وصنعت کے سرچشمے ہین لیکن مادر ہند کی وفاشعار لڑکیان شوہر پرستی اور اطاعت گزاری مین ضرب المثل ہین، اسی سرزمین مین بڑی بڑی باوقار مستورات نے اپنے شوہر کی وفات پر عین عالم شباب مین اپنی شمع حیات کو بالقصد گل کردیا ہے، اور انتہائی دلیری وشجاعت کی داد دیکر دنیا کو

بتادیا ہے کہ ہند کی دیویان وفاداری مین اپنا جواب نہین رکھتین۔

میرابائی کو دریا مین کودتے ہی ایک حسین، درخشان سفید پوش فرشتہ نظر پڑا جس نے اسکو تعظیماً گود مین اٹھالیا اور محبت سے کہا۔

"میرا! تو نے اپنے آقا کا کہنا مانا، اور اپنے آپ کو ہلاکت مین ڈالا، لیکن ابھی تجھکو ایک اہم فرض انجام دینا ہے اٹھ کھڑی ہو، جا، اور دنیا کو عشق حقیقی کا سبق دے۔

میرا نے آنکھ کھولی تو دن تھا، وہ ساحل دریا پر پڑی تھی، آفتاب کی نیر کرنین اس پر پڑ رہی تھین، وہ اٹھی اور آہستہ آہستہ چل کھڑی ہوئی۔ سر راہ اسکو چند چرواہے ملے اسنے پوچھا۔

"بھائیو! بندرابن کا راستہ کونسا ہے"

راستے مین اسنے اپنے دلی جوش کو پردۂ موسیقی مین ظاہر کرنا شروع کیا اور اپنے شیرین نغمون سے راہ مین آنیوالے دیہاتیون کو محبت وعشق سے لبریز کرتی چلی۔ مردون نے اپنے کام چھوڑ دیے، عورتون نے اپنی دلچسپیون کو خیرباد کہا، بچون نے ماں باپ سے رخصت طلب کی اور اس نغمہ آفرین جوگن کے ہمراہ سرگرم سفر ہوے، حتی کہ عشق الٰہی کا یہ متوالا قافلہ بڑے سوز وگداز کے ساتھ بندرابن مین پہونچ گیا۔

یہ مسرت آمیز خبر فوراً کل ملک مین پھیل گئی، چتور کی آبادی کا ایک حصہ بھی اس کی پرستش کے واسطے بندرابن پہونچا، اب وہ ایک طاقتور دیوی اختیار مہارانی کے بجاے ایک جوگن تھی جسکی پوشاک بوسیدہ جسکی زلفین پریشان اور جسکے ہاتھ مین کشکول محبت تھا، لیکن اب وہ سلطنت عشق کی تنہا ملکہ تھی جو چتور کی ریاست سے وسیع تر ہے اور جسکے بغیر نجات دارین حاصل کرنا ناممکن ہے۔

زمانہ گزر گیا، میرابائی کے عقیدت کیش وپیچے پرستار جوق جوق ملک کے ہر گوشہ سے بندرابن پہونچتے، اور جام محبت پی کر سرشار واپس ہوتے، وہ ملکۂ حسن جو کسی زمانہ مین بہزار ناز دعشوہ گری چتور کے حریم نازنین ایک گل نوشگفتہ کی طرح کھلی تھی آج سقف آسمانی کے نیچے درختون کے سایہ مین بندرابن کی سخت چٹانون پر سادہ لباس

مین دست مشاطہ سے مستغنی، کنیزون اور سہیلیون سے جدا۔ سری کرشن جی کے سایۂ عاطفت مین سبیل عشق سے طالبان خدا کو شراب معرفت پلا رہی ہے۔ وہ میرا بائی جو جسونت سنگھ کی آغوش محبت مین اپنی راتین گذارتی تھی،، اور جو کل ریاست چتور کی یہ ناز محبوبہ تھی آج سنسان جنگل مین ایک پجاری کے لباس مین مصروف نماز عشق ہے، اہل دنیا کے قلوب پر اسکی حکومت کا نقش جما ہوا ہے ہمالیہ پربت سے لیکر بندھیاچل تک ادھر گنگا جی سے لیکر سندھ تک لوگون کے دلون مین اُسکے پوتر بھجنون کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ مندر کی سیڑھیون پر یہ خاتون خاموش بیٹھی ہوئی کچھ بچار کر رہی ہے۔ یہ اڑ کا مغرور اور زبردست مہاراجہ تبدیل لباس کیے ہوئے اُسکے روبرو آتا ہے اور فرط محبت سے اُسکے قدمون پر گر کر زار زار رونے لگتا ہے، مہارانا نے بھرائی ہوئی آواز مین کہا۔

"مین بھکاری ہون، مجھے بھیک دے"

میرا نے جواب دیا "کہ مین خود جوگن ہون، تو کسی امیر کے پاس جا"

مہارانا بولا "مجھے تو تو ہی بھیک دے سکتی ہے"

"مین کیا دے سکتی ہون"

"عفو، معافی، رحم"

"ہائے رانا" یہ کہکر وہ اُسکے آغوش محبت مین گر پڑی اور بیہوش ہوگئی۔

ماخوذ از انگریزی

تماشائی بریلوی

مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی حضرت اکبر الہ آبادی کے سوانح عمری مرتب کرنے کا اعلان فرما چکے ہین۔ اور پانی پت مین بھی کوئی صاحب اسی قسم کی سعی فرما رہے ہین۔

منشی سکھیال سکسینہ ریش

ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

بس دیکھ لی تری یہ فسوں سازیٔ حیات
لائی تھی کس فریب سے دنیا میں کھینچکر (ریش)

انسان کو ضعیف البنیان کہتے ہیں۔ زندگی کو حباب سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اس دار فانی کے قیام کو حیات عارضی، زیست چند روزۂ ہستی موہوم کے نام سے پکارتے ہیں، عمر کی بے ثباتی اور بے اعتباری زبان زد عام ہے لیکن خدا وہ برا وقت دشمن کو بھی نہ دکھلائے جب موت ان مختصر جملوں کی مہیب اور حسرتناک واقعیت کی مجسم تصویر پردہ جوانمرگی میں انسان کو جبراً دکھاتی ہے۔ قسام ازل نے ۱۶۔ اگست ۱۹۲۱ء کا دن ہلوگون کے لیے بھی ایسا ہی بنا دیا تھا۔ اس روز قضا و قدر کی دراز دستی نے والدین سے جوان العمر۔ لائق و فائق لخت جگر کو، مجھ سے میرے چھوٹے عزیز بھائی کو، اور خاندان سے ایک ایسے ممبر کو جسکی ذات پر سب کو ناز و فخر تھا، ہمیشہ کے لیے چھین لیا۔ ۸۔ جون کو مرحوم ریاست ادھار سے جہاں وہ سشن جج تھے بیس روز کی رخصت لیکر اس خیال سے بھوپال آئے تھے کہ بوجہ کثرت کار کچھ روز سے طبیعت مضمحل رہتی ہے اور مکان پر چند روز سکون اور آرام کے ساتھ قیام کرنے سے اسکی اصلاح ہو جائیگی لیکن مشیت ایزدی یہ تھی کہ اس مرتبہ یہاں آکر پھر ان کو واپس جانا نصیب نہ ہوا۔ اور گھر والوں کو بھی انکی مفارقت دائمی کا صدمۂ جانکاہ برداشت کرنا پڑا۔ ۱۰ جون سے مرحوم کو بخار آنے لگا جو آخر وقت تک روزمرہ آتا رہا۔ اسی اثنا میں مرض بواسیر نے بھی زور پکڑا جسکی شکایت مرحوم کو سال ڈیڑھ سال سے ہو گئی تھی۔ انھیں عوارض میں مرحوم نے ۱۶۔ اگست کو صبح آٹھ بجے اس دنیائے فانی کو خیرباد کہا۔ مرحوم کا ایک شعر اس اندوہناک اور پُرحسرت واقعہ کا کیسا سچا مرقع ہے۔

آئے تھے ترے کوچہ مین بچنے کو مرگ سے
یان آکے جو دیکھا تو اجل ڈھونڈھ رہی ہے

اُستاد ازل نے مرحوم کی زبان سے یہ شعر نہین کہلایا بلکہ ایک پیش آنیوالے واقعہ کو بارہ پندرہ سال پیشتر ہی قلمبند کرادیا۔

عزیز مرحوم دسمبر ۱۸۸۸ء مین پیدا ہوے تھے ابتدائی تعلیم دو ڈھائی سال تک والد صاحب مدظلہ نے خود دی۔ اسکے بعد وہ مدرسہ مین داخل ہوے اور برابر کامیاب ہوتے رہے۔ ۲۳ سال کی عمر مین ایم اے اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کرکے فارغ التحصیل ہوگئے۔ خاندان مین یہ پہلے شخص تھے جنکو یہ فضیلت علمی حاصل ہوئی۔ تیزی طبع اور ذہانت عالم طفولیت ہی سے نمایان تھی۔ بڑے ہوکر خیالات کی بلندی اور نگاہ کی وسعت نے قوت فہم و ادراک کو اور بھی تیز کردیا تھا اسکے ساتھ تندرستی۔ روشن دماغی۔ تحمل۔ مستقل مزاجی یکسوئی بھی مرحوم کے پاک سرشت مین داخل تھی اور مبدا فیاض سے یہ صفات خاص طور پر انکو عطا ہوئی تھین جنسے نہ صرف حصول تعلیم مین وہ ہمیشہ فائز المرام رہے بلکہ جس مشغلہ اور کام مین انھون نے ہاتھ ڈالا بہت جلد اُسمین بلا کسی کی امداد کے کافی دسترس اور خاص قابلیت پیدا کرلی۔ شاعری کا مادہ فطرت ہی کا عطیہ تھا فوٹوگرافی بلا کسی کی امداد کے خود ہی سیکھ لی اور ڈرائنگ اور خوشخطی مین کافی مہارت حاصل کرلی تھی غرض مرحوم علوم متداولہ کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔

مرحوم کی حیات چند روزہ مین ۱۹۰۴ء سے ۱۹۰۹ء تک کا زمانہ خاص طور پر قابل ذکر ہے زیادہ تر یہی وقت انکے دل و دماغ کی نشو ونما اور ترقی کا تھا۔ ایک طرف طالبعلمی کے مراحل بکامیابی طے ہو رہے تھے دوسری طرف دیگر مشاغل علمی بھی ترقی پا رہے تھے اُردو فارسی شعرا کا کلام اُنھون نے اسی زمانہ مین دیکھا۔ انگریزی علم ادب کی صدہا کتابین پڑھ ڈالین شیکسپیر اور ملٹن کی تصانیف کا مطالعہ انٹرینس اور ایف اے کی تعلیم کے ساتھ فرصت کیوقت روزانہ کرتے رہے۔ ان تصانیف کو اس توجہ سے اُنھون نے پڑھا ہے کہ اکثر جگہ تو اردو خیالات دکھلانے کی غرض سے اُردو فارسی مضمونون کے اشعار لکھ دیے گئے ہین۔ اسی انہماک

دماغی مین شعر گوئی کا شوق بھی داخل تھا یون تو مرحوم کی فکر رسا بچپن ہی سے فن شعر کی دلدادہ تھی لیکن اس پانچ چھ سال کے عرصہ مین شاعرانہ رنگ اُنکی طبیعت پر خوب غالب آگیا اور اُنگریزی فارسی اُردو تینون زبانون مین اپنے خیالات نظم کرنے لگے ۱۹۰۹ء کے بعد ۱۹۱۳ء تک شاعری کا وہ زور شور نہ رہا اس زمانہ کا کلام بھی ہے مگر بہت کم "گلایا ہوا پھول" نامی نظم جو رسالہ ادیب کی جلد ۱ مین نکل چکی ہے ۱۹۱۱ء مین مرتب ہوئی تھی۔ مولانا شوق قدوائی کی مشہور نظم "عالم خیال کے چار رخ" اُن دنون مختلف رسالہ جات مین شایع ہوکر مرحوم کی اور میری نظر سے گذری تھی۔ مجھے یہ انداز بیان اور وزن خاص طور پر پسند آیا تھا چنانچہ مین نے مرحوم سے اس طرز پر لکھنے کو کہا اور اُنھون نے نظم مذکورہ لکھکر بسرت میری فرمایش پوری کی۔ بی۔ اے۔ مین فلسفہ لینے کی وجہ سے فلسفیانہ مضامین کے مطالعہ اور آپس بحث ومباحثہ مین وہ خاص دلچسپی کا اظہار کرنے لگے تھے۔ جن دنون والد بزرگوار ریاست جاورہ مین اکونمنٹ جنرل تھے آخر اصحاب مذاق علمی رکھنے والے غریب خانہ پر مہمان ہوتے تھے اُسوقت پنڈت صاحبان سے روح اور آتما پر فلسفیانہ بحثین اور فن سخن کے دلدادگان سے شاعرانہ چرچے رہتے تھے اور ان مباحثون مین مرحوم کا خاص حصہ ہوتا تھا۔ ۱۹۱۳ء سے اسطرف مشاغل علمی کا جوش بہت ٹھنڈا پڑگیا تھا۔ تفکرات دنیوی۔ ملازمت کی ذمہ داری۔ ادائے فرض کا احساس اور نقص صحت اِن باتون نے طبیعت سے وہ ذوق وشوق۔ خنگفتگی اور خوش فکری چھین لی تھی جو شاعری اور مذاق علمی قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ لیکن اُنگریزی علم ادب اور فارسی کی کتب جنکا اُنکو ابتدا سے شوق تھا اب بھی کبھی کبھی بوقت فرصت زیر مطالعہ رہا کرتی تھین۔

اُردو فارسی مین مرحوم نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ اُنگریزی مین بھی اُنھون نے نظمین لکھی ہین اگرچہ مرحوم نے کسی اُستاد سے باقاعدہ اصلاح نہ لی اور ممکن ہے کہ کلام مین لغزشین بھی موجود ہون لیکن وہ اپنی جولانی طبع اور ذہن رسا کے باعث کسی زمین مین کسی وزن پر شعر کہنے مین کبھی رُکتے نہ تھے۔ زمانہ تعلیم اور ملازمت مین جب کبھی وہ گھبراتے رات کو کھانا کھانیکے بعد شعر وسخن کا چرچا رہتا۔ بعض اوقات اُنکی طبیعت اسقدر

موزون ہوتی تھی کہ شعر پر شعر کہتے جاتے تھے۔ کبھی کبھی ہندی کے بھجن۔ سورٹھا اور کُنڈلیا کہتے تھے جنمین اکثر فلسفیانہ نکات کی چاشنی ہوا کرتی تھی۔ افسوس یہ کلام کبھی لکھا نہین گیا اُسوقت یہ تمام باتین صرف وقت کی خوش گذرانی کا ذریعہ تھین۔

مرحوم نے ابتداءً اپنا تخلص طالب رکھا پھر حزین لکھنے لگے۔ بالآخر رئیس تخلص اختیار کیا اور اپنے آپ کو اکثر "رئیس درویش" لکھا کرتے تھے۔

مرحوم کا جسقدر کلام اُردو فارسی کا موجود ہے وہ زیادہ تر غزلیات پر مشتمل ہے لیکن اُسمین متعدد نظمین از قسم قصیدہ۔ مثنوی۔ رُباعیات۔ قطعات وغیرہ بھی ہین۔ اُردو مین میر اور غالب کا کلام خاص طور پر اُنھین پسند تھا۔ فارسی مین امیر خسروؒ کے زیادہ دلدادہ تھے چنانچہ مرحوم کی شاعری مین انھین اصحاب کا رنگ غالب ہے۔ زندگی کی بے اعتباری پر بھی متعدد اشعار موجود ہین جس سے قیاس ہوتا ہے کہ اُنکی طبیعت اس ناوقت انجام کا اثر مدت سے قبول کیے ہوئے تھی۔ شیکسپیر کی نظم "ومینس ایڈوِنس" کو مرحوم نے مثنوی کا جامہ پہنانا چاہا تھا۔ مگر یہ کام ناتمام رہا دیگر انگریزی نظمون کے ترجمے کا بھی یہی حال ہے۔ ان باتون سے اس امر کا تو اندازہ ہوتا ہے کہ مرحوم کو شاعری کی نگاہ اور طبیعت فطرت ہی سے ملی تھی اور شاعرانہ تخیلات وجذبات کے لیے اُنکا دل ودماغ کسی بیرونی تحریک یا کشش کا محتاج نہ تھا لیکن بڑا قلق یہ ہے کہ موت نے اُنکی عمر کا قبل از وقت خاتمہ کر دیا اور اُنکو اسقدر مہلت نہ دی کہ اس عطیۂ قدرت سے کوئی قابل قدر ادبی خدمت ملک وزبان کی بجا لاتے جسکی اُنسے پوری توقع تھی۔ مرحوم کا قصد اُردو مین "اصول قانون" پر ایک کتاب لکھنے کا تھا وہ بھی پورا نہو سکا۔ جین آسٹن کے مشہور ناول "پرائڈ اینڈ پریجوڈس" کا اُردو ترجمہ شروع کیا گیا تھا مگر وہ بھی نامکمل رہا۔ افسوس! مرگ بے ہنگام نے اُنکی بہت سی نیک کوششین اور خواہشین پوری نہ ہونے دین۔

فارغ التحصیل ہوکر مرحوم نے کچھ دنون وکالت کی لیکن طبیعت اس پیشہ کی ابتدائی زحمتین اور جھوٹے سچے جدوجہد کی تاب نہ لاسکی لہذا ترک وکالت کرکے وہ ملازمت مین داخل ہوئے۔ قریباً پانچ سال تک ریاست عالیہ راجپورہ مین جج رہے اور اسکے بعد نومبر ۱۹۰۳ء

سے ریاست دھار مین سشن جج ہوگئے اور آخر وقت تک اسی عہدہ پر مامور تھے یہ عہدہ اور کام اُنھین طبعاً بہت پسند تھا۔ جرأت دلچسپی اور توجہ کے ساتھ اسکو انجام دیتے تھے اور عدل و انصاف کے ساتھ مقدمات کا فیصلہ کرنیکے بعد اُنکی طبیعت بڑی بشاش ہوتی تھی۔ فریقین کی جانب سے مقدمہ مین بحث و تردید کو نہایت صبر کے ساتھ سُنتے اور لکھتے رہتے جو جتنا کہنا چاہتا اُسکو اتنا موقعہ دیتے اور ضروری امور کا انکشاف اگر فریقین بھول جاتے تو خود کراتے تاکہ انصاف کرنے مین کوئی دقیقہ باقی نہ رہ جائے۔ دفتر کا تمام وقت اسی کام کے نذر ہوجاتا تھا اسوجہ سے فیصلے وہ بالعموم مکان پر پورے اطمینان کے ساتھ لکھتے تھے۔ ادائے فرض اور انصاف کا خیال اُنپر اتنا حاوی تھا کہ وہ اپنی تندرستی کی بھی پروا نہ کرتے تھے اور جسمانی تکلیف بھی اس کام مین مصروف ہوجانے سے باز نہ رکھ سکتی تھی اکثر دیکھا گیا کہ ۱۰۰ یا ۱۰۱ درجہ کا بخار ہے اور وہ فرش پر دوزانو بیٹھے ہوئے فیصلہ لکھ رہے ہین۔ سرکار والی راجپور ازراہ کرم اکثر کلب مین آنے اور کھیلنے کی تاکید فرماتے لیکن مرحوم کی جانب سے ہمیشہ کثرت کار کا عذر پیش ہوتا۔ اُنکا خیال اور عمل یہ تھا کہ کام اس قابلیت اور ایمانداری کے ساتھ انجام دینا چاہیے کہ حق کی داد رسی بطرز احسن ہوجائے۔ دھار مین بھی یہی طریق کار رہا، گو اس طرز عمل کے اعتدال سے تجاوز کرجانے کا اثر خود اُنپر یہ پڑا کہ انکی تندرستی خراب ہوگئی لیکن جس خیال سے یہ نوبت پہونچی تھی اُسمین اُنکو کامیابی ہوئی دونون جگہ حکام بالاتر اُنسے خوش اور مطمئن رہے اور رعایا مین توقع سے زیادہ ہردلعزیز ہوے۔ اور ایسی ہی خدمت بجا لانا اُنکی تمنا تھی۔ علی راجپور سے اُنکے قطع تعلق کرلینے کا وہان کے لوگون کو بڑا افسوس رہا۔ اُنکی اُنس و محبت کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہوتا ہے کہ علی راجپور کا جب کوئی شخص دھار جاتا تو اُنسے ضرور ملتا۔ ریاستون مین رشوت کا بازار اکثر گرم رہتا ہے، لیکن بعض افسر اس قاعدۂ کلیہ سے مستثنےٰ ہین۔ مرحوم کی احتیاط اس معاملہ مین انتہائی درجہ پر پہونچی ہوئی تھی۔ رشوت کا کیا ذکر کسی کی ڈالی یا تحفہ بھی کبھی قبول نہ کرتے تھے۔ مرحوم کا یہ بے لوث چلن اور منصفانہ روش اور اسکے ساتھ ادائے فرائض کی پوری اہلیت ہی اُنکی کامیابی کا راز تھی

اور انھین باتون نے انکو اپنے آقا اور خلق خدا کے سامنے ہمیشہ سرخرو رکھا اور کبھی کسی کو انکے طرز عمل پر حرف گیری یا انگشت نمائی کا موقع نہ ملا۔

اگرچہ مرحوم زمانۂ حال کے تعلیمیافتہ نوجوانون مین سے تھے لیکن انکا طرز معاش بالکل ہندوستانی طریق کا اور سادہ تھا۔ شارٹ اور کوٹ اور پتلون انھون نے کبھی نہین پہنا۔ پان اور سگرٹ کا اگرچہ کثرت استعمال کرتے تھے لیکن اوقات دفتر مین اُنسے قطعی پرہیز رہتا۔ راستبازی اور ظاہر و باطن کا ایک ہونا انکی طبیعت کا خاصہ تھا اور اسوجہ سے وہ صاف گو بھی تھے جس بات کو وہ خود حق سمجھتے خواہ کسی کو کتنا ہی بُرا معلوم ہوتا اُسے بے باک ہوکر کہدیتے۔ توکّل اور استغنا بھی مزاج مین بیحد تھا۔ ملازمت کے ملنے اور ملنے پر اُسکے قائم رکھنے اور آیندہ ترقی کے لیے ریاستون مین بالخصوص جو جدوجہد کرنا پڑتی ہے اُسمین انھون نے کبھی حصہ نہین لیا اور نہ کسی کی خوشامد اور چاپلوسی کی۔ بزرگون اور احباب کی ملاقات مین ادب و اخلاق کا ہمیشہ پاس رکھتے تھے۔ ذاتی شہرت اور ناموری سے وہ بہت دور بھاگتے تھے یہی سبب ہے کہ انھون نے کبھی اپنا کلام یا کوئی مضمون کسی رسالہ کو چھپنے کی غرض سے نہین بھیجا۔ ادیب کو جو انڈین پریس الہ آباد سے نکلتا تھا ایک نظم "کمال حسن" اور دوسری "کملایا ہوا پھول" میرے سخت اصرار پر ارسال کی تھین۔

مرحوم سناتن دھرم اور ویدانتی خیالات کے تھے اور اپنی آزاد خیالی بلند نظری اور خوش اعتقادی کے باعث ہر قوم اور ملت کے بہمایان دین کی توقیر و عزت کرتے تھے زمانہ عدالت مین اگرچہ بخار کے تسلسل اور بواسیر نے جسم کو لاغر و نحیف کر دیا تھا لیکن اپنے آچار و وچار کا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ صبر و برداشت کی یہ حالت تھی کہ نشست و برخاست مین مُنھ سے اُف نہ نکالتے تھے نہ کسی کی امداد کے طالب ہوتے تھے۔ ایام بیماری مین یہ شعر اکثر اُنکے ورد زبان رہتا تھا۔ ؎

گر ہمہ عالم بہم آید بجنگ ۔۔۔ بہ نہ شود پاے یکے مور لنگ

اس سے عیان ہے کہ قدرت کبریائی کا مرحوم کے دل پر آخری ایام مین کتنا اثر تھا اور وہ کس درجہ راضی بہ رضا تھے۔ مرنے سے چند گھنٹے پیشتر مرحوم نے دنیا کی بے ثباتی پر جو

اظہار خیال کیا وہ کبھی فراموش نہین ہو سکتا - مرحوم کو دم واپسین تک ہوش رہا انکے آخری الفاظ "اوم تت ست" تھے اور اسکے بعد وہ پرم پوتر تما جو قید جسمانی سے بیزار وطالب نجات، تھی اپنی ملک بقا ہوئی۔

کل تک مرحوم گھر کی روح روان بنے ہوے تھے صدہا امیدین انکی ذات سے وابستہ تھین - خود انکے دل مین آیندہ ترقی کے بے شمار ولولے جوش زن تھے آج وہ اجل کا شکار ہو گئے اور پس ماندگان کو ہمیشہ کے لیے مبتلاے حزن وملال چھوڑ گئے - موت نے ان کی آن مین تمام آرزوون کا خون کر دیا - بقول مرحوم

ابھی اے مرگ تو نے کر دیا زیر زمین مجھکو
ابھی تھا دوستو نہین مین بزیر آسمان بیٹھا

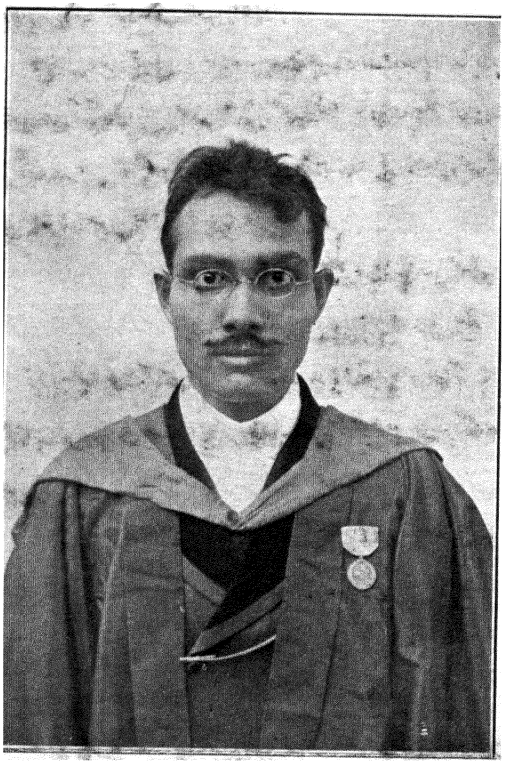
ذیل مین مرحوم کے کلام کا کچھ انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے - قصد ہے کہ ذخیرہ موجودہ کو کتاب کی صورت مین شایع کرایا جائے کیونکہ بجز اس کلام کے مرحوم نے اپنی کوئی یادگار نہین چھوڑی -

نام تو چھوڑ گئے اپنا ہما و عنقا
ہم وہ معدوم ہوے نام ونشان کچھ بھی نہین (ریش)

رُباعی

سہل اُسکا زبس وصال اک دل نکلا — آسان - سمجھے تھے جسکو مشکل - نکلا
عالم مین تلاش کہتے پھرتے تھے عبث — پہلو اپنا ہی اس کی منزل نکلا

ہم ہین سراپا شکل غم صورت برخ سر بسر — بزم عیش ونشاط مین کوئی ہمین بلاے کیون



منشی سُکھدیال، سکسینہ "ریٹر"، ایم۔ اِی۔ ایل ایل۔ بی

تھی عمر کہ تھا قدم صبا کا یا شعبدہ پیرِ پارسا کا

جب کچھ نہ تھا تو طالبِ رخصتِ وجود تھا انسان کو ازل سے خیالِ نمود تھا
مذہب کو جانتا تھا جہان مین پر اسقدر اِک حلقۂ کمندِ رسوم و قیود تھا

یارون کو پاس خاطرِ آشفتہ ہے مگر کہتے ہین جنون کو خرد افزا مرے آگے

ہوتی ہے ترے چہرہ سے عید کی صبح آشکار ابرو کی ہے ترے کشش جلوۂ ماہ نو نہین

نے چارہ نے علاج کا منت کشیدہ ہون صد گو نہ اپنے درد سے مین آرمیدہ ہون
کسطرح رکھون جادۂ مقصود پر قدم صد خار غم بپائے تمنا خلیدہ ہون

جوانی واے غم۔ سُنتے تھے عہدِ انبساط دل یہ گزرا بھی اور ہم کہتے تھے اب آیا اور اب آیا

صبا یہ پھرتی ہے آوارہ اک زمانہ سے مگر نہ نقشِ قدم کا ترے نشان ملا

واعظا جامِ مئے عشق سمجھنا نہ حرام یہ وہ آئینہ ہے دیکھو تو حقیقت کھلجائے

بہارِ عمر کا کیا جانین کیا فسانہ ہے بشاخِ بیخبری اپنا آشیانہ ہے

رخصت اے خضر کہ گم گشتگی ہو منزلِ عشق رہنمائی کے لیے مل گیا عنقا ہمکو

میانِ راہ ہستی مین بسانِ کارواں بیٹھا
لگی تھی فکر منزل کی اُٹھا واں سے جہاں بیٹھا

پسندِ خاطرِ آزادہ رو۔ کیا رسم پابندی
ٹھکانا خاص کیا میرا یہاں بیٹھا وہاں بیٹھا

سبک سر ہو کے مت چلنا کہین اے صرصرِ دوران
کہ اس وادی مین بھی دیوانہ ہو اک سرگراں بیٹھا

خبر اتنی نہین۔ آہو نہین۔ صحرا نہین یان پر
یہ باتین کر رہا ہو ریش تو کس سے کہان بیٹھا

اے چمن کس کا قلم مائل گلکاری ہے
بوٹہ بوٹہ کو جو حاصل یہ طرحداری ہے

نغمہ آرائی راسش گر و بر ہر سمت
گویا خود عیش و طرب برسرِ تیاری ہے

آنکھ کھولون تو نظر خیرہ صد خواب خیال
آنکھ موندون تو عجب عالم بیداری ہے

اُف نمک ریزیِ ناصح، بدلِ ریش کہ ہائے
مین تو سمجھا تھا کہ مرے درد کی غمخواری ہے

جانتا ہون کہ تو ہی جلوہ نما ہوتا ہے
شور بتخانون مین جو صبح و مسا ہوتا ہے

وہ نقش و نگار ترے بتکدے مین ہین
صورتگران چین بھی حیرت کدے مین ہین

کوچۂ جانان مین جا کر کیا کہون کیا ہو گیا
مین تماشا کرنے آیا تھا تماشا ہو گیا

کوئی نہ باغ دہر مین یارب ہوا نہال
ہر برگ آ کے یان کفِ افسوس مل گیا

ہر نقش وقت وقت مبدل بہ شکل کار
قسمت نوشتہ ہے کسی جادو طراز کا

عیش و نشاط و نیوی ہیہات لب تلک
کہتا ہے بزم مین یہ ہر اک نغمہ ساز کا

بر لبِ رخسار مصحف گیسوے مشکین یار
جسطرح ہو نیچے نیچے مہر کے ابرِ سیاہ

کہے ہی یاس کہ اِک دم کی تجھ مین تاب نہین امید کہتی ہے حالت تری خراب نہین

خاک ہم ہو گئے پر کربت ہند و پر ریش اُسکے ہان ریت تھی مردہ کے جلا دینے کی

کہتے تھے کل عروس چمن سے چمن کے پھول اِک دو گھڑی کے ہم ہین نہ ہمکو ہین کے پھول
صیاد آہ و زاری بلبل پہ رحم کھا یاد آتے ہین غریب کو اپنے وطن کے پھول

اے برق غم دہر ذرا پاس کیا کر میرا مکان منزل آفات بھی نہین

لگائی ناطقہ مین آگ اس آتش زبانی نے بجز قلقل زبان شیشہ کو ہے بولنا مشکل
دل لاغر کو گیسو مین بت پرکار نے باندھا گرہ ہو پے بچان کی نہ کیون ہو کھولنا مشکل

مین وہ دلسوختہ شمع رخ یار ہون ریش مجھکو پروانہ جو دیکھے گا تو جل جائیگا

کیون ریش ہے محو نالہ دن رات ہان دیکھون زبان تو نے نہین ہے

یہ مانا جنبش مژگان جانان جانستان کیون ہو اجل بے خانمان پھر ہمرہ تیغ و سنان کیون ہو

جگر بھی ساتھ گریبان کے چاک کر دینا تمھین قسم ہے مرا قصہ پاک کر دینا

جی گیا اے ریش مین لیکر جراحت کے مزے تیغ سمجھی ہوگی اب کیا اس تن بسمل مین ہے

جہان پڑے تھے ہم اے ریش رات مست و خراب اُسی کو حضرت ساقی کا آستان کہیے

توبہ میں اے شیخ۔ مجھکو۔ یوں تو پیش و پس نہیں — جام مے گر وہ پلائے گا تو میرا بس نہیں

صورت کوئی ملنے کی نکل آئے تو اچھا — تم پردہ میں ہو پردہ جو اٹھ جائے تو اچھا

اُسکی شوخی ہوئی عاشق کے لیے کام روا — چُلبُلے ہاتھ تھے پردہ کو اُٹھا کر مانے

کہتے تھے اپنی اپنی سبھی داستانِ عشق — میں بول اُٹھا کہ قتل سہی داستانِ عشق

پردہ سے نکل اب تو کہ اہلِ نظر تمام — آنکھوں کے سامنے سے پسِ پردہ ہو گئے

کلام فارسی

سپیدہ دم مرا۔ بانگِ خروشِ نالہ چون برشد — بہ حیرت پیرگردون ماند آیا صبح محشر شد

تو حسنِ می فروشی من دل ہی فسردشم — آجنس خویشتن را باہم بدل نمائم

بُرد ہ از یادِ خود آن سہ۔ سمنِ دلسوختہ را — ہمچو طفلی کہ فراموش کند آموختہ را

بیبُرد از برِ من ہمدم و ہم دم بُرد — ببین کہ دُزد فنا چون متاعِ عمرم بُرد

بہ شیشۂ زنخش خالِ دلفریب نمود — عجب کہ تخم برون از درون سیب نمود

بہارِ اشتیاقِ دل مرا گلشن جگر سازد — شمیمِ زلف گلرویان بمغزم چون گذر سازد

خوشا صحرا کہ در ویرانگی نویستہ ہم ظلمت — فروغِ وحشتِ ما شام فرقت را سحر سازد

پریروئے بمن گفتا۔ ندیدی پیش دیوانہ — کہ آہ و نالۂ بے دست و پا را نامہ بر سازد

صبا دِ دلم رونقِ صحرائے جہان شد تنجیر بہ یک تار نظر بست و روان شد

صبح بے بادہ مرا جامِ نمود ست کسے گوئی کز چشمِ فلک نور ربود ست کسے

مہ من زچہرہ نقاب کش کہ فروغ بخشِ جہان توئی
نظرے براین صفِ بے دلان بکند اکہ قبلۂ جان توئی

نویسم ار کہ بہ سینہ جراحتے دارم غلط بخواند و داند کہ راحتے دارم

توئی کہ از ذاتِ تست اے مہ۔ درین جہان نور حق ہویدا
بہ ہر زمینے کہ جلوہ سازی شود از و شانِ طور پیدا

ہلال عید ز ابروے تو مخجل دارد زرشک چہرۂ تو لالہ خون بدل دارد

کرشمہ می کنی و سر زتن جدا کردو عجب کہ لطف بفرمائی و جفا کردو

شہرۂ حسنِ تو فتنا و اندرین عالم فنا ہر قدمے کہ مے نہی حشرہمی شود بپا

پیش رخسار تو لالہ عرقے می ریزد، پا بہ گل سرو شود چون قدمت می خیزد
بس لطیف است دباغت زرہِ خوشنودی بارہا باد صبا روے گلان را بیزد
این چہ می بود کہ ہم خضر و مسیحا و یشب در بغل کردہ سبو۔ دست بہ ساغر می زد

مگر مرگ از حیاتِ من بخاطر کینہ میدارد مسیحا ہم بمن پیشِ نفس آئینہ میدارد

شد بسرم ہوائے تو عمر بسر نمی رسد تیر بہ سینہ می خلد تا بہ جگر نمی رسد

ہر کس از درد عشق رنجور راست بین کہ پر آب چشم انگور راست

گر میسر نہ شود وصل تو امشب بخدا بر سر ہر دو جہان صبح دمیدن نہ دہم

زند بر سوزن تدبیر ناصح چاک من خندہ بصحرائے دگر میگردم خار دگر دارم

حرمان نصیب بھائی
جید یال

جذبات بسمل

جان کا دشمن، یہ انداز تغافل کوش ہی اب ترا بیمار ہی اور موت کا آغوش ہی

ہی نگاہ مست ساقی آج پیمانہ بدست رخصت اے تقوی کہ وقت وداع ہوش ہی

رفتہ رفتہ اسقدر مین خوگر غم ہو گیا اب مجھے ذکر مسرت بھی وبال گوش ہی

اب کہان وہ نشئہ شب کی نشاط آرائیان یہ جو اک حسرت سی باقی ہی خمار دوش ہی

یہ ہجوم نامرادی یہ وفور بیکسی
تربت بسمل ہی یا اک محشر خاموش ہی

مولوی فضل الدین بسمل

*

خزانۂ غیب

چاندنی رات تھی۔ بادل کے ٹکڑے فضائے آسمانی مین مثل آزاد طیور کے اِدھر اُدھر اُڑتے پھرتے تھے اور ماہتاب فیتاب سپہ سالار کی طرح آسمان پر جلوہ افروز تھا۔ رام داس کالی دیوی کے سامنے دو زانو بیٹھا اُنکے قدمون پر عقیدت کے پھول چڑھا رہا تھا۔ ادھر اُسنے عبادت ختم کی اُدھر پوپھٹی اور دنیا کے ظلمتکدہ پر آفتاب عالمتاب ضیا پاشی کرنے لگا۔

یہ دیکھکر کہ مندر کا دروازہ ابھی بند ہے۔ وہ ایک مرتبہ دیوی کے سامنے جھکا اور اُس کے قدمون کے پاس سے ایک پتھر ہٹاکر لکڑی کا ایک صندوقچہ نکالا۔ اس بکس کو اُسنے اپنی کنجی سے جو جنیو مین لٹک رہی تھی، کھولا لیکن اندر نظر کرتے ہی اُسکا مُنھ فق ہو گیا۔ اُسنے صندوقچہ کا ایک ایک گوشہ دیکھ ڈالا لیکن بے سود۔ اُسنے دیوی کے قدمون کے نیچے تجسس آمیز نگاہین ڈالین لیکن بیفائدہ

رام داس کا یہ چھوٹا مندر اُسکے خانۂ باغ کے اندر بنا ہوا تھا۔ باغ کے چارون طرف قدآدم دیوارین تھین۔ مندر مین صرف ایک دروازہ تھا۔ رام داس نے مندر کا دروازہ کھول دیا۔ اور پاگلون کی طرح اِدھر اُدھر پھرنے لگا کہ شاید کوئی سُراغ ملجائے۔ لیکن تمام کوششین بیکار ہوئین۔ آخر وہ حالت یاس مین سر معبد پر بیٹھ گیا اور سر کو ہاتھون پر رکھکر کسی گہری فکر مین ڈوب گیا، ساری رات آنکھون مین کٹی تھی اسلیے اب اُسے غنودگی سی معلوم ہونے لگی۔ عین اسی حالت مین کسی نے اُسکا نام لیکر پکارا۔ رام داس نے سر اُٹھایا تو دیکھا کہ سامنے صحن مین ایک سنیاسی کھڑا ہے۔ اُسکے لمبے لمبے بال کمر تک لٹک رہے تھے اور چہرہ سے جلال ٹپکتا تھا۔ رام داس نے ادب سے پرنام کیا سنیاسی آگے بڑھا اور رام داس کے سر پر ہاتھ رکھکر بولا "بیٹا تو فضول رنج و غم نہ کر"

رام داس چونک اُٹھا اور کہنے لگا کہ مہاراج کیا آپ دوسرون کے دل کی باتین بھی جان لیتے ہین۔ آخر آپ کو میرے رنج و غم کا حال کیسے معلوم ہوا؟

سنیاسی بولا کہ بیٹا! جو چیز تمھارے ہاتھ سے نکل گئی وہ ایک فضول چیز تھی۔

رام داس نے بیقرار ہوکر سنیاسی کے پاؤن پکڑلیے اور کہا آپ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہین مجھے بتایئے کہ وہ پرچہ کس طرح ضائع ہوگیا اور اب مجھے وہ پھر کیسے مل سکتا ہے۔

سنیاسی "مین تمکو مصائب و آلام مین مبتلا کرنا نہین چاہتا اسلیے اُسکے متعلق کچھ نہ بتاؤنگا"

ان باتون سے رام داس کی تسلی نہ ہوئی۔ وہ سنیاسی کو خوش کرنے کی نیت سے تمام دن اُسکی خدمت کرتا رہا لیکن دوسرے دن سنیاسی کا کہین پتہ نہ تھا

رام داس کے بچپن مین ایک دن اُسکا دادا ہری ہرسندر کی سیڑھیون پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا کہ ایک سادھو اُسکے پاس آیا۔ ہری ہر سادھوون کا بہت معتقد تھا۔ اُسنے کئی دن اُسکی مہمانداری کی اور جب وہ رخصت ہونے لگا تو ہری ہر کو ایک کاغذ کا ٹکڑا دے گیا کہ اسکو احتیاط سے رکھے رہو تمھارے خاندان کے کسی نہ کسی شخص کو اس سے بہت بڑی دولت حاصل ہوگی۔

ہری ہر نے اُس کاغذ کو احتیاط سے رکھ چھوڑا اور مرتے وقت اُسے اپنے بیٹے کو دے گیا رام داس کے باپ نے اُس پرچہ کی عبارت پڑھنے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہوا مجبوراً اُسنے اس پرچہ کو ایک صندوقچہ مین رکھکر دیوی جی کے قدمون کے نیچے (بنظر حفاظت) دفن کر دیا۔

جب رام داس اور اُسکا بھائی دونون جوان ہوئے تو باپ نے ایک دن دونون کو بلاکر اس دفینہ کا سارا حال کہ سُنایا۔

رام داس اپنے بھائی سے عمر مین بڑا تھا اور اسوجہ سے اُسنے خود ہی فائدہ اُٹھانے کے خیال سے اس پرچہ کو لیکر اپنے پاس رکھ لیا۔ چھوٹے بھائی شوستی کو بھائی کی یہ خود غرضی بہت ہی ناگوار ہوئی آخر ایک دن موقع پاکر اُسنے اس پرچے کو رام داس کی جیب سے نکال ہی لیا۔

کاغذ لیکر شوشی فوراً ایک طرف کو چلدیا۔ اور دن رات کوشش کرنے لگا کہ جسطرح ممکن ہو اسکی عبارت پڑھکر گم شدہ خزانہ کا پتہ لگائے مگر جو لکیرین کاغذ پر بنی ہوئی تھین اُنکا مطلب شوشی کی سمجھ سے باہر تھا۔

مہینوں کی دوڑ دھوپ اور سرگردانی کے بعد سوشی ایک دن دریا کے کنارے بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ میری اُمیدوں کا بیڑا کیونکر پار ہوگا۔ وہ اسی خیال مین مستغرق تھا کہ سامنے ایک فقیر نظر پڑا جو دریا کے قریب ایک گھنے جنگل مین جا رہا تھا۔ غرض مند باؤلا ہوتا ہے۔ سوشی یہ سوچکر کہ شاید اس فقیر ہی کی مدد سے اُس خزانۂ غیب کا کچھ پتہ ملے۔ اُسکے پیچھے ہولیا۔

جنگل گھنا تھا اور راستہ تنگ۔ فقیر آگے آگے جا رہا تھا۔ اور سوشی اُسکے پیچھے تھا۔ فقیر نے ایک مرتبہ پیچھے مُڑکر بھی دیکھا مگر مُنھ سے کچھ نہ بولا۔ اور نہ سوشی نے سوال کرنیکی جرأت کی سوشی فقیر کی سیوا کے خیال سے جنگل ہی مین رہنے لگا۔ اور خزانہ کی امید مین صحرائی زندگی بسر کرنے لگا۔ فقیر کے ساتھ رہتے ہوے اسے چند ہی دن گزرے ہونگے کہ یکایک اُسکے جذبات مین تغیر پیدا ہوگیا۔ پہلے تو صرف وہ دنیاے فانی کی دولت کا طالبگار تھا لیکن چند ہی روز مین یہ خیال دل سے دور ہوگیا۔ طلسم زندگی کی حقیقت اسے معلوم ہوگئی اور اب وہ اس گورکھدھندے سے نجات حاصل کرنے کا آرزومند ہوگیا۔

انقلابات زمانہ سے شاہ وگدا، امیر وغریب، ظالم ومظلوم کسی کو چھٹکارا نہین۔ اولیا، پیغمبر، بادشاہ سب تقدیر کے محکوم ہین۔ وہ فقیر جسکی صحبت نے سوشی کو زرپرست سے خداپرست دُنیادار سے دین دار، اور شیطان سے انسان بنا دیا تھا، اس وارفانی کو چھوڑ چکا تھا۔ اور سوشی نے اس خیال سے کہ بقیہ عمر اُسی کنج عافیت مین بسر کرے، وہین سکونت اختیار کرلی تھی

ایک دن سوشی کوئی چیز تلاش کر رہا تھا۔ وہ چیز تو اُسے نہ ملی لیکن جھونپڑے کے ایک کنارے کی دیوار مین اُسکو ایک پرانی کھڑکی دکھائی دی جسکا دروازہ بہت ہی بوسیدہ تھا۔

شوق نے گدگدایا، سوشی کھڑکی کھول کر اندر داخل ہوا تو کھڑکی کے اندر ایک زینہ نظر آیا۔ زینہ کو طے کرکے سوشی ایک صحن مین پہونچا۔ صحن ختم ہونے پر اُسے ایک دروازہ ملا۔ دروازہ مین قدم رکھتے ہی سوشی کو قدرت خدا کا تماشا نظر آنے لگا۔ سونے کا ایک وسیع محل تھا جسکی در و دیوار سب سونے ہی کی بنی ہوئی تھی۔ فرش اور چھت مین اس صفائی سے ہیرے اور جواہرات جڑے ہوے تھے کہ سارا مکان جگمگا رہا تھا، اور اُسکا ذرّہ ذرّہ زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ اس سے بہتر انسانی صنعت کا نمونہ ملنا ممکن نہین

سوشی نے اس بے انتہا زوجواہر پر ایک حقارت آمیز نظر ڈالی اور واپس آکر اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔

جنگل کے جس حصہ میں سوشی رہتا تھا، وہ بہت گنجان تھا اور شاید اسی سبب سے وہاں کبھی کسی شخص کا گزر بھی نہ ہوتا تھا۔ لیکن خلاف معمول ایک دن سوشی نے ایک شخص کو اپنی جھونپڑی کی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ اس شخص نے آکر پانی مانگا۔ سوشی نے اُسے پانی پلایا اور غور سے دیکھکر کہا "تمھارا نام رام داس ہے"

اجنبی "ہاں میرا نام رام داس ہے"

سوشی دوڑکر بھائی سے لپٹ گیا۔ دل صاف ہوگئے اور محبت برادرانہ ظاہر ہونے لگی سوشی نے خاندان کے حالات دریافت کیے لیکن رام داس نے کہا کہ جب سے تم وہ کاغذ لیکر مکان سے چل دیے تھے، اُسی دن سے میں تمھاری اور گم شدہ خزانے کی تلاش میں پھر رہا ہوں۔

سوشی نے اپنے بھائی کو حیرت سے دیکھا اور کہا "کیا اب بھی خزانہ کی تلاش باقی ہے؟"

رام داس "میں نے تو اپنی زندگی اُسی کیلیے وقف کردی ہے"

سوشی نے بھائی کا ہاتھ پکڑا اور جھونپڑی میں لیجاکر خزانہ کے دروازہ پر کھڑا کردیا۔

جذبات انسانی، قوت ارادی کے تابع نہیں ہوتے۔ رام داس بے انتہا مال وزر کو دیکھکر پاگل سا ہوگیا۔ وہ کبھی اِس کمرے میں جاتا اور کبھی اُس کمرے میں۔

تھوڑی دیر میں جب اُسنے بخیال خویش، مکان کا ایک ایک گوشہ دیکھ لیا تو واپسی کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن باوجود تلاش باہر آنے کا دروازہ نہ ملا۔

آخر تھک کر وہ سونے کے ایک ستون پر جو فرش پر پڑا ہوا تھا لیٹ گیا۔ اُسنے دیکھا کہ پاؤں کے تلوے ہیرے کے ٹکڑوں پر چلنے سے لہولہان ہو رہے ہیں، اور اُسنے فوارہ جاری ہے رام داس نے لیٹے لیٹے بھائی کو آواز دی اور مدد کا خواستگار ہوا۔

سوشی نے کہا کہ میں خود تمکو بڑی دیر سے ڈھونڈھ رہا ہوں۔ لیکن تم تک نہیں پہونچ سکا۔ میرے خیال میں تم صرف اس شرط پر اس جگہ سے باہر آسکتے ہو کہ خزانہ سے فائدہ اُٹھانے کا

خیال چھوڑ دو۔

رام داس جسکی دلی آرزو اب خدا خدا کر کے پوری ہوتی نظر آتی تھی اس شرط کو کیسے منظور کر سکتا تھا۔ اُسنے اپنے جسم کے کپڑے اُتار کر زخمی تلوؤں پر لپیٹے اور باہر کا راستہ ڈھونڈھنے مین مشغول ہو گیا۔ لیکن کامیابی نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔

شام ہوئی اور پھر دوسرا دن۔ لیکن رام داس کو راستہ نہ ملا۔ آخر رام داس کو نا امید ہو کر خزانے کے خیال سے دست بردار ہونا پڑا اور دل سے اس خیال ہی کو نکال دیا۔ اب اُسے فوراً ہی راستہ مل گیا اور تھوڑی دیر مین وہ اپنے بھائی کے پاس پہونچ گیا۔

سوشی نے رام داس کا اُترا ہوا چہرہ اور حسرت بھری آنکھین دیکھکر کہا "بھائی! تم کیون اسقدر زر و جواہر کے آرزومند ہو؟ انسان جب تک دھن دولت کے پیچھے پڑا رہتا ہے اُسوقت تک وہ بندۂ زر رہتا ہے۔ دنیا کی مثال اسی گنج زر کی سی ہے جس سے ابھی تم باہر نکلے ہو۔ جب تک تمھارے دل مین لالچ رہی تم خود مقید رہے۔ مگر جب تم نے اسے دل سے نکال دیا آزاد ہو گئے۔ یہی حالت دُنیا اور تفکرات دُنیا کی ہے۔ جب تک انسان دُنیاوی خواہشون مین مبتلا رہتا ہے اُسوقت تک اُسکی روح آلایشات سے پاک نہین ہو سکتی۔ لیکن جب انسان طلسم حیات کے راز کو سمجھ لیتا ہے تو آزاد، خود مختار، اور اپنے افعال کا آپ مالک ہو جاتا ہے۔

(ماخوذ از مارڈرن ریویو)

عالی لکھنوی

انڈین ایجوکیشن نامی رسالہ مین مسٹر کے ایل اوگلے نے ایک مضمون مین ثابت کیا ہے کہ کالیداس کے زمانہ تک ہندوستان مین تعلیم نسوان کا عام رواج تھا چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ :-

کالیداس کے ناٹکون کی لڑکیان تعلیم یافتہ اور ڈرامانگ مین ماہر ہین شکنتلا کی دونون سکھیان رشی اور یا کا پڑھی لکھی ہین۔ کیونکہ وہ اعلیٰ خاندان کی لڑکیان ہین۔ لیکن تعجب اس مرکا ہے کہ شکنتلا جو جنگل کے ایک غریب رشی کے ہان پلی ہے۔ وہ بھی زیور علم سے آراستہ ہے۔ رگھوبنس مین سورج بنس کی آخری رانی نے اپنے شوہر کی دعا کے بعد وزرا کے مشورہ سے انتظام حکومت کیا تھا۔ گویا کالیداس کے زمانہ تک بھی ہندوستانی عورتون کیلئے تعلیم کے

تنقید کتب

نفسر اللغہ

اُردو کے اس نایاب لغت کے مؤلف رشک لکھنوی مرحوم ہین جو ناسخ مرحوم کے شاگرد رشید تھے، اور اپنے اُستاد کی طرح زبان کی درستی اور اصلاح کا خیال رکھتے تھے انکا دیوان درستی محاورات، اور تحقیق الفاظ کا بیمثل آئینہ ہے لیکن بعض بعض جگہ جمہور کے خلاف آپ نے اجتہاد سے بھی کام لیا ہے، مثلاً آپ نے املا کو مونث لکھا ہے۔

نامۂ جانان ہے یا لکھا مری تقدیر کا　　خط کی انشا اور ہے لکھنے کی املا اور ہے

ایجاد کو مذکر لکھا ہے۔

جب سے صبح وگل و دیوانہ کا ایجاد ہوا
کوئی مجھسا نہ ہوا چاک گریبان ابتک

ممکن ہے کہ رشک مرحوم نے خود اس قسم کا اجتہاد نہ کیا ہو اور کاتب کی عنایت سے یہ نشان پیدا ہوگئی ہو، لیکن دیباچہ مین نشتر صاحب نے اس قسم کی متعدد مثالین لکھی ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رشک صاحب کے نزدیک انکا استعمال یون ہی درست ہے، بہرحال رشک کی شاعری اس اعتبار سے قابل رشک ہے کہ وہ زبان اُردو کے لیے مفید ہے، اور اسمین محاورات اُردو محفوظ ہین ورنہ دست برد زمانہ سے مٹ جانے کا احتمال تھا، مگر اسکے سوا رشک کی شاعری مین کچھ نہین نہ تخیل، بلندی مضامین، شان تغزل کا مشکل سے نشان ملتا ہے اکثر غزلین اور اشعار تو ایسے لکھے ہین کہ اُنکے سننے سے طبیعت کو تنفر پیدا ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایسے شخص نے تک بندی کی ہے، جسکو شاعری کی ہوا تک نہین لگی مثلاً

چاول الماس گوشۂ بنت جگر　　فرقت یار مین پلاؤ نہین

میرے کھانے سے کیون فلک ہے کباب پاؤ روٹی ہے نان پاؤ نہین
یہ زمین غزل وہ ہے اے رشک جسمین ذرہ کہین بھسر اؤ نہین

اسمین شبہ نہین کہ رشک نے اہل زبان کے لیے تحقیق الفاظ و تصحیح محاورات کا ایک کافی ذخیرہ جمع کردیا ہے، اشعار کے علاوہ آپ نے "نفسہ اللغہ" کے نام سے ایک اردو لغت بھی تیار کیا ہے جسمین اردو کے تمام الفاظ و محاورات کو جمع کردیا ہے اور فارسی مین انکے معانی و مطالب لکھے ہین حقیقت یہ ہے کہ یہ لغت اردو کیلیے بہت مفید ہے، لیکن سمجھ مین نہین آتا کہ آپ نے اردو اور ہندی محاورات کے معنی فارسی مین کیون لکھے، یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ اسوقت فارسی زبان مین لکھنے کا رواج زیادہ تھا، لیکن اسکا کیا جواب ہے کہ بعض جگہ فارسیت کی وجہ سے معانی اُلجھکر رہگئے ہین، ضرورت تھی کہ رشک صاحب اردو کے الفاظ اور محاورات کے مفہوم کو اردو عبارت ہی مین تحریر کرتے، اور نفس اللغہ کو اہل ایران یا اہل کابل کیلیے مخصوص نہ کرتے۔

اسکے علاوہ بعض بعض محاورات پر یا تو رشک صاحب نے غائر نگاہ نہین ڈالی یا اُن کے مطالب کو فارسی مین ادا نہ کرسکے۔ مثلاً آستین چڑھانا۔ آستین گردانیدن،

رشک صاحب نے صرف لفظی ترجمہ کردینا کافی سمجھ لیا ہے لیکن اہل بصیرت جانتے ہین کہ آستین چڑھانے کا مطلب کچھ اور ہے۔ یہ محاورہ اظہار غیض و غضب اور کسی کام پر آمادگی ظاہر کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً اُسنے مقابلہ کیلیے آستین چڑھائی، اور، وہ اس کام کے لیے آستین چڑھاکر مستعد ہوگیا۔

اسی صفحے مین رشک صاحب نے، آسمانی تارا، کے یہ معنی خوب لکھے ہین، چیز نادر و نایاب را گویند، ممکن تھا کہ اسکے معنی بھی وہ، اختر فلک" لکھتے، لیکن یہان اصلی مفہوم بتادیا ہے جس سے ثابت ہوگیا کہ وہ یا تو بعض محاورات کے سمجھنے سے قاصر تھے، یا فارسی مین ادا نہ کرسکتے تھے۔

ہم چند ایسی ہی مثالین اور پیش کرتے ہین تاکہ ہمارا اعتراض اور واضح ہوجائے۔

اندرائن کا پھل، بارور ختے بود تلخ (ف) خربزہ تلخ (ع) حنظل۔

اس موقع پر بھی آپ نے صرف لفظی ترجمہ سے کام لیا ہے حالانکہ یہ محاورہ اُس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے، جب ظاہری حسن و صورت کے ساتھ باطنی برائیون کا اظہار مقصود ہو

اسلیے کہ اندرائن کا پھل بظاہر خوبصورت اور بہ باطن تلخ ہوتا ہے مثلاً وہ حنظل صفت ہو، یا اُسمین اندرائن کے پھل کی خاصیت ہے،

اُنڈے سینا، نشستن مرغان بود بر بیضہ، ف بیضہ پرورون۔

جامع لغت کا فرض ہے، کہ وہ بازاری محاورون کا بھی اظہار کردے، لیکن رشک صاحب نے بعض جگہ یا تو قصداً چشم پوشی کی ہے یا اُنھین علم نہ تھا لوگ اکثر طنزاً کہا کرتے ہین کہ وہ گھر مین بیٹھے انڈے سیتے رہتے ہین، اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ گھر مین گھسے رہتے ہین،

تکمہ دینا و تکیہ کرنا و تکیہ لگانا یہ تکیہ دادن و تکیہ کردن و تکیہ زدن،

لغت نگاری کے یہ معنی نہین کہ معانی ایسے الفاظ مین لکھے جائین، جنکے لیے ایک دوسرے لغت کی ضرورت ہو، رشک صاحب نے اسکی پروا نہین کی تکیہ کرنا کے معنی آپ نے تکیہ کردن لکھدیا، ایک ایرانی یا کابلی تو سمجھ جائیگا لیکن ایک ہندی جو اس سے ناواقف ہو کچھ نہین سمجھ سکتا اس موقع پر فارسیت نے آپ کو مجبور کردیا ورنہ اُردو مین آپ یون کہتے تکیہ کرنا کسی پر بھروسہ کرنا تماشابین،، فارسی ست در محاورۂ ہندیان زنان بازار را گویند،

لیجیے محاورہ بھی آپ غلط بیان فرماتے ہین ہندی کا محاورہ تماشابین نہین تماشبین ہے، اور پھر تماشبین زنان بازار کے لیے مخصوص نہین بلکہ ہر اُس شخص کو جو عیاش اور آوارہ مزاج ہو تماشبین کہتے ہین۔

اس قسم کی سیکڑون مثالین نفس اللغہ مین موجود ہین مگر ہم بنظر اختصار اسی قدر کافی سمجھتے ہین ان مثالون سے ہمارا یہ مدعا نہین ہے کہ ہم جناب رشک کی اس مفید کوشش کی داد نہ دین، نہین، ہم دل سے اس محنت کی قدر کرتے ہین، اور ناظرین زمانہ کو بھی اسکے مطالعہ کی طرف توجہ دلاتے ہین، اور ساتھ ہی ساتھ منیجر صاحب ادیب اردو کی خدمت مین مبارکباد بھی پیش کرتے ہین کہ آپ کی کوشش سے اس نایاب لغت کا پہلا حصہ زیور طبع سے آراستہ ہوا، لیکن ہم یہ بھی ضرور کہین گے کہ کاغذ کی نازکی اور بوسیدگی عجب نہین کہ پھر اس نایاب لغت کو نایاب بنادے لکھائی اور چھپائی کا بھی کوئی خاص اہتمام نہین کیا گیا۔ بہرحال جو کچھ ہے غنیمت ہے (قیمت عہ مع محصول) ملنے کا پتہ۔ منیجر ادیب اُردو نیر پریس پاٹانالہ لکھنؤ۔

داغ جگر

بزم ادب اعظم گڈھ نے جناب جگر مرادآبادی کی منتخبہ غزلیات کا مجموعہ، "داغ جگر" کے نام سے شایع کیا ہے جسمین علاوہ غزلیات ومتفرق اشعار کے مثنوی کے بھی دو صفحے شامل ہین شروع مین مولوی عبدالسلام صاحب ندوی کی طرف سے ایک مختصر سا دیباچہ ہے، اسکے بعد چوالیس صفحون پر مرزا احسان احمد صاحب وکیل اعظم گڈھ کا معرکۃ الآرا مقدمہ مندرج ہے جسمین کہین جگر صاحب کی خصوصیات شاعری سے بحث کیگئی ہے، کہین موجودہ شعرا سے جناب جگر کا تقابل کیا گیا ہے کہین انکے محسوسات حکیمانہ پر روشنی ڈالی گئی ہے غرض مقدمہ کیا ہے مرقع ہے جوش عقیدت اور حسن ستائش کا۔ اور خلاصہ ہے داغ جگر کا۔

اسمین شک نہین کہ جناب جگر ایک قادرالکلام شاعر ہین، انکی غزلین رنگینی تخیل، ندرت بیان اور بلند پروازی کا نمونہ ہوتی ہین۔ وہ جب کسی خیال کو اپنی شاعرانہ تخیل مین ادا کرنا چاہتے ہین تو اس انداز سے کہتے ہین کہ سننے والا بیخبین ہوجاتا ہے۔ فرماتے ہین۔

مجھے اب خوف ہی کیا ہجر مین تنہائی دل سے ہزارون محفلین لیکر اٹھا ہون تیری محفل سے

غور فرمایئے جگر صاحب نے ایک معمولی خیال کو کتنی بلندی پر پہونچا دیا ہے، مگر کہین کہین تخیل اسقدر کمزور ہوتی ہے کہ طرز بیان کی ندرت بھی اسکی تلافی نہین کرسکتی، مثلاً اسی غزل کا ایک شعر ہے

فلک پر ڈوبتے جاتے ہین تارے بھی شب فرقت
مگر نسبت کہان انکو مرے ڈوبے ہوئے دل سے

بندش کے لحاظ سے تو شعر خوب ہے لیکن حاصل کچھ نہین۔ اسکے مقابلہ مین جوش صاحب کا شعر (جو مرزا صاحب نے مقابلتاً پیش کیا ہے) بہت بلند ہے، "اسمین" ڈوبے ہوے دل کے بجاے "ٹوٹے ہوے دل" کا قافیہ نظم ہے

کبھی سن لے اے اور ساز عشرت چھیڑنے والے
عجب آواز آتی ہے مرے ٹوٹے ہوے دل سے

داغ جگر مین اکثر اشعار ایسے ہی ملتے ہین جنکے مطالعہ سے قلب پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے اور روح مست ہوجاتی ہے۔ مثلاً

تیرے جلوؤن کے تصدق لیکن تیرے جلوے کو کدھر دیکھون مین

آئی ہے موت منزل مقصود دیکھکر
اتنے ہوے قریب کہ ہم دور ہوگئے

کوئی تو خیرخواہ دل ناصبور تھا مانا کہ تم نہ تھے کوئی تم سا ضرور تھا
ایسا کہان بہار مین رنگینیون کا جوش شامل کسی کا خون تمنا ضرور تھا

جگر صاحب کی نظمون مین بعض بعض جگہ توارد کی مثالین بھی ملتی ہین، توارد کوئی عیب نہین بشرطیکہ شعر مین کوئی خاص خوبی پیدا ہوگئی ہو لیکن جب اسمین کوئی عیب ہو یا اس شعر سے کم درجہ کا ہو جس سے توارد ہوا ہو تو شعر کا غزل مین نہ رہنا ہی بہتر ہے۔ مثلاً عزیز لکھنوی کا شعر ہے،

دل یہ سمجھا تھا کہ خلوت مین وہ تنہا ہونگے مین نے پردہ جو اٹھایا تو قیامت دیکھی

جگر صاحب لکھتے ہین۔

سمجھے تھے کہ خلوت مین ملین گے ہمین تنہا اک حشر کا عالم پس پردہ نظر آیا

مضمون دونون شعر کا ایک ہے اور گمان غالب ہے کہ توارد نے یہ کیجبتی پیدا کردی ہوگی لیکن جگر صاحب کے شعر مین پس پردہ کا قافیہ یکتا اور رسوا کے ساتھ بالکل غلط ہے جس سے شعر مین سقم پیدا ہوگیا اسلیے کہ پروا (باظہار الف) اردو لفظ ہے۔ اسکے ساتھ فارسی اضافت درست نہین۔ اگر کسی اور شاعر کے یہان بھی کوئی ایسی مثال موجود ہو تو وہ بھی صحیح نہین۔

جگر صاحب فرماتے ہین۔

رات بھر جسطرح گزری کچھ نہ پوچھو دل کے ساتھ صبح تک رکھا ہے ہاتھون ہاتھ اس بیمار کو

جناب داغ۔

کرنی پڑین فراق مین تیمارداریان ہاتھون مین ساری رات دل ناصبور کے

مضمون کے لحاظ سے دونون شعر ایک ہین، صرف طرز بیان کا فرق ہے مگر داغ کا شعر بہت بہتر ہے۔ اسکے علاوہ جگر صاحب کے شعر مین اس موقع پر ہاتھون ہاتھ کا استعمال

کچھ زیادہ پسندیدہ نہیں۔

اسی طرح بعض جگہ داغ جگر میں، محاوروں کی غلطیاں بھی ہاتی ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ اس قسم کی لغزشیں بہت کم ہیں تاہم یہ نہ ہوتیں تو بہتر تھا، مثلاً

مقید ہو کے اے صیاد جسدن سے ہزار آئی وہی دن ہے کہ پھر اب تک نہ گلشن میں بہار آئی

وہ دن ہے اور آج کا دن ہے۔ اسکے بجائے وہی دن ہے صحیح نہیں

دل ہوا خاک تپ غم سے مگر دل کی جگہ اک خلش سی مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے

معلوم ہو رہی ہے یا معلوم ہوتی ہے، کے بجائے معلوم ہوئی جاتی ہے کہنا غلط ہے۔

پھرا نہ کوچۂ جانان سے منھ کسی صورت عزیز تھک گئے سب مجھکو قبلہ رو کرتے

قبلہ رو کرتے کرتے، کی جگہ قبلہ رو کرتے، کا استعمال غیر فصیح نہیں غلط ہے۔

مختصر یہ کہ اگرچہ جگر صاحب کا کلام غلطیوں سے پاک نہیں، تاہم وہ قابل داد ضرور ہے اور جگر صاحب دنیائے ادب سے مبارکباد کے مستحق ہیں، داغ جگر کی لکھائی چھپائی کے لیے صرف یہ کہدینا کافی ہے کہ وہ مطبع معارف میں چھپا ہے۔ کاغذ بھی عمدہ لگایا گیا ہے۔ قیمت عہ ہی شائقین مرزا احسان احمد صاحب وکیل اعظم گڑھ سے طلب فرمائیں۔

ادیب ناگپور

یہ رسالہ ۳۲ صفحوں ہندوستان کے اس خطے سے شایع ہو رہا ہے جہاں اردو کا بہت کم رواج ہے، مولوی محمود علی خان صاحب فاضل ندوی اسکے مرتب ہیں اور مولوی محمد قاسم منتظم، ایسی صورت میں اگر ادیب یہ فخر کرے تو بجا ہے کہ

صد شکر کہ ہستیم میان دو ادیب

بہرحال ہم ادیب کا دل سے خیر مقدم کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا اس ہونہار پودے کو پروان چڑھائے اور صرصر حوادث سے محفوظ رکھے۔

شائقین ادب دفتر ادیب ناگپور کے پتہ پر درخواست خریداری ارسال فرمائیں۔

"اعظم"

اللہ بس باقی ہوس

نثر مرجز

اے سونے والو مرقد کے — یہ راحتِ خواب آخر کب تک — اس نیند سے چونکو بہر خدا
کچھ اپنی کہو کچھ ہم سے سنو — تم ہمکو بتاؤ حالِ عدم — ہم تم سے کہیں اپنی بیتی
کیا اگلے روابط بھول گئے — کیا پچھلی باتیں یاد نہیں — یاد آتے ہوا کشتم تو ہمیں
پھرتے ہو نظر میں آٹھ پہر — وہ لطف مشاغل وہ باتیں — جب یاد ہمیں آجاتی ہیں
اِک چوٹ سی دل میں لگتی ہے — اشک آنکھوں میں بھر آتے ہیں — اب کوئی نہیں ایسا مونس
جو حال ہمارا سنے — جو ذکر تمہارا سنے کرے — آئے ہیں یہاں ہم خود آخر
آج اپنا فسانہ سنانے کو — تم جب سے گئے اس دنیا سے — کچھ دنیا کی سدھ بدھ نہ رہی
اتنا تو بتاؤ بہر خدا — ہم یاد بھی تمکو آتے ہیں — دیرینہ مراسم دیکھنے کو
آتی ہے تمہاری روح کبھی — ہاں آج یہ جنکی حالت ہے — ہے جنکا منظر وحشت زا
وہ جنگل باغ تمہارے ہیں — وہ جن میں ہے ویرانی یکسر — ہاں انکا پتہ بتلانے کو
کچھ ڈھیر خس و خاشاک کے ہیں — یا ٹوٹے پھوٹے چند کھنڈر — رونق وہ نہیں مجمع وہ نہیں
ہاں فہمی بیکس دلِ خستہ — غمدیدہ و محزون و مضطر — جب آتا ہے اِس ویرانے میں
تو گھنٹوں رویا کرتا ہے — اور گور غریبان میں اسدم — کچھ شکوے کرنے آیا ہے
بیزار رہے یہ بھی دنیا سے — تم سے ملنے کا خواہاں ہے — جینے کا اُسے کیا لطف ملے
ہمدرد نہیں احباب نہیں — ہے کوئی عالمِ غربت میں — اور کوئی کنج تربت میں
یہ دہر سراے فانی ہے — رہتا ہے ہمیشہ کون یہاں — باقی ہے خدا کا نام اور بس

سید محمود اعظم فہمی ترمذی

بیخبری

ہزار جامہ دری صد ہزار بخیہ گری — تمام شورش و تمکین بشارِ بیخبری

سکون شورش پنہان ہے شغل جامہ دری — قرار سینۂ سوزان ہے نالۂ سحری
غرض نشاط و الم سے فقط تماشا ہے — کہ یہ مناظرہ رہ اور مین ہون رہگذری
نہ مدعا مرا کوئی نہ کچھ ہراس مجھے — کہ عاشقی ہے فقط بیدلی و بیجگری
مزاج عشق بہت معتدل ہی ان روزون — جگر مین آگ دہکتی ہے آنکھ مین ہے تری
یہ دُر ہے ہر تن موّاب لہو نہ دے نکلے — کچھ ایسے زور پہ ہے آج کاوشِ جگری
جو مجھپہ گذری ہے شب بھر وہ دیکھ لے ہمدم — چمک رہا ہے مژہ پر ستارۂ سحری
اٹھا ہے در درگِ جان ہے تشنۂ نشتر — مجھے ہے آج تلاشِ کمال چارہ گری

تری نگاہ کی کیفیتین ہین دل مین وہی — کہ روح تن مین ہے شیشہ مین جس طرح ہو پری
اسی نگاہ کے صدقے یہ حال کیا ہی مرا — کمال ہوش کہون با کمال بے خبری
غضب ہوا کہ گریبان ہی چاک ہونے کو — تھا ہے حسن کی ہوتی ہے آج پردہ دری
کہین ہے عشق کہین ہی کشش کہین حرکت — بھرا ہے خانۂ فطرت مین رنگ فتنہ گری
محال تھا کوئی ہوتا یہان سوا تیرے — یہ کُل جہان ہے سنت پذیر کم نظری
جگر مین بیٹھ گئے درد بے دوا ہو کر — دلون کو کھینچ لیا بنکے شان عشوہ گری
وہ ہر عیان مین نہان ہی وہ ہر نہان مین عیان — عجیب طرز حجاب و عجیب جلوہ گری!!
کچھ اسطرح ہو مین عاجز نوازیان اسکی — کہ میری آہ کو ہے اب تلاش بے اثری
نزول پیکر خاکی پہ روح اعظم کا — زہے کمال سر افگندگی و بے ہنری

کرم کچھ آج ہے ساقی کا وہ طرب انگیز — کہ جرعہ جرعہ ہے موجِ ترنمِ سحری
چھپی ہے نیم نگاہی مین روح بیتابی — ملی ہے حسن تبسم کو ریزش شرری
اُس آستان سے اُٹھائی نہ پھر جبین مینے — حرم مین سجدۂ پیہم تھی ایک دردسری
نہ جایئے یہ سری بگڑی ہوی اداؤن پر — کہ عاشقی مین مرے حسن کی ہے جلوہ گری
جو شوخیون سے لیا ہے جمال بیتابی — تو جوش حسن سے پائی اداے جامہ دری
لیے ہین زلف سے آشفتگی کے گل انداز — نگاہ مست سے پہونچا ہے حسن بے خبری
خموش اصغر بیہودہ کوش و ہرزہ سرا — کہ حسن و عشق کی اچھی نہین ہے پردہ دری
بگوش ہوش شنو پند حافظ شیراز — چہ نکتہ ایست بطرز ترنم شکری

زہر خبر کہ شنیدی رہے بہ حیرت داشت
ازین سپس سن و ساقی و وضع بے خبری

لوحِ حیات آپ کی تقریر ہوگئی — جو بات کی نوشتۂ تقدیر ہوگئی
شاید کہ میری آہ مین تاثیر ہوگئی — دنیا تمام درد کی تصویر ہوگئی
جتنی مصیبتین تھین وہ لکھدین مرے یہان — بس ختم سعی کاتب تقدیر ہوگئی
تھا نزع مین بھی سلسلۂ قید غم وہی — انمٹمٹی جو رگ وہ حلقۂ زنجیر ہوگئی
دلکو جلا کے دولتِ جاوید پاگیا — اتنی سی خاک مایۂ اکسیر ہوگئی
ناسور آج ہر بن مو ہے نے نصیب — اے کاوش مژہ تری تفسیر ہوگئی
کہیے کہ اب مین اپنی حقیقت کو کیا کہون — جو سانس لی وہ آپ کی تصویر ہوگئی
وارفتگان ذبح ذرا ہوش مین رہو — خنجر گلے پہ آگیا تکبیر ہوگئی
ہاتھون سے میرے دامن رحمت چھڑا تو لے — ہان ہان یہ جانتا ہون کہ تقصیر ہوگئی
آزاد ہون قیود جہنم سے دوستو — میری حیات ہی مجھے تعذیر ہوگئی
آتا ہی کوئی گو غربان پر اس طرح — زندہ اگر یہ محفل تصویر ہوگئی
ہستی کی شرح نزع مین کرتا مگر عزیز — دو ہچکیون مین ختم یہ تفسیر ہوگئی

سرما

ہے بلند آہنگ سرما — پھر عیان ہے رنگ سرما
دیکھ لو چھائی ہے یکسر — کچھ سپیدی سی فلک پر
یہ اثر کس نے دکھایا — پڑ گیا سورج پہ سایا
دھوپ میں تیزی نہیں ہے — کلفت انگیزی نہیں ہے
تاکہ کم تکلیف ہو کچھ — ٹھنڈ میں تخفیف ہو کچھ
پڑ گئی گویا جہان پر — ہلکی، ہلکی، گرم چادر
کائنات ایک لخت ساری — سرد سی جو پڑ گئی تھی
پھر سراپا اُس نے بھر دی — کچھ حرارت تازگی کی
خلق کا دلکش سماں ہے — ایک رونق سی عیاں ہے
یعنی موسم کا اثر ہے — ق — دھوپ میں رنگِ دگر ہے
ہو کے معمورِ مسرت — بن گئی نورِ مسرت
جبکہ عالم میں ہویدا — ایک نقشہ ٹھنڈ کا تھا
وہ بھی تھی کچھ کچھ بجھی سی — بن گئی تھی چاندنی سی
روشنی کی کچھ جھلک تھی — اور سردی کی چمک تھی
ٹھنڈی کرنیں جھڑ رہی تھیں — ننھی بوندیں پڑ رہی تھیں
دھند تھا ارض و سما میں — تیرگی سی تھی خلا میں
یعنی دونوں کی حرارت — ٹھنڈ سے ہو ہو کے غارت
باہر آ کر تھم گئی تھی، — سرد ہو کر جم گئی تھی
کیسی ٹھنڈک تھی فضا میں — برف اڑتی تھی ہوا میں

قدرتی تھی جس مین حدت اُس سے تھی سردی کی شدت
جس سے جاندار اور بیجان سب کے سب سکڑے تھے یکسان
ٹھنڈ کا گھر اا ثر تھا ہڈیون تک مین گذرتا
ہر بشر کے دانت جس سے ہو کے نالان بج رہے تھے
تھے چرندے اور پرندے مضمحل اور سست سارے
رو مین تھے وہ گر پھلائے تھے یہ بال و پر پھلائے
خود فراموشی تھی ہر سو ایک خاموشی تھی ہر سو
ٹھنڈ کے ہو کے مقہر سب دھوپ کے تھے منتظر سب
الغرض خورشید تابان پھر ہوا کچھ کچھ درخشان
ابر سے تھے بسکہ چھائے سارے ذرے جگمگائے
پھر حرارت آئی تن مین بن گئی چستی بدن مین
پھر پرندے کھڑ بڑائے اور پرندے پھر پڑائے
پھر یکے لوگون نے یکسر دست و پا کپڑون سے باہر
پھر اُجالے مین نکھر کر اوس چمکی پتیون پر
سر بسر منظر مین پھیلی کیسی سبزی اور سپیدی
ٹھنڈ اُسے گویا چھپائے ہے تری کو خود بچائے
تا رہے گرمی بھی پاکر ٹھنڈ کو
آب سبزہ مین برابر
دیدنی ہے جس کی رنگت قلب کو ملتی ہے فرحت
پھر ہوئی جس کے سہارے کام کی تحریک ہارے
خواہ برفیلی ہوا مین خواہ کتنی ہی سورش مچائین
آہ جس سے یہ سماں بھی جلد ہی ہو گا نہان بھی
آفتاب اسکے اثر سے ہان اسی سردی کے ڈر سے
دیکھو اب گھٹتا رہا ہے کس روش سے جا رہا ہے!

کیسی کھیتون کی زمین ہے
سبز رنگت ہر کہین ہے

جس کے جلوے ہین غضب کے
دل ہرے ہوتے ہین سب کے

اور کسانون کے لیے تو،
خاص ہین اسباب نیکو

یہ علاج خستگی ہے
مایۂ وابستگی ہے

رنگ کیسے مل رہے ہین
پھول کتنے کھل رہے ہین

مختلف اقسام والے
لال، پیلے، اجلے، کالے

جنپہ ہے رنگِ تماشا
قطرہ ہائے شبنمی کا

تازگی گستر ہوا ہے،
سرد اور نکہت فزا ہے

کیف سے مجبور ہین سب
کس قدر مسرور ہین سب

کیسی ریزش ہے صدا کی
طائران نغمہ زا کی

فیض انھین آثار کا ہے
اک سمان گلزار کا ہے

ارہر اور سرسون پھولے
پیلے پیلے پھول کیسے

اور جو بور آمون مین آیا
کیا بسنتی رنگ لایا

کیسی زردی ہے نظر مین
ہے اثر دل مین، جگر مین

اک خوشی سی چھا رہی ہے
لو بسنت اب آ رہی ہے

سچ ہے یہ یہ جان طرب ہے
شوکت و شانِ طرب ہے

رنگ تو لائے گی آخر
اور بہار آئے گی آخر

اور رہے کیا شفاف پانی
گندگی سے صاف پانی

جا بجا لہرا رہا ہے
گیت گویا گا رہا ہے

جس مین نیلے آسمان سے
عکس خورشید تبان سے

آ کے کرنین گر رہی ہین،
موج بنکر پھر رہی ہین

فصل گویا ہنس رہی ہے

اقبال ورما سحر ہتکامی

لطفِ سخن

مولانا محوی لکھنوی

ہمین کچھ قدر تیری سبزۂ مدفن سمجھتے ہین — کہ تجھکو یادگارِ عشرتِ گلشن سمجھتے ہین
اُسی پر اے نگاہِ ناز تو بجلی گراتی ہے — جسے اپنی تمناؤن کا ہم خرمن سمجھتے ہین
تری قیدِ قفس کا ہمکو اے صیاد کیا غم ہو — ہم اسکو حاصلِ سیرِ گل و گلشن سمجھتے ہین
یہ آنسو کیون ہین آنکھون مین یہ رونا کیون ہے بالین پر — مری اُلجھن کو کیا سب آخری اُلجھن سمجھتے ہین
کسی بیکس کے آنسو تم نہ پوچھو اپنے دامن سے — کہ اہلِ ذوق اسکو حاصلِ شیون سمجھتے ہین
ہمین تک ہے فغان دلگداز و نغمۂ رنگین — ہمین کو خوشنوایانِ چمن شیون سمجھتے ہین

وہی قطرہ لہو کا حاصلِ قلب و جگر سمجھو
کہ وہ بھی جسکو محوی رونقِ دامن سمجھتے ہین

احسن سمبھلی ناظم حلقۂ ادبیہ

آہ کوئی بھی نہین جانِ پُر ارمان کی طرف — درد ہے دل کی طرف دل غمِ جانان کی طرف
زندہ در گور ہوا مین ترے ہاتھون اے زیست — کون لایا تھا مجھے عالمِ امکان کی طرف
چاہتا تھا کہ کرون اُنسے تغافل کا گلہ — عشق مجبور ہوا حسنِ پشیمان کی طرف
ہو چکا نذرِ قفس ذوقِ تماشائے بہار — اب مین چھوٹون بھی تو جاؤن گلستان کیطرف
اِک زمانہ ہے ترے عہد مین دیوانۂ حسن — لوگ کھنچ کھنچ کے چلے آتے ہین زندان کی طرف
جب نشیمن تھا تو صیاد بھی تھا برق بھی تھی — کون اب آتا ہے مجھ سوختہ سامان کی طرف

اک تماشا ہے مرا ذوقِ تماشا احسن
دیکھتے ہین وہ مرے دیدۂ حیران کی طرف

زمانہ

جلد ۳۸ اپریل سنہ ۱۹۲۲ء نمبر ۴

بدھ دھرم کا مستقبل

(مصنفہ از رائے بہادر پنڈت شیونرائن شمیم)

سر ولیم ہنٹر کی رائے تھی کہ ہندوستان مین ایک مرتبہ بودھ مت کی لہر آئیگی لیکن نتیجہ کا پتہ نہین کیا ہو، کیا درحقیقت کوئی آثار اس لہر کے معلوم ہوتے ہین؟

ہم چند واقعات ذیل مین درج کرتے ہین۔ ناظرین نتیجہ خود نکال لین۔

(۱) کلکتہ مین ایک عظیم الشان مندر بودھ مت کا بنگیا ہے (سری دھرم راجیکا چیتیہ وہار)

(۲) بودھ گیا کے مشہور مندر کی نسبت یہ تحریک نہایت سرگرمی سے ہو رہی ہے کہ ویشنو فقیر کی تحویل سے مندر نکال کر بودھ مت کے فقرا کے سپرد کر دیا جاے۔ وہان ایک لکچرہال بھی بنگیا ہے۔

(۳) صوبۂ مدراس مین ایک بودھ سوسائٹی بھی عرصہ سے قائم ہے۔

(۴) بودھ کی سلطنت کے وقت کی اتنی چیزین کھدائی سے برآمد ہوئی ہین کہ ہر ایک طالبعلم اور شائق تاریخ اُنکی جانب متوجہ ہے۔

(۵) اخبارون رسالون اور کتابون مین بودھ کے زمانۂ حکومت کے متعلق کثرت سے

واقعات شایع ہو رہے ہین۔

مندرجۂ بالا واقعات تو کھلے کھلے ہین۔ انکے علاوہ بعض ایسی باتین بھی ظہور مین آرہی ہین جنکی نسبت یہ تو نہین کہا جا سکتا کہ وہ برھمت کے زیر اصول کا نتیجہ ہین لیکن اتنا ضرور مترشح ہوتا ہے کہ بودھمت سے انکا بہت تعلق ہے اور وہ خود بخود نمایان ہوتی جاتی ہین

(۱) حیوانون کی قربانیان ہندو مندرون مین روز بروز روبہ زوال ہین۔

(۲) باطل رسمون کا ازالہ ہوتا جاتا ہے۔

(۳) مروجہ مذاہب مین بجاے اختلاف بیانی کے ہم آہنگی اور مساوات کی کوشش ہو رہی ہے۔

(۴) مسئلہ کرم یعنی مکافات عمل پر بہت زیادہ غور ہو رہا ہے۔

(۵) ذات باری کے متعلق بھی عام خیالات تبدیل ہو رہے ہین اب خدا تعالی کو لوگ ایک ہیبتناک خشمناک شخصیت نہین سمجھتے جو انسان کے مانند ہو۔ یا جو رات دن دعائین سنتا رہتا ہو اور گاہے گاہے اپنے نظام مین دست اندازی کرکے باقاعدہ قدرت مین استثنیات رکھتا ہو۔

(۶) ذات پات اور چھوت چھات کے قیود بھی رفع ہوتے جاتے ہین بلکہ بعض لوگون کا رجحان ہر مذہب اور ہر ذات مین ازدواج باہمی کرنے کا بھی ہے۔

(۷) حیوانی غذا کے استعمال کا بھی اتنا شوق نہین رہا۔ بلکہ بوجوہ چند و چند نباتاتی غذا زیادہ پسند خاطر ہونے لگی ہے۔ جانورون پر حتی الوسع بیرحمی کمی پر ہے۔

(۸) نشیات کا استعمال (مہاتما گاندھی کی بدولت) اب کمی پر ہے۔

(۹) پولیٹکل خواہشین یہان تک زور آور ہوگئی ہین کہ بعض جوشیلی طبیعتون مین مذہب کی صداقت کی جنبہ داری چھوڑ کر ہندوستان کے سب باشندون کو ایک مذہب مین منسلک کرنے کا خیال پیدا ہو گیا ہے۔

مندرجۂ بالا واقعات شاید ہمارے حسن ظن پر مبنی ہون۔ شاید بعض مقام پر ہمنے غلط اندازہ

کیسا ہو مگر اسمین کوئی شک نہین کہ بہت سے مندرجۂ بالا واقعات صحیح ہین۔

ہندی خاصتہ ہو گیا ہے کہ جب کسی اُصول یا کسی رسم یا کسی مسئلہ پر یورپین مُہر لگ جاتی ہے تو اُسکو فوراً قبولیت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپین کتابون کے مطالعہ سے جنمین بودھ مت کا ذکر ہے ہندوستان کے باشندگان کی توجہ اسطرف منعطف ہو گئی ہے۔

ہم اس امر کے جتلانے کی مبادرت نہین کرتے کہ آیا بودھ مت کی لہر ہندوستان مین آئیگی۔ اور آئیگی تو کب تک اور کسطرح سے آئیگی اور اُسکا کیا حشر ہوگا۔ ہم صرف اس پرچہ مین یورپ مین اس مت کی شہرت کا ذکر کرینگے پیشتر اسکے کہ ہم اس موضوع پر کچھ لکھین اتنا کہنا مناسب سمجھتے ہین کہ وہان اُسکی کافی شہرت ہو چکی ہوگی اگر پانچ سال کی جنگ عظیم اُسکے سدراہ اور مانع نہ ہو جاتی، خواہ یہ جنگ اور طرح سے بہت مُضر ثابت ہوئی ہے لیکن دل سب کے نرم ہو گئے ہین مصیبت اور صعوبت اسقدر ظہور مین آئی ہے کہ ہمدردی انسانی کے اظہار کے لیے جابجا مواقع پیدا ہو گئے ہین۔ مورخ بتلاتے ہین کہ شہنشاہ اشوک ایک جنگ کی آفتین دیکھکر ایسا نرم ہو گیا تھا کہ بدھ مت کا پیرو ہو کر آخر کار خود بھی بھکشو ہو گیا۔ یورپ کو بھی اب یا تو حضرت عیسیٰ کی تعلیم جو بدھ مت کے قریب قریب ہے عملاً ماننی پڑے گی یا وہ بدھ مت اختیار کرے گا۔ اب سُنیئے کہ:-

انگلستان مین ایک سوسائٹی انٹرنیشنل بدھسٹ یونین کے نام سے چند سال سے جاری ہے اسکی شاخین یورپ کے تقریباً ہر ایک ملک مین قائم ہین۔ انگلستان مین شہر ڈنسٹیبل (DUNSTABLE) مین ۲۲۔ نومبر گزشتہ کو اس سوسائٹی کے سکرٹری نے ایک نہایت عالمانہ لکچر اس دھرم پر دیا جسمین سات سو سامعین تھے۔ اس سوسائٹی کی کارگذاری پر پروفیسر سوزوکی (SDZ OKI) اڈیٹر اخبار ایسٹرن ہیرلڈ (جاپان) نے نہایت اطمینان ظاہر کیا ہے۔

جرمنی کی شاخ سکرٹری مسٹر اسکر اسکولس (MR OSKA RSCHLOSS) لکھتے ہین کہ جرمنی مین بودھ مت کی زندگی روز بروز ترقی پر ہے۔ بہت سی کتابین اس مضمون پر شایع ہوئی ہین دو رسالے جو اس دھرم کی تائید اور تبلیغ مین نکلا کرتے تھے باہم ایک ہو کر اب ایک متفقہ

رسالہ شائع ہوتا ہے۔

پروفیسر (CARLO FORMICHI) شہر روم سے لکھتے ہین کہ بدھ مت کے جاننے کا شوق روز افزون ساری اٹلی مین ترقی کر رہا ہے۔ سینٹ (SENATE) کے کئی ممبر اور کئی یونیورسٹی کے پروفیسر بدھ مت کے پیرو ہین اور اسکا پرچار کرتے ہین علی ہذا مسٹر انریسٹ ہافمین ( ) بھی شہر نیپلس سے یہی لکھتے ہین۔

فرانس سے مسٹر مالیرانک (MR MAL BRANCHE.) لکھتی ہین کہ بدھ مت کا مطالعہ جنگ کی وجہ سے چند سال کے لیے بند ہو گیا تھا اب پھر تازہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح سے ڈاکٹر لینارڈ (DR LENARD) شہر وانا سے لکھتے ہین کہ جنگ کی وجہ سے بدھ مت کا شوق پھیکا پڑ گیا تھا اب پھر تازہ ہو گیا ہے۔

ڈنمارک اور فنلینڈ مین سے اس دھرم کا پرچار زور شور سے ہو رہا ہے رشیا (RUSSIA) روس کی ابتری اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ وہان مدت کے بعد پرچار ہو گا۔

ناظرین جرمن قوم کے شوق کا اس امر سے اندازہ کر سکتے ہین کہ اُس ملک مین دو ہزار پانچسو چوالیس کتابین اس دھرم کے متعلق شائع ہو چکی ہین اور اگر جنگ اتنے سال جاری نہ رہتی تو اس دھرم کے پھیلنے کی بہت زیادہ توقع تھی

امریکہ مین بھی اس دھرم کا پرچار بہت تھا جنگ سے رُک گیا تھا اب پروفیسر اڈمنڈ EDMUND CEYLONE SVDHISTIC ANNAL تازہ کر رہے ہین

شمیم

تمام پولیٹکل زندگی مین ایک بات ہمیشہ میرے مدنظر رہی ہے میری رائے صحیح تھی یا میرا خیال غلط تھا لیکن میری یہ کوشش ہمیشہ رہی ہے کہ اپنے عقائد کے مطابق عمل کرون خواہ ہمین مجھے کتنی ہی دقت ہو۔

گاندھی

اکبر مرحوم کے چند خطوط

(۱۵)

الہ آباد ۲۳- فروری ۱۹۰۸ء

عنایت فرمائے من - آپ سے بہت نادم ہون - لیکن کیا کرون - کچھ لکھ لیتا ہون پڑھ نہین سکتا - قابل آدمی انتخاب کے لیے ملتا نہین - اب یہ ترکیب ذہن مین آئی ہے کہ زمانہ کے نام سے ایک کاپی الگ ہو اسمین آپ ہی کے لیے مضامین ہون - انشا اللہ کچھ مضمون جلد بھیجون گا - آپ کا پرچہ کب نکلے گا ؟

بہ سبب میری معذوری کے اشاعت کلیات مین بہت دیر ہوئی اور بہت خرچ ہو گیا - عشرت حسین نے اہتمام کیا تھا لیکن اب وہ عدیم الفرصت ہین - ایک کارڈ[1] آپ کے نام جاتا ہے براہ مہربانی اپنے پرچہ مین نمایان طور پر مندرج فرما دیجئے - آیندہ اشاعت کی نسبت سوچ رہا ہون لیکن خود اس جھگڑے مین نہین پڑا چاہتا - حال کا کلام بھی کچھ جمع ہو گیا ہے -

اکبر حسین

(۱۶) (کارڈ)

(بلا تاریخ)

ڈیر فرینڈ - کاتب کو پڑھا دینے کی وقت ہے اس سبب سے ہنوز مضمون نہین جا سکا - آپکا پرچہ کب شایع ہو گا - مین چاہتا ہون کہ کوئی موقع ہو مین کانپور آؤن اور آپ سے باتین ہون - کلیات اکبر کا اشتہار عشرت میان کی طرف سے دیجئے - "سید عشرت حسین ڈپٹی کلکٹر سیتاپور"

مین اسکے متعلق کام کرنے سے معذور ہون - عشرت حسین نے چھپوایا اور چارج لے لیا - مجھکو

---

[1] اسمین کلیات اکبر کا اشتہار تھا -

نظر ثانی کا اور انتخاب کا موقع نہیں ملا۔ مجھکو یقین ہے کہ آپ دوستانہ نگاہ سے دیکھینگے اگرچہ میرا مقصود و عمدہ ہے اور اکثر طعن کے پیرایہ مین نصیحت کی گئی ہے لیکن ممکن ہے کہ کلام ظرافت سابق مین کہین حد تہذیب سے تجاوز ہوا ہو۔

عظمت علی عشرت کے ایجنٹ بلکہ محرر ہین لیکن اُنکا نام رکھیے۔ اکبر

(۱۷)

الہ آباد - ۱۹ - اکتوبر ۱۹۰۹ء

عنایت فرمائے من۔ آپ کا خط پڑھکر پہلے ہی جو بات ذہن مین آئی وہ یہ تھی۔

عزیز از جان۔ یہ اُردو آپ کو کسطرح آگئی۔ آپ کہینگے بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ جی ہان یہ ایک بات ہے اور بڑی بات ہے۔

خیر صاحب اب کام کی باتون پر متوجہ ہون۔ کلیات کی جلد مین نے مخزن سے واپس منگالی چونکہ غلطیان بہت ہین اور کچھ اور ترمیم ضروری ہے اسلیے یہ کام باوجود میری معذوری کے میری ہی حاضری مین ممکن ہے۔ عشرت اگرچہ قابل منتظم ہین لیکن وہ بھی نہین کرسکتے۔ نہ وہ یہان ہین۔ ہان ایک کام ترتیب اشعار کا بھی ہے جو حتی الامکان مضامین کے مطابق ہونی چاہیے لیکن اول تو مین نے مصلحتاً مضامین کو خلط ملط رکھا ہے دوسرے یہ کام بغیر اسکے نہین ہوسکتا کہ مین خود انھون سے کام لون۔ خیر اسوقت جو کچھ ہوسکے ہوجانا چاہیے۔

جلد کلیات پر تصحیح اغلاط کے لیے نظر ثانی ہوتی جاتی تھی کہ آپ کا خط پہونچا۔ جیسی کرا کے اسی کو بھیجتا ہون جہان تک جلد ممکن ہو نشان کرکے اور مضمون کا حوالہ دیکر واپس فرمائیے وہی تین دن مین۔

اکبر

(۱۸)

بلا تاریخ۔ غالباً کسی خط کا جواب نہ پہونچنے پر تحریر ہوا ہے۔

مین نگاہون سے تمام کی گر گئے[1] بھنے مجھ سے زمانہ پھر گیا
تھی بتون سے مجھکو اُمید وفا میرے دل سے یہ خیال آخر گیا

[1] اکثر خطون مین پہلے اشعار تحریر فرماتے تھے اور پھر چند سطرین نثر مین اشعار درج رسالہ کردیے جاتے تھے خطوط اب یہ ناظرین ہین یہ اشعار پہلی مرتبہ شائع ہو۔ ناظرین

مجھ پر ستم بروز سلو[۵] نہ کیجئے — للہ بات مانیئے نو[۶] نہ کیجئے
کل کی[۷] صدا نہ جلوۂ نظرت نظر دید — بہتر یہی ہے خواہش نو[۸] نہ کیجئے

تو حشر کا منکر ہے جو اے فتنۂ دوراں — کہتا ہے کہ نیچر میں پتا اسکا کہاں ہے
نیچر ہی سے ابھرا ہے ترا قامتِ رعنا — نیچر ہی میں واللہ قیامت بھی نہاں ہے

عنایت فرمائے من۔ آپ نے میرے نیاز نامے کو داخل دفتر کر دیا۔ مجھکو بیحد افسوس ہے کہ کلیات میں میرے علم و ارادے کے بغیر بعض پرانے خارج شدہ شعر درج ہو گئے آپ نے مدد نہ دی میں ہنوز معذور و مجبور رہوں۔

اکبر

(۱۹)

الہ آباد ۱۵۔ اکتوبر ۹۔ ۱۹۰۸ء

ڈیر فرینڈ۔ میں نہایت ممنون ہونگا آپ بحوالہ صفحہ اشارات لکھدیجئے کہ کون سے اشعار قابل اخراج ہیں۔ زیادہ نہ ہونگے۔ اس باب میں آزادی سے کام لیجئے۔ میں مانوں یا نہ مانوں، لیکن غالباً سب بحثیں مان لونگا۔ اصل تو یہ ہے کہ کل کتاب ترتیب جدید کی محتاج ہے۔ بغیر اسکے بہت سے جواہر عوام کی نظروں سے نہاں ہیں لیکن یہ کام تو بغیر میرے نہیں ہو سکتا اور میں محتاج آنکھوں کا ہوں۔ خدا آپریشن کو کامیاب کرے تو سب کچھ ہو ورنہ بعد میرے کچھ ہوتا رہے گا۔

اسوقت وہ شعر جو پولیٹکل طور پر خطرناک[۹] (غالباً ایسا کوئی شعر نہ ہوگا) ہو یا شاعرانہ حد سے زیادہ خلاف تہذیب ہو، یا کسی مسلمان یا ہندو کو مذہباً برا دہ ہو (ایسا بھی کوئی شعر نہیں ہے) بدگمانی سے قیاسات کی اور بات ہے۔ میں نے تو آزادانہ کہا ہے۔ بہرکیف نہایت ممنون ہونگا حسب تحریر سابق اُن اشعار کا حوالہ دیجئے جو آپ کو قابل اخراج نظر آئیں۔ اگر آپ نہ کہتے اور دوسرے سے اطلاع ملتی تب بھی میں ترمیم کرتا۔

AH

---

[۵] ہندوستان کا تہوار جو برسات میں ہوتا ہے [۶] (نہیں نہیں) [۷] مشیں۔ [۸] فوٹوگراف [۹] زمانہ میں کلیات اکبر پر تنقید کے سلسلے میں یہ شکایت کی گئی تھی کہ مجموعہ میں بعض اشعار خلاف تہذیب بھی درج ہو گئے ہیں۔ خط میں بھی غالباً راقم نے یہی شکایت کی ہوگی، [۱۰] اکبر مرحوم نے اپنے عہد کے تمام اہم ملکی مسائل پر اظہار رائے کیا ہے اور انگریزی طرز معاشرت اور انگریزی حکومت دونوں کی خوب خبر لی ہے۔ تاہم وہ ہر وقت بہت محتاط رہنا چاہتے تھے۔ اس لئے

نوٹ۔ یہان تک جتنے خطوط شایع کیے گئے وہ سب ۱۹۰۷ء و ۱۹۰۹ء کے درمیان موصول ہوئے تھے۔ اب ذیل مین ۱۹۱۴ء و ۱۹۱۷ء کی خط و کتابت مین سے چند خطوط جو محفوظ رہ گئے ہین ہدیۂ ناظرین ہین۔ افسوس ۱۹۱۰ء و ۱۹۱۴ء کے درمیان کی چٹھیان کوئی باقی نہین ہین۔

(۲۰)

الہ آباد - ۱۲ جون ۱۹۱۴ء

مکرمی - آپ کا خط پہونچا - آپ سے قدیم اور دلی تعلق و محبت ہے - دلگیر[1] کا یہ کہنا تھا کہ انھون نے ایسے خیالات کا اظہار کیا۔ مین نے تو مناسب جواب بھی دیدیا تھا۔ آپ کچھ خیال نہ کیجیے اسوقت دنیا کا رنگ ہی دوسرا ہے۔ پریشانی، بدگمانی، بہت کچھ قابل معافی ہے . . . . .

. . . . . .

مین اپنا حال کیا لکھون۔ یہ عمر یہ علالت و ناتوانی۔ پھر یہ الم جانگزا۔ زندگانی بار ہے۔ کوئی تعلق نہین۔ کوئی اُمنگ نہین۔ عادتاً کبھی کچھ اشعار نظم کر لیتا ہون۔ بدقسمتی اور بعض صاحبون کی نادانی سے ایسی ہوا چلنے لگی ہے کہ سب کو بالخصوص متوسلان گورنمنٹ کو سخنگوئی مین بہت کچھ احتیاط فرض ہوگئی ہے۔ کیا ان حالات پر ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ ہم ایک اچھے زمانے مین ہین۔ حال مین مین نے چند اشعار موزون کیے تھے جسطرح اور اشعار مسودون مین بہ انتظار طبع حصہ سوم رکھے ہوے ہین اسی طرح انکو بھی رکھ چھوڑا تھا۔ لیکن یہ دیکھکر کہ بعض حضرات نے اخبارون مین شکایت طرز تعلیم کی ہے۔ اخبار انگریزی مین بھی دیکھا اُردو مین بھی .... (ناتمام) بقیہ حصہ کسیطرح گم ہوگیا ہے

(۲۱)

عنایت فرمائے سن۔ مین نے ایک قطعہ در باب تعلیم کے بھیجا تھا آپ کے کسی پرچے مین چھپا۔ اگر خلاف مصلحت ہو تو جانے دیجیے۔ اور کوئی مضمون بھیجو نکاشتی نوبت رائے صاحب کہان ہین کیا کرتے ہین۔ اپنی خیریت لکھیے۔

۲۔ اگست ۱۹۱۴ء

اکبر حسین

(۲۲)

[1] دلگیر صاحب نے غالباً زمانہ پر کچھ چوٹ کی تھی۔

الہ آباد - ۲۲ - جولائی ۱۹۱۵ء

عنایت فرمائے من - آنریری مجسٹریٹی کی مبارکباد دیتا ہون - آپ کی کارگذاری لائق داد ہے لٹریری قابلیت ہر محفل مین شمع بنا سکتی ہے - دل کا سا نچا ملائم ہونا چاہیے -

ہماری دُنیا تو ختم ہو چکی ہے - خدا اس سے مجبوری ہے -

افسوس ہے کہ آپ سے ملاقات نہ ہوئی - آپ ملتے تو بہت سی باتین ہوتین - خیر پھر کبھی زندگی شرط ہے -

اکبر حسین

(۲۳)

الہ آباد - ۲۸ - جنوری ۱۹۱۶ء

ڈیر نگم سلمہ اللہ تعالی - آپ کی محبت و سعادتمندی سے دل خوش ہوا - آپ کی جو کچھ ترقی ہو حق بجانب ہے - لیکن آپ نے قیمت[1] نہین تحریر فرمائی - یہی زحمت کیا کم تھی کہ آپ نے توجہ کی پارسل بھیجا خط لکھا

قیمت سے مطلع فرمائیے -

نسبت مبارک ہو

اکبر حسین

(۲۴)

الہ آباد ۱۸

ڈیر نگم صاحب[2] - خدا خوش رکھے

آپ داد بھی دیتے ہین خلعت بھی دیتے ہین - لوئی اوڑھکر آپ کا ریویو پڑھتا ہون اور تھینکس ادا کرتا ہون - اسکولی تفریق آپنے خوب کی ماشاءاللہ

ایک امر کی تصحیح ضروری ہے[3] - "جھوٹے ہین ہم تو آپ ہین جھوٹون کے بادشاہ" اسکا مصنف

---

[1] اولین ہل کے لوئی کی فرمائش تھی جسکی تعمیل پر یہ نوازش نامہ موصول ہوا تھا

[2] "اردو شعرے حال" کے عنوان سے زمانہ اکتوبر ۱۹۱۵ء مین کلام اکبر پر ایک تنقیدی مضمون شایع ہوا تھا - اسپر

[3] اسی تنقیدی مضمون مین یہ شعر عام خیال کے بموجب جناب اکبر مرحوم سے منسوب کیا گیا تھا -

ہیں نہیں ہوں - خود اودھ پنچ یا اُسکا کوئی نامہ نگار ہے - امید کہ آپ نوٹ کر دیجئے - اسی طرح ایک شعر "ہوم رول لینگے - گولر کا پھول لینگے" میرے نام سے مشہور ہو گیا ہے - حالانکہ اسکے مصنف اور مستحق داد برادرم نواب شیخ احمد حسین صاحب تعلقہ دار پریاوان ملک اودھ ہیں - میں ۵ - سے ۸ - اکتوبر تک سخت بیمار رہا - مسہل سے افاقہ ہوا، ہنوز ناتوان ہوں - آپ میری مدح کرتے ہیں میں جھک کر سلام کرتا ہوں - لیکن اب میں قومی شاعر نہیں رہا - نہ ایسی قابلیت ہے

چو بادِ صبا بر گلستان وزد ۔ چمیدن درختِ جوان راسزد

مغموم و افسردہ اُمیدوار آخرت گوشۂ عزلت میں پڑا ہوں - ہر کسے بجز وزنوبت اوست،

اکبر

(۲۵)

ڈیر سر - اُدھر میں نے خط لکھا اِدھر آپ کا خط پہونچا - دل کو دل سے راہ ہے - آپ میری بہت مدح کر چکے ہیں - آپ کی بصیرت قابل داد ہے - ایسے لائق سخن شناس کم ہوتے ہیں - میں نہ رہونگا لیکن آپ میری یاد کو بہت دن زندہ رکھیں گے -

اکبر حسین

۱۹۲۲

(کارڈ) (۲۶)

الہ آباد - ۴ - مئی ۱۹۲۲ء

ڈیر فرینڈ - سابق میں سُنا تھا کہ آپ کی طبیعت صحیح نہیں - پھر مدت سے کچھ حال نہیں معلوم ہوا اُمید ہے کہ خیریت سے اطلاع دیجئے - میں خود بمشکل زندوں میں شمار ہو سکتا ہوں - لیکن آپ محب قدیم ہیں یاد آہی جاتی ہے -

خاکسار اکبر

(کارڈ) (۲۷)

۲۷ - مئی ۱۹۲۲ء

عزیزم سلمہ - اول تو آپ کے بزرگوں سے مجھے مراسم تھے - دوسرے آپ میرے بہت ابتدائی پبلشروں میں سے ہیں - تیسرے قیمتی تحالف[1] - چوتھے آپ کی سلامت روی - ان وجوہ سے آپ کو یاد رکھتا ہوں - اور نیاز نامہ لکھتا تھا - ورنہ میں اب بہت کچھ معذور

[1] تحالف واحقہ - یہ لفظ مجھے بزرگانہ ناز سے کاظ ار ہے -

ہون اور معذور ہوتا جاتا ہون۔ نہ نشاط طبع ہے نہ حرص فردا۔

بہرکیف آپ کا ارشاد پیش نظر رہے گا۔ A·H

(کارڈ) (۲۸)

الہ آباد ۲ ۱/۲

ڈیئر سر۔ کلام مرحوم حصہ دوم حال مین شایع ہوا ہے۔ اسکی ایک کاپی مصنف صاحب نے مجھکو بھی عنایت فرمائی تھی۔ مجھکو یاد نہ رہا تھا کہ مین نے اُسکے ٹیبل پیج پر چار مصرعے لکھ دیے تھے اسوقت میرے ایک نوجوان دوست حسن عزیز صاحب بھوپالی نے خیال دلایا۔ لہذا وہ تضمین ارسال خدمت کرتا ہون۔

رنجور و ناتوان اکبر

ہے داد کا مستحق کلام مرحوم — لفظون کا جمال اور معانی کا ہجوم
ہے اُنکا سخن مفید و دانش آموز — اُنکی نظمون کی ہے بجا ملک مین دھوم[1]

(۲۹)

۲۴۔ نومبر سنہ ۱۹۲۰ء

میرے محترم عنایت فرما۔ بیماری، ناتوانی، تردد ات، نے نکما کر دیا ہے جسکم کو ٹال نہ سکا۔ بہ مشکل کچھ اشعار نقل کرکے ارسال خدمت کرتا ہون۔ قدر افزائے اکبر کو خدا خوش رکھے ۲۴/۱۱/۲۰ اکبر

---

[1] یہ اشعار زمانہ مین شایع کر دیے گئے تھے جسپر ہمارے عزیز دوست مرحوم صاحب نے ایک خط مورخہ ۲۱۔ مئی سنہ ۲۱ء مین جناب اکبر کا شکریہ ان الفاظ مین ادا کیا ہے

پانچ نمبر مین حضرت اکبر کی رُباعی کلام مرحوم کے متعلق پڑھی۔ مناسب ہے کہ زمانہ ہی مین اس شکریہ ادا کیا جائے۔ لہذا ایسا ہو گا اگر زیر ترتیب نمبر مین یہ رُباعی شایع فرما دیجئے۔

رُباعی

طبع موزون خدا نے بر تر سے ملی — تاثیر کلام قلب مضطر سے ملی
آیا مجھکو یقین کہ شاعرون مین — جب داد سخن جناب اکبر سے ملی

اکبر کا مذہبی نقطۂ نظر

فلسفی، پولیٹیشن اور لکچرار خواہ کچھ ہی کیون نہ کہین، لیکن مسلمانون کے تنزل اور تذلیل کی زیادہ تر وجہ مذہب اور مذہبی فرائض کی غلط فہمی اور کلام اللہ سے عام بے توجہی ہے، اور جب تک یہ حالات درست نہونگے اُسوقت تک ترقی اور نشو ونما کی کوئی اسکیم کامیاب نہین ہوسکتی - یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسکا اعتراف ہر سمجھدار شخص کو ہے، مگر بدقسمتی سے ہملوگون مین ایک فرقہ ایسا پیدا ہوگیا ہے جو کلام مجید اور اُصول مذہب کو اپنی مخصوص ملکیت سمجھتا ہے اور مسلمانون یا عام عالم انسانیت کو اسکا اہل نہین سمجھتا اور حدیث وفقہ کی چند کتابون کا پڑھ لینا تکمیل ایمان واسلام کا مرادف سمجھتا ہے - کلام اللہ مین غور وخوض کی ہدایتین جسقدر تکرار آئی ہین اُسقدر شاید ہی کسی دوسرے رکن مذہب کے متعلق ہون لیکن اگر کوئی شخص جو مذکورۂ بالا فرقہ کا نہین ہے مسائل اسلام پر غور وخوض کرتا ہے اور اسلام کا سچا درد لیکر اپنی سمجھ کے مطابق رسول خدا کے اصلی پیغام کو عوام الناس تک پہونچانا چاہتا ہے تو اُسے کافر ملحد کا لقب ملتا ہے - اس قسم کے نظام کی فطرتاً جو خرابیان ہوتی ہین وہی ہو بہو اس وقت کے مسلمانون مین موجود ہین اور صدیون کی روایات نے اسکی زنجیرون کو اسقدر جکڑ دیا ہے کہ اس قوم کا عہدہ برآ ہونا دشوار ہے - ہر شخص جانتا ہے کہ آجکل مسلمانون مین نام نہاد نماز کے پڑھنے والے اور تراویح اور شبینہ کے گردانے والے نسبتہً دیگر مذاہب کے پابند مذہب لوگون سے زیادہ ہین، لیکن باوجود اسکے دقیق النظر علماؤن، فلسفہ وسائنس دانون، سائنٹفک اختراعات کرنے والون اور ریل اور ہوائی جہاز بنانیوالون مین اگر دیکھا جائے تو شاید ہی کوئی مسلمان نظر آئیگا - برعکس اسکے شرابیون، قمار بازون، اوباشون اور جرائم پیشہ لوگون اور جاہلون کی فہرست مین ان نامون کی کوئی کمی نظر نہ آئیگی - اب یا تو ان الصلوٰۃ تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر

کو نعوذ باللہ غلط سمجھے اور یا یہ کہیے کہ ہماری عبادتوں پر عبادت کا اطلاق ہی غلط ہے کیونکہ اٰمنوا باللہ وبالیوم الاٰخر وعملوا الصالحات کے تین اہم اُصول جو اسلام کے روح روان ہین، اُنکا تو کہین پتہ نہین، اور رفع یدین، آمین بالجہر، اور ہاتھ باندھکر یا کھولکر نماز پڑھنے پر سارے اسلام کا دار مدار ہے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ سُنی، قادیانی، وہابی، غیر مقلد وغیرہ وغیرہ تو ہزارون ہین لیکن مسلمان بہت کم نظر آتے ہین۔

اکبر مرحوم نے اس نکتہ کو بخوبی سمجھ لیا تھا اور گو وہ بظاہر انھین ملّانون کے بتائے ہوے طریقے پر چلتے تھے لیکن انکی نظرین انکی ظاہری بود و باش سے بہت ارفع تھین اور انھون نے اپنی شاعری کے ذریعہ سے مسلمانون کے کان کھولنے کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا۔ وہ ایک زبردست مصلح قوم تھے لیکن اُنکی طبیعت صلح کُل تھی، اور کہنے کو تو وہ سب کچھ کہتے تھے اور سُننے والون پر اثر بھی ڈالتے تھے، لیکن اُنکی سخت سی سخت بات بھی سُنکر کوئی اُنسے ناراض نہوتا تھا۔ اُنھون نے جہان کہین اور جس شخص مین کوئی خرابی دیکھی، وہین پر صاف صاف کہدیا، لیکن وعظ و نصیحت کی خشکی پر مذاق اور ٹھٹھول کا روغن تازہ ملکر ع

کلوخ انداز را پاداش سنگ است

کی زد سے بچ گئے اور باوجودیکہ وہ عمر بھر ملّانون سے احتراز کا وعظ کرتے رہے لیکن اُنپر کفر یا الحاد کا فتوی نہین لگا، اور یون ہی ہنستے کھیلتے وہ جو کچھ کر گئے وہ ہدایہ اور قدوری والون سے حشر تک بھی نہین ہوسکتا تھا۔

اکبر کا مذہبی معیار جانچنے کے لیے کلیات اکبر مین بہت کافی مصالحہ موجود ہے اور نقاد اور دقیق نظرین انمین اس عظیم الشان شاعر کے دماغی نشو و نما کے تمام مدارج دیکھ سکتی ہین۔

سب سے پہلی بات جو کلام اکبر مین ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اکبر مرحوم بہت پکے موحد تھے اور ایمان اور خلوص اُنکے مذہب کا اصل اصول تھا۔ فرماتے ہین۔

جو اصل کا دین ہے وہ فقط وحدت فقط اک ہو　　مذاہب کو بہت جانچا بس اپنے منھ میان مٹھو

(ملاحظہ ہو کلام باری تعالی جل شانہ لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق ولکن البران اٰمن باللہ الخ)

فلسفیونمین یہ مسئلہ مدتون سے مابہ النزاع ہے کہ بہترین نیکی (SUMMUM BONUM) کیا ہے لیکن آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے یہ مسئلہ نہایت ہی صاف الفاظ مین حل کر دیا گیا ہے۔ کاش مسلمان پڑھتے اور سمجھتے! اسی توحید اور ایمان کی طرف اکبر مرحوم نے بار بار اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہین

ہر شیخ یہ کہتا ہے عقاید ہین تو یہ ہین — توحید یہ کہتی ہے زوائد ہین تو یہ ہین

اور اس معاملہ مین اکبر مرحوم کا ایمان اسقدر پختہ تھا کہ وہ اسکے سامنے کسی چیز کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ فرماتے ہین۔

شرک چاہے بہائے میرا لہو — مین نہ چھوڑون گا لا شریک لہٗ

خالی خولی ٹکرین لگانا، جیسے آجکل کی اصطلاح مین نماز کہا جاتا ہے، اسے اکبر مرحوم نجات کیلیے کافی نہین سمجھتے تھے اور انھون نے دیکھ لیا تھا کہ یہ نماز وہ نہین ہے جسکی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور جو واقعی فحشا و منکر سے بچانیوالی ہے۔ فرماتے ہین۔

دوش از صحن حرم آمد بہ کاچ قوم ما — دیدنی گردیدہ است اکنون صلوۃ و صوم ہا

لیکن خضوع و خشوع محض حدیث و فقہ پڑھنے سے نہین حاصل ہوتا بلکہ یہ ایک قلبی کیفیت پر مبنی ہے جسکا نام ایمان ہے، اور ایمان مظاہر قدرت کے مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ فرماتے ہین

حدیث و فقہ پڑھکر شیخ بنا خوب ہو لیکن — زمین و آسمان کو دیکھکر پہلے مسلمان ہو

پھر فرماتے ہین۔

کرتے پھرتے ہو یہی تحقیق کسنے کیا کہا — اپنے دل کی بھی خبر تو لو کہ اسنے کیا کہا

. . . . . .

کہ گئے واعظ فسانے یہ بھی اکبر غور کر — تجھسے فطرت کی زبان مین تیرے حق نے کیا کہا

تاہم اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ علوم مروجہ اور فلسفہ سائنس دیکھکر آدمی مذہب پر رائے زنی کرنے کا اہل ہو جاتا ہے تو یہ بھی نہین ہے۔ فرماتے ہین۔

اسطرف تو نے ہسٹری رٹ لی — اسطرف جاکے فلسفہ بھانکا

لیکن اکبر خیال عقبےٰ مین — نار و جنت کو بھی کبھی جھانکا

(کلام پاک:- الھٰکم التکاثر حتی زرتم المقابر... لترون الجحیم ثم لترون الجحیم..... ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم)

غرضکہ وحدت کا احساس علوم فنون اور فلسفہ و سائنس سے بالاتر ہے اور منطقی مباحث سے ایمان کی تکمیل ناممکن ہے۔ فرماتے ہین۔

خدا کے باب مین یہ غور کیا ہے ؟ خدا کیا ہے، خدا ہے اور کیا ہے!

(کلام پاک: یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی

اس روحانی راستہ کے لیے رہنما کی ضرورت نہین ہے بلکہ جسقدر خلوص اور لگاؤ ہوگا اُسی قدر راستہ سہل ہوگا۔ فرماتے ہین:۔

ضرورت کم ہے راہِ عشق مین خضرِ ہدایت کی بقدرِ شوق سالک خود کشش ہوتی ہے منزل سے

غالب کہتا ہے:۔

لازم نہین کہ خضر کی ہم پیروی کرین مانا کہ اِک بزرگ ہین ہم سفر ملے

لیکن اسکے بعد ہی جب ہم اکبر ہی کے کلام مین یہ شعر دیکھتے ہین کہ:۔

عاقبت کیلیے کافی ہے فقط ذکر خدا سو شل اغراض کو کچھ پیر بنا رکھے ہین

اور نیز:۔

شیخ جی بھی وہی کرتے ہین جو سب کرتے ہین اب تو ہم مصلحتاً اُنکا ادب کرتے ہین

تو ہمین نظام معاشرت کی اُن زبردست زنجیرون کی قوت کا احساس ہوتا ہے، جنکا توڑنا ہر شخص کا کام نہین اور جنکی طرف خود ہی اکبر مرحوم نے اشارہ کیا ہے:۔

پھلاؤین کھاتے ہین جیتے ہین پکڑتے ہین شیخ جی کا دامن
مگر مشینین جو چل رہی ہین اُنھین مین پسے گھسٹ رہے ہین

اس نقطۂ خیال کو ہم کہان تک اکبر مرحوم کی اخلاقی کمزوری کہہ سکتے ہین، اس بحث کی ہم اس جگہ گنجائش نہین دیکھتے، لیکن ایسی حالت مین جبکہ ہماری سوسائٹی کا سارا نظام بگڑا ہوا ہو اور بقول اکبر:۔

کیا ناز ہو ایسی ساعت پر، افسوس ہے ایسی حالت پر
یا جھوٹ کہے یا کچھ نہ کہے، یا کفر کرے یا کچھ نہ کرے

ایک شخص کا بلا لحاظ کفر و الحاد کے فتوون کے کھڑا ہو کر حقیقت حال سے باخبر کرنا بذات خود

ایک نہایت ہی اہم کام ہے اور اکبر مرحوم ایسی صورت مین ہر طرح سے قابل تحسین اور محسن قوم ہین اور جو راستہ انھون نے دکھا دیا ہے اگر اُسکی طرف آیندہ نسلون نے کچھ بھی توجہ کی تو یہ ایک مہتم بالشان کام ہوگا۔

اس وقت نظری اور عالی خیالی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اکبر مرحوم ہر قسم کے مذہبی تعصبات اور تنگ خیالیون سے بالاتر تھے اور اُنھون نے کلام پاک کے اس رمز کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ اشخاص قابل نفرت نہین ہوتے بلکہ افعال ہوتے ہین۔ فرماتے ہین:۔

میرے نزدیک تو بے اصل یہ اشکال ظاہرین جو اچھے ہین وہ مومن ہین بُرے جو ہین وہ کافر ہین

اور نیز:۔

اچھا بُرا نہ کہدو تم مذہبی بنا پر اخلاق اُسکے دیکھو اصلی تو ہین یہ جوہر

اور اسی لیے اُنھین مذہبی مباحث سے نفرت تھی۔ فرماتے ہین:۔

مذہبی بحث مین نے کی ہی نہین فالتو عقل مجھ مین تھی ہی نہین

اور ایسے مباحث کو وہ قومی ترقی کے منافی سمجھتے تھے:۔

لات و عزیٰ سے چھُٹے تو زید و خالد مین پھنسے فائدہ کیا خلق کو پہونچا در اسلام سے

کاش ہمارے مسلمان بھائی اس باریک نکتہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے تو اُنھین معلوم ہوتا کہ رسول کریم کے بتائے ہوئے راستہ سے ہم کتنی دور ہٹ گئے ہین

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ وعظ فرما رہے تھے کہ سامعین مین سے ایک صاحب کو حال آگیا اور وہ جھومنے لگے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ انھین مسجد کے مینار پر لیجاؤ اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ ابھی سے اسلام مین اس قسم کے فسادات پیدا کرنے لگے۔ آج ہمارے یہان ایک فرقہ حال و قال کو اصل مذہب بنائے ہوئے ہے اور دوسرا فرقہ محض ظاہری اور سطحی باتون پر کٹا مرتا ہے۔ اکبر مرحوم نے اپنی دقیق نظرون سے دیکھ لیا کہ یہ دونون فرقے راہ راست سے علیحدہ ہین:۔

جو حرا کے جاننے والے تھے صوفی ہوگئے داستان بدر والے شیعہ سنی ہوگئے

انسان کا جسم روح اور مادہ سے مرکب ہے اور سچے مذہب کا یہ کام ہے کہ وہ ان دونون کی

نگہداشت کرے اور دونون کی بحیثیت مجموعی ترقی کے وسائل بتائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اسکا ایک بہترین نمونہ تھی لیکن افسوس ہے کہ اس زندگی کے ہمنے ٹکڑے ٹکڑے کردیے اور ایک ایک حصہ کو لیکر سیکڑون فرقے بناڈالے۔ اکبر مرحوم نے اس شعر مین اشارۃً کہدیا ہے کہ اصلی اسلام اس پاک زندگی کے بحیثیت مجموعی مطالعہ کا نام ہے نہ کہ اسکی محض جزوی اور فروعی تقلید کا۔ آجکل بعض مسلمان کو اپریٹر شدومد سے اسکے مدعی ہین کہ اہنسا یا عدم تشدد اُنکے مذہب کے خلاف ہے لیکن اُنھون نے شاید اُسپر غور نہین کیا کہ یہ خیال بھی رسول اللہ کی زندگی کے ٹکڑے ٹکڑے کردینے سے پیدا ہوا ہے تاہم یہ بحث بھی خالی از طوالت نہین۔

لیکن باوجود اس احساس کے اکبر مرحوم کی شاعری کا رجحان زیادہ تر خالص روحانیت کی طرف ہے جسکی وجہ غالباً بعض پرانوئیٹ حالات اور زندگی کے تلخ تجربات ہین۔

بہرحال اکبر مرحوم کے نزدیک مذہب ایک زندہ حقیقت تھی اور محض چند عقاید یا سطحی فروعات کے مجموعہ کا نام مذہب رکھنا اُنکے نزدیک ناجائز تھا۔ فرماتے ہین:-

جب قدم راہ طلب مین نہ بڑھے اے اکبر — بیٹھکر پانون ہلانے کا نتیجہ کیا ہے

ایک جگہ اور فرمایا ہے:-

آسمو مین تو سب کے آگے ہین — اعلو، مصالحات مشکل ہے

اس سلسلہ مین اکبر مرحوم نے عقل و مذہب کے تعلق کو اس خوبی سے دکھایا ہے جسکا جواب ممکن نہین:-

عقل مذہب سے دوستی رکھے — نہ تو دشمن ہو اُسکی اور نہ غلام

لیکن دوستی بغیر ایک دوسرے کے خصائل جانے ہوے اور طبیعت کا اندازہ کیے ہوئے پائیدار نہین ہوتی اسلیے اکبر مرحوم نے ان دونون کے افعال و خواص بھی الگ کردیے ہین۔ فرماتے ہین۔

خوب اکبر نے یہ اڑائی تان — عقل ہے آنکھ اور مذہب کان

گناہ اور ثواب کے متعلق فلسفیون اور علماؤن مین بہت کچھ چھیڑ چھاڑ چلی جاتی ہے لیکن اکبر مرحوم نے اپنی فطری ذکاوت سے اس مسئلہ کو بھی اسطرح حل کردیا ہے کہ شک و شبہ کی گنجائش نہین رہی۔ فرماتے ہین۔

شگفتہ پایا طبیعت کو بعد کار ثواب دلیر دل کو نہ پایا کبھی گناہ کے بعد

ایک اور نہایت ہی مہتم بالشان مسئلہ جو قضا و قدر کے نام سے مشہور ہے۔ اکبر مرحوم کے نزدیک نہایت ہی سہل تھا اور مندرجۂ ذیل شعر پڑھکر ہر شخص یہی سمجھنے لگے گا۔

دست قدرت میں ہی یہ خاک چمن اے اکبر اس سے کیونکر یہ کہوں پھول ہی بن خار بنیں

مغربی حکومت اور مغربی تہذیب کے رواج کا جو تباہ کن اثر عام ہو رہا ہے اس سے اکبر مرحوم بیخبر نہ تھے اور اس معاملہ میں آپ نے ابنائے قوم کے کان کھولنے کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا فرماتے ہیں:۔

وہ اسکو محو کلیسا بنا کے چھوڑینگے اس اونٹ کو خر عیسیٰ بنا کے چھوڑینگے

علماء کا طبقہ اس اثر سے سب سے زیادہ متاثر ہے اور اکبر مرحوم کی دور بین نگاہیں اس نکتہ کی تہ کو پہونچ جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں۔

کیا ہے باقی جناب قبلہ میں کچھ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے

یہی وجہ ہے کہ اکبر مرحوم زمانہ حال کی تہذیب کی ظاہری نمائشوں کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اسے مذہب و قوم کے لیے سم قاتل سمجھتے تھے فرماتے ہیں۔

فلسفہ اُنکا اُنھیں کی چال کا ہمدرد ہے
اُنمیں دولت خیز ہے اور ہم میں مذہب نوش ہے

اس نظام معاشرت کی مذمت میں اکبر مرحوم کے ہزارون اشعار ہیں لیکن طوالت اور خلاف موقعہ ہونیکے لحاظ سے اسی پر اکتفا کیجاتی ہے

اوپر کی مختصر بحث اکبر مرحوم کے مذہبی نقطۂ نظر کا ایک سرسری خاکہ ہے اور ہم اپنے یہاں کے مشاہیر اہل قلم کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اس حیثیت سے کلام اکبر کا مطالعہ کریں اور اسکی باضابطہ تنقید و توضیح سے ایک اہم قومی خدمت انجام دیں۔

رحم علی الہاشمی

سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر انڈیپنڈنٹ، الہ آباد

عشاق عرب

ذرعہ اور ظریفہ

(۱)

فطرت نے حسن وجمال کو وہ دلکش تاثیر عطا فرمائی ہے کہ پتھر کا دل رکھنے والا انسان بھی اُسکے اثر سے متاثر ہو جاتا ہے اُن سرکش اور مغرور ہستیوں کی گردنیں بھی اُسکی بارگاہ میں جھک جاتی ہیں جو کسی کے آگے سر جھکانا اپنی توہین سمجھتی ہیں، کسی حسین و جمیل کی نشیلی آنکھوں کا خفیف سا اشارہ نظام تخیل کو درہم برہم کر دینے کے لیے کافی ہے،

سرزمین عرب کی جنون خیزی اور عشق پرستی ہمیشہ سے مشہور ہے، صفحات تاریخ شاہد ہیں کہ اس عشق آفرین خطہ نے قربان گاہ حسن پر کتنی قربانیاں چڑھائی ہیں، ہر دور میں کوئی نہ کوئی مثال ایسی ملتی ہے جسکے دامن میں عشق کی ناکامیوں اور نامرادیوں کی خونین داستانیں پنہاں ہوتی ہیں وہاں کی خاک میں خدا جانے کتنے دلوں کے ذرے اور روحوں کی چمک میں نہ معلوم کتنے مہ جبینوں کے جلوے شامل ہیں۔

اسی جنون نواز سرزمین پر ذرعہ بھی گزرا ہے جو اپنے وقت کا قیس تھا، اُسکا تعلق عرب کے مشہور حسن پرست و عاشق مزاج قبیلہ "بنی عذرہ" سے تھا۔

ذرعہ ایک دفع شکار کی جستجو میں چند سایہ دار درختوں کے پاس سے گزرا جنکے سایہ کو عرب کے تھکے ہوئے خستہ حال مسافر شدت گرما سے عاجز و تنگ ہو کر نعمت عظمیٰ سمجھتے ہیں۔ سامنے ایک تالاب تھا جسکے کنارے بہت سی عورتیں نہا دھو رہی تھیں ان سب سے الگ ایک نوجوان دوشیزہ کنارے پر پانی کی طرف منہ کیے کنگھی کر رہی تھی اُسکے لمبے لمبے سیاہ بالوں نے سارے جسم کو ڈھانپ رکھا تھا گھنے بالوں میں اُسکا حسین چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شب تار میں ماہ تمام نکل آیا ہے،

نوجوان نے جون ہی اُسکی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا عذری خون رنگ لایا، حُسن کی تاثیر رگون مین بجلی کی طرح دوڑ گئی اور وہ دفعتہً بیہوش ہو کر گر پڑا۔

نازنین بال سنوارنے مین مشغول تھی اُسنے ایک راہ چلتے کو اسطرح یکایک گرتے ہوئے دیکھا تو ازراہ انسانیت وہمدردی اُسکے پاس اُٹھکر آئی اور بیہوش دیکھکر مُنھ پر پانی کے چھینٹے دینے لگی نوجوان کو ہوش آیا تو اُسنے نہایت حیرت کے ساتھ دیکھا کہ جس غارتگر عقل وہوش نے اُسکے دل وجگر کو زخمی کیا تھا وہ اب مرہم رکھنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ اُسنے نہایت تعجب سے کہا

"کیا کوئی قاتل قتل کے بعد مقتول کو اسطرح زندہ کرنے کی (بھی) کوشش کرتا ہے"، نازنین نے اسکا ملطف آمیز جواب دیا جو جذبات محبت سے لبریز تھا۔

"مینے اسوقت جو کچھ بھی آپ کی خدمت کی اُس سے آپ کی فوری شکایت رفع ہوگئی اور اسکے بعد آپ کو مجھسے کسی قسم کی شکایت کرنے کا موقع نہین رہا"، دیر تک وہ ذرعہ سے اسی قسم کی محبت آمیز باتین کرتی رہی جس سے اُسکے دل کو بہت کچھ تسکین ہوئی اور اُسکی بیقرار روح جو حالت اضطرار مین مائل پرواز تھی پھر جسم مین واپس آگئی مگر اب نازنین بھی تیر عشق سے اپنے دل کو محفوظ نہ رکھ سکی اُسکے دل مین بھی سچی اور پاک محبت کی لہرین اُٹھنے لگین اور اسطرح حضرت عشق کے مقتولون مین دو کشتگان محبت کا مزید اضافہ ہوا۔

ذرعہ کی طبیعت مین اطمینان وسکون پیدا ہوا تو اُسنے شکار کا ارادہ فسخ کر کے مکان جانا ہی مناسب سمجھا اُسنے افسوس کے ساتھ کہا "شکار کھیلنے آئے تھے مگر آہ کیا خبر تھی کہ (خود ہی) کسی کے خنجر ناز سے شکار ہو جائین گے"، اور ذیل کے اشعار پڑھتا ہوا مکان کی طرف روانہ ہوا۔

خرجتُ اُصید الوحش صادفت قانصًا

من الدیم صادتنی سریعا حبائله

مین وحشی اور جنگلی جانورون کا شکار کرنے گھر سے نکلا تھا کہ مین نے سفید جال والی ہرنی کو دیکھا اور (قبل اسکے کہ مین شکار کھیلون) اُسکے پھندون نے خود مجھے بہت جلد پھانس لیا۔

فلما رمانی بالنبال مسارعا رقانی واهل میت یداویه قاتله

اور جبکہ اس تیزی کے ساتھ وہ میرے دل وجگر پر تیر مار چکی تو اس اُمید مین کہ مین اچھا ہو جاؤن

مجھ پر افسوں پڑھنے لگی (لیکن) کیا کوئی قاتل قتل کے بعد مقتول کی چارہ سازی بھی کرتا ہے،

الا فی سبیل اللہ صب قد انقضے ولم یبلغ مرادا یجا و لہ

آگاہ رہ کہ ایک سرگشتہ و مجنون محبت کے راستہ مین بہت جلد گزر گیا مگر حالت یہ ہے کہ وہ اپنے مقصود کو ابھی تک نہین پہونچا۔

(۲)

گھر پہونچا تو حالت ہی دوسری تھی، دل کے ساتھ اسکے چہرے کا رنگ بھی بدل چکا تھا "عشق" نے اُسکی تمام باتون مین انقلاب پیدا کر دیا تھا مکان کے گوشہ مین پڑے رہنے اور جوش عشق مین اشعار پڑھنے کے سوا دوسرا شغل نہ تھا اُسکی مان نے اُسکی حالت مین یہ تغیر اور اُسکے چہرہ پر حزن و اضمحلال کے آثار نمایان دیکھے اور تنہائی مین عشقیہ اشعار پڑھتے سُنا تو سمجھ گئی کہ ضرور کسی نے اُسے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اُسے قسمین دلائین کہ صحیح واقعہ اور گزری ہوئی مصیبت سے اطلاع دے، مان کے اصرار پر اُسنے اپنے درد دل کا اظہار کر دیا۔

بیٹے کی فریفتگی کا حال سُنکر اُسے سخت فکر پیدا ہوئی اور اُس "سفید ہرنی" کی جستجو مین جسکی آنکھون نے اُسکے بیٹے کو بیمار بنا دیا تھا، گھر سے نکل پڑی۔

حُسن اتفاق سے وہ حسین نازنین بھی خود اُسی کے قبیلہ "بنی عذرہ" کی لڑکی تھی اُسکا نام ظریفہ بنت صفوان تھا۔ ذرعہ کی مان کو اسکا علم ہوا تو وہ ظریفہ کے پاس گئی اور خلوت مین بیٹے کی حالت زار سے مطلع کیا اور نہایت لجاجت سے کہا "ظریفہ۔ ایک مقتول ناز کی زندگی تمھارے اور صرف تمھارے ہاتھ ہے اگر تم اُسے زندہ دیکھنا چاہتی ہو اگر تمھاری خواہش ہے کہ اُسکے مرض عشق مین تخفیف ہو جائے۔ تو اُسکی صرف ایک صورت یہ ہے کہ تم اُسکی بیقراریون پر رحم کرو"

ظریفہ نے اُسکے جواب مین کہا آپ جو کچھ فرما رہی ہین میری خود بھی یہی آرزو ہے لیکن یاد رہے کہ مخالفت کرنیوالے بہت ہین، اگر کہین محبت کا راز افشا ہو گیا تو دشمن تو دشمن خود دوست بھی بدخواہ ہو جائینگے۔ مناسب یہ ہے کہ میرے سر کا بال لیجا کر آپ اُنھین دیدین اگر انھین میرے ساتھ سچا عشق ہے اور پاک و بے لوث محبت، تو اسکے پاس رکھنے سے انھین یقیناً شفا ہو گی، یہ کہکر اُسنے سر سے ایک بال توڑ کر ذرعہ کی مان کو دیدیا وہ اس سوغات کو بیٹے کے پاس

لیکر آئی ذرعہ نے اس نایاب تحفہ کو دیکھا تو وفور شوق سے بیخود ہو کر اُسے چومنے لگا۔ نہ معلوم اس بال مین کیا تاثیر بھری تھی کہ ذرعہ کی مضطرب و بیچین طبیعت سنبھلنے لگی، رفتہ رفتہ اُسکی بیقرار یان سکون پذیر ہوئین اور بھوک پیاس جو بالکل بند ہو چکی تھی پہلے کی طرح عود کر آئی اور دفعتہً وہ مرض جو کمزوری و ضعف کے باعث اُٹھنے بیٹھنے سے معذور رکھتا تندرست ہو گیا۔

اب اُسمین اتنی سکت آگئی تھی کہ ظریفہ کے گھر سے کچھ دور کھڑا ہو کر دزدیدہ نگاہون سے معشوقہ کی طرف دیکھتا ظریفہ بھی نیچی نگاہون سے اُسکی طرف دیکھتی اور اسطرح دو ہجران نصیب آنکھون ہی آنکھون مین ایک دوسرے کے وصال سے متمتع ہوتے رہتے تھے۔

وہ وہان روز جاتا اور نازنین کے گلوسوز حسن سے اپنی تشنہ نگاہون کو سیراب کرتا مگر آہ یہ حالت بھی زیادہ دنون تک قائم نہ رہ سکی محبت و الفت کا سربستہ راز کسی نہ کسی طرح اہل قبیلہ پر منکشف ہو گیا، نازنین کے عزیز و اقارب ذرعہ کے درپے آزار ہو گئے۔ اُنھون نے اُسکے قتل کا تہیہ کر لیا ذرعہ کو اسکی اطلاع ہوئی تو یمن کی جانب چلا گیا معشوق کے تحفہ (بال) نے اُسکے ساتھ آبحیات کا کام کیا، اور جب کبھی اُسکا جوش عشق انتہا سے گزر جاتا تو وہ اُس بال کا بوسہ لیتا مُنھ پر پھیرتا اور اُسکے قلب مضطرب کو ذرا دیر کے لیے تسکین ہو جاتی۔

ایک دن وہ اپنی قیام گاہ سے کسی ضروری کام کو جا رہا تھا بدقسمتی سے راہ مین بال معلوم کہان غائب ہو گیا اُسنے بہت تلاش کیا مگر کامیابی نہوئی، بال کا گم ہونا اُسکے لیے سم قاتل ہو گیا چہرے پر مایوسی چھا گئی حالت پہلے کی طرح متغیر ہونا شروع ہو گئی، جوش جنون نے جذبۂ عشق کا ساتھ دیا اور کوے محبوب مین پہونچنے کی دُھن بندھی۔ لوگون نے اُسکے مجنونانہ ارادہ کی اطلاع پائی تو اُسکے زبردستی روکنا چاہا خوف دلایا اور خطرہ سے آگاہ کیا،

مگر اُسنے یاس آمیز لہجہ مین کہا، خدارا مجھ پر رحم کرو، مجھے میری حالت پر چھوڑ دو اسوقت مجھے صرف دو باتون کی خواہش ہے، یا تو مین آرزوے وصال مین کامیاب ہو جاؤن یا میری آرزوون کی طرح میرا بھی خون کر دیا جائے۔

(۳)

ذرعہ کا ایک واقفکار ابو اشراعہ کہتا ہے کہ ذرعہ راستہ مین بیٹھا ہوا تھا کندھے پر دو چادرین

تھین اور ایک لڑکے سے جو اُسکے قریب بیٹھا تھا یہ کہہ رہا تھا، جب تو اُسکے گھر کے قریب پہونچنا تو ان اشعار کو بلند آواز سے پڑھنا اگر کامیابی کے ساتھ تو نے اس کام کو انجام دیا تو انمین سے ایک چادر کا تو مالک ہے،، لڑکا یہ سُنکر ظریفہ کے مکان کی جانب روانہ ہوگیا مین چپکے سے اُسکے پیچھے پیچھے ہولیا، جب وہ ظریفہ کے مکان کے قریب پہونچا تو بلند آواز سے یہ پُر درد اشعار پڑھنے لگا

مریض بافناء البیوت مطرح به ما به من لا عج الشوق یبرح

ایک مریض عشق گھر کی چار دیواری مین پڑا ہوا ہے، اُسکے ساتھ وہ چیز ہے کہ جسکی وجہ سے آتش شوق سے المناک ہے۔

و قالوا الاجل الیاس عودی لعلها تشکاه من الامر وجدلك یمسح

اور لوگون نے کہا۔ یاس و نا امیدی کی وجہ سے لوٹ آ (اسلیے کہ) جس چیز کی تجھے شکایت ہے شاید زیادتی شوق کی وجہ بالکل ہی رفع ہو جائے۔

ولیس دواء الداء الا بحیلة اضر بنا فیها نحن امر مبرح

اور کسی مرض کی دوا بجز حیلہ کے کچھ نہین ہوا اور اسی حیلہ مین جذب عشق کی زیادتی نے ہمین نقصان پہونچایا

اذا ما سالنا ه نوالا تنیله فصم الصفا صنها بذالك اسمح

مین نے اُس سے بخشش کا سوال کیا جو اُسکے اختیار مین ہو مگر آہ! اُس سے تو پتھر بھی زیادہ سخی ہے

لڑکے نے ان اشعار کو ختم کیا ہی تھا کہ قریب کے مکان سے شعر پڑھنے کی دردناک آواز آنے لگی جسنے اسکو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

رعی الله من هاد الفواد بحبه ومن کدت من شوقی الیه اطیر

خدا اُس شخص کی حفاظت کرے جسکی محبت سے میرا دل مضطرب ہوگیا اور قریب ہوگیا کہ زیادتی شوق کی وجہ سے اُسکی طرف دوڑ جاؤن۔

لئن کثرت انزاح لوعة فان الوشاة الحاضرین کثیر

اگر کہمین محبت کی سختیان زیادہ ہوگئین تو بلاشبہ یہان چغلخور موجود ہین،،

فیمشو رسیشرون غیظا وشرقة وما منهم الا اب وعیور

بیشک یہی چغلخور عزیز و اقارب کے پاس جاتے ہین اور سختی کرنے کا مشورہ دیتے ہین اور جنھین

باس قسم کا مشورہ دیتے ہین وہ بجز باپ اور چند غیور اہل قبیلہ کے اور کوئی نہین،

فان لم ازر بالجسم خیفة معشر فللقلب ات لحولم فلیزور

پس گو مین نے لوگون کے خوف سے جسمانی ملاقات نہین کی مگر تمھاری خیالی تصویر میرے دل مین آتی ہے اور مین اُس سے (آزادی کے ساتھ) شوق وصال کو پورا کر لیتی ہون۔

لڑکے کا مقصد حاصل ہو گیا، وہ واپس ہوا اور زرعہ کو وہ دردناک اشعار سُنائے سنتے ہی زرعہ بیہوش ہو گیا، کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو فراقیہ اشعار پڑھتا ہوا مایوس و ناکام گھر چلا گیا اور پہلے کی طرح عزلت نشین ہو گیا۔

(۴)

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اوسی قبیلہ کے ایک شخص ثعلب سے ظریفہ کا بیاہ ہو گیا۔ زرعہ کو اس افسوسناک واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اُسکا اضطراب انتہائی درجہ تک پہونچ گیا دفعتہً وہ بیہوش ہوا کہ پھر کبھی ہوش نہ آیا۔

ہجران نصیب ظریفہ کو اس دردناک اور مایوس کُن سانحہ کی خبر ہوئی تو اُسکی حالت غیر ہو گئی عاشق کے غم مین اُسکے بے اختیار آنسو نکل پڑے شب و روز بجز رونے اور غم کھانے کے دوسرا کام نہ تھا حتی کہ اُسنے اپنے شوہر کی طرف بھی التفات نہ کیا۔

ایک دن آدھی رات کے وقت جبکہ قریب قریب سارا عالم محو خواب تھا ظریفہ بیقراری کی حالت مین خوابگاہ سے اُٹھی، اتفاق سے مجھے معلوم ہو گیا مین چپکے سے پیچھے پیچھے ہو لیا یہان تک کہ وہ نہر کے کنارے پہونچکر اُسکی تاریک موجون مین کود پڑی۔ قبیلہ والون کو خبر ہوئی تو اُسکو نکال کر قریب کے خیمہ مین لے گئے، اُسکے جسم سے زندگی کے آثار رخصت ہو چکے تھے۔ نبض کی حرکت بمشکل محسوس ہوتی تھی۔

صبح ہوئی تو اُسکی مان خیمہ مین آئی اُسوقت اُسکی نزع کی حالت تھی، آنکھین پتھرا چکی تھین، اُسنے اشارہ سے پانی مانگا پانی پلانے کے ساتھ روح پرواز کر گئی۔

حسین (از بریلی)

(ترجمہ)

میر افضل ثابت الہ آبادی

ثابت کا اصلی وطن بدخشان ہی کیونکہ انکے والد کا نام اسلام خان بدخشانی ہی مگر چونکہ
لی ولادت الہ آباد مین ہوئی اسلیے الہ آبادی مشہور ہین۔ لیکن انکے کلام کی بلند پائگی
تادان فارسی کی ہم پہ ہی نازکخیالی اور معانی آفرینی ایسی ہی کہ ہر مبصر دل سے معترف
داح ہو سکتا ہی۔ علوم متداولہ فارسی و عربی مین ممتاز قابلیت رکھتے تھے عرصہ تک
ار الخلافہ شاہجہان آباد مین قیام رہا اور وہان انکی شاعری اور علمی قابلیت بہت کچھ
شہور و مسلم رہی۔ اصناف سخن پر قدرت تامہ حاصل تھی اور تمام ماہرین فن سخن انکی استادی
ے قائل تھے۔

واقعات کربلا کو بھی خوب نظم کیا ہی۔ نمونۃً ایک مطلع ملاحظہ ہو۔

محرم است دلا سیل خون زدیدہ ببار
ز شاہ تشنہ لبان آب چشم باز مدار

ثابت آخر عمر مین قریباً تارک الدنیا ہو گئے تھے درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے ان کا
ال وفات ۱۱۵۱ھ ہی۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے انکی تاریخ وفات موزون کی ہی یعنی

شد از زمان کہ کرد تعلیم — اعجاز سخن بملک صامت
تاریخ برائے رحلت او — فرمود خرد رحیل ثابت

ذیل مین ناظرین کی تفریح طبع کیلیے انکی غزلیات کا انتخاب درج کیا جاتا ہے

شنہ حاجت نیست خونریز دل بیتاب را — کار با خنجر نباشد کشتن سیماب را

عجیب لطیف مطلع کہا ہی۔ سیماب کو خنجر وغیرہ سے اگر قتل بھی کیا جاے تو وہ فوراً پھر
ی حالت پہ آجائیگا اسی طرح دل بیتاب دشنہ سے ذبح نہین ہو سکتا خلاصہ یہ ہے کہ
شق صادق کو حیات ابدی حاصل ہو جاتی ہی۔ اسی زمین مین یہ عاشقانہ شعر بھی

واب ہے

ہم زلف تو از داغ دل برآوردہ چو بوے نافۂ چین موکشان فغان مرا

ولہ

لشد بے پردہ تصویر ترا نقاش حیف آشناے صورتِ خود میکند بیگانہ را

ولہ

پید زبان درد زحالِ تباہ ما دارد چو عرضداشت گرہ مدّ آہ ما
شکر ناوکِ تو کند مغز جان ما دارد زبان برنگ قلم استخوان ما

ناوک یار کی شکر گزاری کے لیے استخوان کا قلم بنا قلم ہے

(گلۂ بیکسی)

ود چون سپند چہ اگرم شیونیم چشمے نریخت اشک زدرد فغان ما

کہتے ہین جسطرح سپند بیقرار نہ جلکر شیون کرتا ہے اور اسکے دودِ آہ کا اثر کسی پر نہین ا اسی طرح ہمارے درد فغان پر کسی کی آنکھ سے آنسو نہین گرتا یعنی کسی کو ہماری حالت ے ہمدردی نہین اسلیے گرم شیون ہونا بیکار ہے ۔

م عاشق را نہ باشد احتیاجِ توتیا بوے پیراہن بداہر شد یعقوب را

ولہ

ی دانم چہ باشد از گلستان نفع گلچین را کہ می سازد روان از چشم بلبل اشک خونین را

تزکیۂ نفس واخلاق

رتن را نہ باشد دل منور زیر خاکش کن نباشد در شبستان عزتِ فانوس خالی را

ولہ

ے کہ در آمدن خویش حجابے داری گر شب ماہ نیائی بہ شبِ تار بیا

ذیل کا شعر نہایت صاف وسادہ ہی اور مصرعہ اولی مین "دلسوزی" نے نہایت دلاویز نی پیدا کردیے ہین ۔

چہ قدر ہا نمود دلسوزی داغ عشق تو قدر دان من است

ولہ

این چنین صیاد بالا دست در عالم کجا است بستن خورشید بر فتراک کار زلفہ کیست

مذکورۂ بالا شعر اپنی معنوی بلاغت کے لحاظ سے بہت ہی خوب ہے۔ میرے خیال مین مضمون نیا ہے خورشید کا بحیثیت نخچیر فتراک زلف مین باندھنا صیاد بالا دست کی چالاکی کو ظاہر کرتا ہے۔ آفتاب کی شعاعین زلف سے مشابہ ہین اور انھین شعاعونمین آفتاب کا بستہ ہونا بدیہی ہے اور یہی شعاعین گویا صیاد بالا دست کی زلف ہے۔

بسکہ داغ سینہ ام بر روے کار افتادہ است آتشے در خانمانِ لالہ زار افتادہ است

ولہ

سحر کہ پرتو نور تو از نقاب گزشت عرق ز جامہ زرین آفتاب گزشت

بہ سیل ہیچ میسر نہ شد بجز خجلت ہزار بار ازین خانۂ خراب گزشت

مطلع کے مصرعہ اولی مین پرتو جہان بانی کی تعریف ہے اور اسکے نور کو آفتاب سے بڑھکر ثابت کیا ہے جامۂ زرین آفتاب کا سحر کو عرقریز ہونا اس اعتبار سے ثابت ہوتا ہے کہ صبح کو شبنم گرتی ہے اور یہی گویا اسکا عرق انفعال ہے اور دوسرا شعر سیل والا بھی بہت پسندیدہ ہے خانہ خراب کو سیل سے کیا نقصان پہونچ سکتا ہے اسلیے سیل کی خجالت ظاہر ہے۔

دور باید کرد از خاطر غبار شکوہ را صفحۂ آئینۂ دل زخورد زنگار نیست

ولہ

می کند سحر در علامت لم نرگس یار گرچہ بیمار است

ولہ

موسم پیری است می باید عطا دست ما و گردن مینا خوش است

دستار شکوفہ

ابر ہا امسال پرمستانہ رفتار آمدہ است از شکوفہ شاخہا آشفتہ دستار آمدہ است

ولہ

نسترمان بوسہ گرچہ ز خطش گرفتہ ام حکم جدید از لب خندانم آز روا است

ولہ

دامن شب نتوان داد ز غفلت از دست — شانۂ زلف اہل دست دعاے سحر است

ولہ

بوستان پیر اچرا آزردہ خاطر می شود — عندلیب ما ز فکر آشیان برخاستہ است

(رندانہ)

خانقاہ و مسجد و بتخانہ را کردیم سیر — ہیچ جا کیفیتے چون حسنا نہ خمار نیست

ولہ

خامشان را نیست ناصر احتیاج عرض حال — گریۂ طفل بے زبان را ترجمانے دیگر است

ولہ

وسۂ گر از لب شکر فشان خود نداد — صبر باید کرد اندک خاطرش رنجیدہ است

ولہ

نعفار ا بحقارت نتوان کرد نظر — دفتر حسن بہ شیرازۂ سوے کمر است

ولہ

لی جانہ کند تنگ دل روشن را — سنگ خلوتکدۂ خاص برائے سفر است

ولہ

اشوق نظر بازی است با محبوب مجوبے — کہ گر از دور چشمے وا کنم ابرو بگرداند

(اعجاز)

اپنے ذاتی خیالات پر یقین کامل رکھنا۔ اور نیز اس بات پر کہ جو شے تمھارے لیے راست ہے وہی ہر شخص کے لیے ہے یہی سچی بلند خیالی ہے۔ حضرت موسیٰ۔ فیثاغورث۔ سقراط اور پلیٹو کی ہم اسلیے تعریف کرتے ہین کہ اُنھون نے کتابون اور روایات کو بالاے طاق رکھکر جو کچھ کہ اورون نے خیال کیا وہ نہین۔ بلکہ جو کچھ کہ خود خیال کیا اُسکی تعلیم دی۔

امرسن

بزم پریشان

(۱)

لکھنؤ کے محلہ نولبستہ مین ایک منشی میکولال مختار رہتے تھے۔ بہت ہی مہمان نواز، خوش طبع اور نیک آدمی تھے۔ قانون مین اتنے ماہر کہ ایسا شاذ ہی کوئی مقدمہ ہوتا تھا جسمین وہ ایک فریق کی طرف سے نہ رہتے ہون۔ سادھوسنتون سے بھی انھین عقیدت تھی۔ انکے فیض صحبت سے مختار صاحب نے کچھ علم حقیقی اور کچھ چرس گانجہ کی مشق حاصل کرلی تھی۔ رہی شراب، وہ اُنکی خاندانی صفت تھی۔ شراب کے نشہ مین وہ قانونی مسودے خوب لکھتے تھے۔ طائر فکر آسمان پر جا پہونچتا تھا۔ گانجے اور چرس سے انکی نگاہ باطن روشن ہوجاتی تھی۔ دم لگاکر وہ یاد الٰہی مین محو ہوجاتے تھے۔ اسکے بغیر استغراق کی کیفیت نہ طاری ہوتی تھی۔ محلے والون پر اُنکا بڑا رعب تھا۔ لیکن یہ اُنکی قانونی وقار کا نہین انکی طبعی شرافت کا نتیجہ تھا۔ محلے کے یکہ بان، گوالے، کہار، سب اُنکے بن داموں غلام تھے۔ اپنے سو کام چھوڑکر اُنکی خدمت بجالاتے تھے۔ مختار صاحب کی محرم فیاضی نے انھین رام کرلیا تھا۔ وہ روز کچہری سے آتے ہی الگو کہار کے سامنے تین روپے پھینک دیتے تھے۔ الگو اُنکا منشا سمجھ جاتا تھا۔ کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہ تھی۔ شام کو شراب کی ایک بوتل، کچھ گانجہ اور چرس آجاتا بزم نشاط آراستہ ہوجاتی تھی۔ یاران جان نثار آپہونچتے۔ ایک طرف موکلون کی قطار بیٹھتی۔ دوسری طرف احباب کی۔ معرفت اور ویراگ کے مسئلے پیش ہوجاتے۔ اثنا تقریر مین موکلون سے بھی دوچار باتین کرلیتے تھے۔ دس بجے تک مجلس گرم رہتی تھی منشی جی کو اپنے پیشے اور اس ذکر معرفت کے سوا دنیا کے اور کسی معاملہ سے سروکار نہ تھا۔ ملک کی کسی تحریک، کسی تقریب، کسی مسئلہ سے انھین تعلق نہ تھا۔ اس معاملہ مین وہ سچے تارک تھے۔ بنگالہ کی تقسیم ہوئی

سودیشی تحریک کا چرچا ہوا۔ نرم اور گرم فرقے کھڑے ہوئے۔ سیاسی اصولوں کا ظہور ہوا۔ سوراجیہ کی تمنائیں پیدا ہوئیں۔ قوم اور قومیت کے ترانوں سے آسمان گونج اٹھا مگر منشی جی کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ عدالت اور شراب کے سوا دنیا کی اور سبھی چیزیں انکی نظروں میں خواب و خیال تھیں۔

(۲)

چراغ جل چکے تھے۔ منشی میکو لال کی اندر بھا جم گئی تھی۔ پر ابھی تک لال پری جلوہ افروز نہ ہوئی تھی۔ الگو بازار سے نہ لوٹا تھا۔ لوگ بار بار مشتاق نگاہوں سے دروازہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ایک آدمی برامدے میں چشم براہ کھڑا تھا۔ دو تین آدمی اسکی ٹوہ لینے کے لیے سڑک پر کھڑے تھے۔ لیکن الگو آتا نظر نہ آتا تھا۔ آج زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ منشی جی کو یہ تکلیف اٹھانی پڑی۔ انتظار کی بیقراری نے محویت کی صورت اختیار کر لی تھی۔ نہ کسی سے بولتے تھے، نہ کسی طرف تاکتے تھے۔ ساری دماغی قوتیں نقطۂ انتظار پر مرکوز ہو گئی تھیں۔

دفعتاً شور اٹھا، الگو آرہا ہے۔ منشی جی چاگ پڑے، احباب سنبھل بیٹھے۔ آنکھیں مسرور ہو گئیں۔ انتظار سے لطف وصال دوچند ہو جاتا ہے۔ ایک لمحہ میں الگو سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ منشی جی نے اُسے ڈانٹا نہیں۔ یہ پہلی خطا تھی۔ کسی وجہ سے دیر ہو گئی ہوگی۔ دبی ہوئی، پُر شوق نگاہوں سے الگو کے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ بوتل نہ تھی حیرت ہوئی۔ یقین نہ آیا۔ پھر غور سے دیکھا بوتل نہ تھی۔ شاید اسنے نہیں باہر رکھدی ہوگی۔ ملائمت سے بولے "بوتل کہاں ہے"

الگو "آج نہیں ملی"

میکو لال "یہ کیوں"

الگو "سوراج والے دوکان کے دونوں نا کے روکے کھڑے ہیں کسی کو اُدھر جانے ہی نہیں دیتے۔ اب مختار صاحب کو غصہ آیا۔ الگو پر نہیں، سوراج والوں پر۔ انھیں میری شراب بند کرنے کا کیا مجاز ہے؟ معترضانہ انداز سے بولے "تمنے میرا نام نہیں لیا؟"

الگو "بہت کہا، لیکن وہاں کون کسی کی سنتا تھا۔ سبھی لوگ خالی ہاتھ لوٹے آتے تھے۔

مین بھی لوٹ آیا۔

میکولال "چرس لائے؟"

الگو "وہان بھی یہی حال تھا"

میکولال "تم میرے نوکر ہو یا سوراج والون کے"

الگو۔ "منھ مین کالکھ لگوانے کے لیے تھوڑے ہی نوکر ہون"

میکولال۔ تو کیا وہ بدمعاش لوگ منھ مین کالکھ بھی لگا رہے تھے؟

الگو "دیکھا تو نہین، پر سب یہی کہتے تھے"

میکولال "اچھی بات ہے۔ مین خود جاتا ہون۔ دیکھون کسکی مجال ہے جو مجھے روکے۔ ایک ایک کو لال گھر دکھا دونگا۔ یہ سرکار کا راج ہے۔ کوئی بدعملی نہین ہے۔ وہان کوئی پولیس کا سپاہی نہ تھا"

الگو "تھانہ دار صاحب آپ ہی کھڑے سب سے کہتے تھے جسکا جی چاہے اندر جائے، لائے پائے۔ لیکن نہ جانے کیون لوگ لوٹے آتے تھے۔ کوئی انکی نہ سنتا تھا"

میکولال "تھانہ دار صاحب میرے دوست ہین۔ چلو جی عید و چنتے ہو۔ رام بلی بیچن جھنکو سب چلین۔ ایک ایک بوتل لے لو۔ دیکھون کون روکتا ہے؟ کل ہی تو مزہ چکھا دونگا"

(۳)

منشی جی اپنے چارون رفیقون کے ساتھ شراب خانہ کی گلی کے سامنے پہونچے تو وہان بہت بھیڑ تھی۔ بیچ مین دو نورانی صورتین نظر آئین۔ ایک مولانا ضامن تھے جو شہر کے مشہور مجتہد تھے۔ دوسرے سوامی گھنانند تھے جو لکھنؤ کی سیوا سمتی کے بانی اور رعایا کے سچے خدمتگذار تھے۔ انکے سامنے ہی تھانہ دار صاحب کئی کانسٹبلون کے ساتھ کھڑے تھے۔ منشی جی اور انکے رفیقون کو دیکھتے ہی تھانہ دار صاحب خوش ہوکر بولے "آیئے مختار صاحب۔ کیا آج آپ ہی کو تکلیف کرنی پڑی۔ یہ چارون آدمی آپ ہی کے ساتھ ہین نہ؟"

میکولال "جی ہان۔ پہلے اپنا آدمی بھیجا تھا۔ وہ ناکام واپس گیا۔ سنا آج یہان ہڑبونگ مچی ہوئی ہے۔ سوراجیہ والے کسی کو اندر جانے ہی نہین دیتے۔

تھانہ دار۔ جی نہیں۔ یہاں کسکی مجال ہے جو کسی کے کام مین مخل ہو سکے۔ آپ شوق سے جایئے۔ کوئی چون تک نہین کر سکتا۔ آخر مین یہان کسلیے ہون؟

منشی جی نے اپنے رفیقون کو فخر آمیز نظرون سے دیکھا اور گلی مین گھسے۔ دفعتہً مولانا ناصح نے عیدو سے نہایت عاجزانہ انداز سے کہا، دوست یہ تو تمھاری نماز کا وقت ہے۔ یہان کیسے آئے؟ کیا اسی دینداری کی بل پر خلافت کا مسئلہ حل کروگے! تمھارے لاکھون بھائی انگورہ مین بھوکون مر رہے ہین کچھ انکی بھی خبر ہے؟

عیدو کے پیرون مین جیسے کسی نے لوہے کی بیڑیان ڈال دین۔ ندامت سے زمین کی طرف دیکھنے لگا۔ آگے قدم رکھنے کا حوصلہ نہوا۔

سوامی گھنانند نے منشی جی اور انکے تینون ساتھیون سے کہا۔ بھایئو یہ پنچامرت لیتے جاؤ تمھارا کلیان ہوگا۔

جھنکو۔ رام بلی اور بچن نے اضطراری طور پر ہاتھ پھیلا دیئے۔ اور سوامی جی سے پنچامرت لیکر پی گئے۔ منشی جی نے کہا۔ اسے آپ خود پی جایئے۔ مجھے ضرورت نہین۔

سوامی جی انکے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے اور بڑی منت آمیز لہجہ مین بولے۔ اُس سادھو پر آج دیا کیجئے۔ اُدھر نہ جایئے۔

لیکن منشی جی نے انکا ہاتھ پکڑ کر سامنے سے ہٹا دیا اور گلی مین داخل ہو گئے۔ انکے تینون دوست سر جھکائے کھڑے رہے۔

منشی جی "رام بلی۔ آتے کیون نہین؟ کسکی طاقت ہے کہ ہمین روک سکے"

جھنکو "آپ کا کہنا نابین لوٹ آوت ہین۔ سادھو سنتن کی بات ماننے کا ہوت ہے"

منشی جی "تو اسی حوصلہ پر گھر سے نکلے تھے؟"

رام بلی "نکلے تھے اس ارادہ سے کہ کوئی زبردستی روکے گا تو اُس سے سمجھین گے۔ سادھو سنتون سے رار کرنے تھوڑے ہی چلے تھے"

منشی جی "سچ کہا ہے گنوار لوگ بھیڑ ہوتے ہین۔ جہان ایک گری وہان وہ سب گرنے دوڑے"

بچن "آپ سیر ہو جایئے۔ ہم بھیڑ ہی بنے رہین گے"

منشی جی اکڑتے ہوئے شرابخانہ مین داخل ہوے - دوکان پر اداسی چھائی ہوئی تھی - مہاجن اپنی گدی پر بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا منشی جی کی آہٹ پاکر چونک پڑا - انھین تجسس کی نگاہ سے دیکھا گویا وہ کوئی نادر وجود ہین، بوتل بھردی اور پھر اونگھنے لگا -

منشی جی خوش خوش گلی کے دروازہ پر آئے تو اپنے رفیقون کو نہ پایا - کتنے ہی آدمیون نے انھین چارون طرف سے گھیر لیا اور آپس آوازے کسنے لگے -

ایک نے کہا " دلاور ہو تو ایسا ہو "

دوسرا بولا " شرم جسکو نیست کہ بیش مردان بیاید "

تیسرا بولا - ہے کوئی پرانا پھکڑ - پکا دھتیا -

معلوم نہین ابھی منشی جی کو اور کتنی دلآزار باتین سننا پڑتین لیکن تھانہ دار صاحب نے آکر بھیڑ کو منتشر کردیا - منشی جی نے انکا شکریہ ادا کیا اور گھر چلے - ایک کنسٹبل بھی انکے ساتھ ہولیا -

(۴)

منشی میکولال کے چارون دوستون نے تو تین پھینکدی تھین اور آپس مین باتین کرتے ہوے جا رہے تھے -

جھنکو " ایک دائین ہمارا یکا بیگانہ مین پکڑا جات رہے - یہی سوامی جی چپراسن سے کہہ سن کے چھڑائے دہن رہا -

رام بلی - پچھلے سال جب ہمارے گھر مین آگ لگی تھی تب بھی تو یہی سوامی جی سیوا سمتی والون کو ساتھ لیکر پہونچ گئے تھے - نہین تو ایک سوت بھی نہ بچتا -

بچن - مختار اپنے سامنے کسی کو گنتے ہی نہین - آدمی کوئی برا کام کرتا ہے تو چھپائے کرتا ہے یہ نہین کہ بیحیائی پر کمر باندھ لے -

جھنکو " بھائی پیٹھ پیچھے کو کی برائی نہ کرو - اور جون کچھ ہوئے پر آدمی بڑا اکبالی ہے - اتنے آدمین کے بیچ مان کیسا گھست چلا گوا

رام بلی " یہ کوئی اقبال نہین ہے - تھانہ دار نہ ہوتے تو آتے دال کا بھاؤ معلوم ہو جاتا -

بچن " مجھے تو کوئی پچاس روپیہ دیتا تو بھی مین کبھی مین پیر نہ رکھتا - شرم سے سر ہی

نہین اُٹھتا تھا۔

عبدو۔ "انکے ساتھ اگر بڑی آفت مین پھنس گیا۔ مولانا جہان دیکھین گے وہین آڑے ہاتھون لینگے۔ مین آج شرم کے مارے گڑگیا۔ آج سے توبہ کرتا ہون۔ اب اسکی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھون گا"

رام بلی۔ "شرابیون کی توبہ کچے دھاگے سے مضبوط نہین ہوتی"

عبدو۔ "اگر پھر کبھی پیتے دیکھنا تو مُنھ مین کالکھ لگا دینا"

بیجن۔ "اچھا تو اسی بات پر آج سے مین بھی چھوڑتا ہون۔ اب پیون تو گئوکت برابر"

جھنکو۔ "تب کا ہم ہی سب سے پاپی ہین۔ پھر کبھی جو ہمکا پُت دیکھیو تو بیٹھائے کے پچاس جوتے لگایو"

رام بلی۔ "ارے جا۔ ابھی منشی جی بُلائین گے تو کُتے کی طرح دوڑتا جائیگا"

جھنکو۔ "منشی جی کے ساتھ بیٹھے دیکھیو تو سو جوتے لگایو جسکی بات مین پھرک ہے اُسکے باپ مین پھرک ہے"

رام بلی۔ "تو بھئی مین بھی قسم کھاتا ہون کہ آج سے گانٹھ کے پیسے خرچ کرکے مین بھی نہ پیونگا ہان مُفت کی پینے مین انکار نہین۔

جھنکو۔ "گانٹھ کے پیسے کبھی پہلے بھی خرچ کیے ہین؟"

اتنے مین منشی میکولال پکے ہوے آتے دکھائی دیے۔ اگرچہ وہ بازی جیت کر آئے تھے مگر چہرہ پر غروری جگہ خفت چھائی ہوئی تھی۔ کسی نامعلوم سبب سے وہ اس فتح کا لطف دل سے نہ اُٹھا سکتے تھے۔ دل کے کسی گوشہ مین چھپی ہوئی ندامت جگر مین چٹکیان لے رہی تھی۔ رام بلی نے کہا۔ آیئے مختار صاحب بڑی دیر لگائی۔

میکولال۔ "تم سب کے سب بڑے گاودی ہی نکلے۔ ایک سادھو کے چکمے مین آگئے"

رام بلی۔ "ان لوگون نے تو آج سے پینے کی قسم کھالی ہے"

میکولال۔ "ایسا تو مین نے مرد ہی نہین دیکھا جو اسکے پنجہ مین اکیا پھنسکر پھر نکل جائے۔ مُنھ سے بکنا دوسری بات ہے"

عیدو "جند گانی رہی تو دیکھ لیجیے گا"

جھنکو "دانا پانی تو کوؤسے نا ہین چھوٹ سکت ہے۔ اور باتین تو پیٹ بھرے کی ہین۔ پس چوٹ لگ جائے۔ نشا کھائے بنا کوئی مرنہین جات ہے"

میکولال "دیکھون گا تھاری بہادری بھی"

بچن "دیکھنا کیا ہے، نشہ چھوڑ دینا کوئی بڑی بات نہین۔ یہی نہ ہوگا دو چار روز طبیعت ذرا سست رہے گی۔ لڑائی مین سنتے ہین انگریزون نے چھوڑ دیا تھا جو اسے پانی کی طرح پیتے ہین۔ تو ہمارے لیے کوئی مشکل کام نہین ہے"

یہی باتین کرتے ہوئے لوگ مختار صاحب کے مکان پر آ پہونچے۔

(۵)

دیوانخانہ مین سناٹا تھا۔ موکل چلے گئے تھے۔ اگلوڑا سو رہا تھا۔ منشی جی مسند پر جا بیٹھے اور الماری سے گلاس نکالنے لگے۔ انھین ابھی تک اپنے ہم مشربون کی توبہ پر یقین نہ تھا انھین کامل اعتماد تھا کہ شراب کی خوشبو اور سرخی دیکھتے ہی سبھون کی توبہ ٹوٹ جائے گی دور چلنے لگین گے۔ جب عیدو سلام کر کے چلنے لگا اور جھنکو نے اپنا سونٹا سنبھالا تو منشی جی نے دونون کے ہاتھ پکڑ لیے اور نہایت رقت آمیز لہجہ مین بولے "یار دیون ساتھ چھوڑنا اچھا نہین۔ آؤ آج اسکا مزہ تو چکھو۔ خاص طور پر اچھی ہے۔ اسکے لیے آج کتنا ریاض کرنا پڑا ہے"

عیدو "اتو جو بات ٹھان لی وہ ٹھان لی"

منشی جی "اجی آؤ تو۔ ان باتون مین کیا رکھا ہے۔ چار دن کی زندگی ہنس کھیل کر گزارنی چاہیے"

عیدو "آپ کو مبارک رہے۔ مجھے جانے دیجئے"

جھنکو "ہم تو اب بھگوان چاہے تو اسکے تیر نہ جاب۔ جوئے کون کھائے"

یہ کہکر دونون اپنے ہاتھ چھڑا کر چلے گئے۔ تب مختار صاحب نے بچن کا ہاتھ پکڑا جو دالان سے نیچے اتر رہا تھا اور بولے "بچن کیا تم بھی بیوفائی کروگے؟"

بچن "مین نے تو بڑی کڑی قسم کھائی ہے۔ جب ایکبار اسے گئو کیت کہہ چکا تو پھر اسکی طرف

آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھی نہیں سکتا۔ کتنا ہی گیا بیتا ہوں تو کیا اس قسم کو بھی نہ مانونگا۔ مین تو کہون گا اب آپ بھی چھوڑیئے۔ کچھ دن رام رام کیجیے۔ بہت دن تو پیتے ہو گئے۔ یہ کہکر وہ بھی چلتا ہوا۔

اب اکیلا رام بلی رہ گیا۔ منشی جی نے اُس سے بڑے دردناک لفظون مین کہا "تمنے اُن بھون کی بیوفائی دیکھی۔ مجھے انکے اوپر غصہ نہین ہے۔ صرف انکی سرد مہری کا صدمہ ہے۔ مین نہ جانتا تھا کہ یہ سب ایسے بھگوڑے نکلین گے۔ برسون کی صحبت ایک لمحہ مین بھول گئے۔ آؤ آج ہمین تم سہی۔ دو سچے دوست ایسے درجنون پکے لوہیون سے اچھے ہین آؤ بیٹھ جاؤ۔ مہاجن نے آج مسالے کی دیدی ہے۔ نیند مین بچا کو سر پیر کی خبر تک نہ تھی۔

رام بلی "مین تو حاضر ہی ہون۔ لیکن مین نے بھی قسم کھائی ہے کہ کبھی کانٹھ سے پیسے خرچ کرکے نہ پیونگا"

مختار "ہوشیار لوگ ایسی ہی قسمین کھایا کرتے ہین۔ جب تک میرے دم مین دم ہے جتنا چاہے پیو۔ غم کس بات کا ہے"

رام بلی "لیکن آپ نہ رہے تب؟ پھر ایسا ساقی کہان پاؤن گا"

مختار "اجی تب دیکھی جائیگی۔ مین آج مرا تھوڑے ہی جاتا ہون"

رام بلی "زندگی کا کوئی اعتبار نہین۔ آپ مجھسے پہلے ضرور ہی مرینگے تو اُسوقت کسکے ماتھے یہ مزے آڑاؤن گا۔ تب تو چھو ڑبھی نہ سکون گا۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ ابھی سے فکر کرون"

مختار "یار ایسی باتین کرکے مزہ نہ کرکرا کرو۔ آؤ بیٹھ جاؤ۔ ایک ہی گلاس لے لینا"

رام بلی "مختار صاحب۔ مجھے اب زیادہ مجبور نہ کیجئے۔ جب عید و اور جھنکو جیسے دھتیون نے قسم کھالی جو عورتون کے زیور بیچ بیچ کر پی گئے جو نرے جاہل ہین، تو مین اتنا بے شرم نہین ہون کہ اسکا غلام بنا رہون۔ سوامی جی نے مجھے تباہ ہونے سے بچایا تھا۔ اُنکے حکم کو کسی طرح نہین ٹال سکتا"

یہ کہکر رام بلی بھی رخصت ہو گیا۔

منشی جی نے مایوسانہ انداز سے گلاس بھرا اور پی گئے۔ لیکن دوسرا پیالہ بھرنیکے پہلے انکا ولولہ میکشی غائب ہوگیا تھا۔ زندگی مین یہ پہلا موقع تھا کہ انھین یون تخلیہ مین شراب پینا پڑی۔ وہ لطف سرور ہی نہین، لطف صحبت بھی چاہتے تھے۔ اسوقت ایک ایک گھونٹ دوا کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ خود ہی ساقی تھے، خود ہی بادہ کش۔ نہ بذلہ سنج احباب تھے، نہ دل مین اُمنگ، پہلے تو اپنے رفیقون پر طبیعت جھنجھلائی۔ ان دغا بازون کو مین نے ہزارون روپے پلا دیے ہونگے، پر آج ذرا سی بات پر سب کے سب دغا دے گئے۔ اب مین بھوت کی طرح اکیلا پڑا ہوا ہون۔ کوئی ہنسنے بولنے والا نہین۔ یہ تو صحبت کی چیز ہے جب لطف صحبت ہی نہین رہا تو پی کر سو رہنے سے کیا حاصل۔ یہ کوئی ایشور کا دھیان تھوڑے ہی ہے کہ تنہائی کی ضرورت ہو۔

مجھے آج کتنا خفیف ہونا پڑا۔ جب گلی مین گھسا ہون تو سیکڑون آدمی میری طرف غضبناک نظرون سے تاک رہے تھے۔ شراب لیکر لوٹا ہون تو لوگ اتنے برہم تھے کہ اُن کا بس چلتا تو میری بوٹیان نوچ لیتے۔ تھانہ دار نے کانسٹبل کو ساتھ نہ کر دیا ہوتا تو گھر تک آنا مشکل تھا۔ یہ ذلت اور تحقیر کیلیے؟ اسی لیے کہ بیٹھکر مُفت تلخ کرون اور کلیجہ جلاؤن۔

دُنیا اسے کتنا ممنوع سمجھتی ہے اسکا مجھے آج تجربہ ہوا نہین ایک سنیاسی کے اشلے پر برسون کے بلانوش، دائم الخمر اسطرح میری تحقیر نہ کرتے۔ بات یہ ہے کہ دل سے بھی لسے حرام سمجھتے ہین۔ جب میرے ساتھ کے پینے والے، گوالے اور چمار اسی تک ترک کر سکتے ہین تو کیا مین اُنسے گیا گزرا ہون۔ اتنی ذلت اُٹھاکر، عوام کی نظرون سے گرکر، شہر مین رُسوا ہوکر، سارے زمانہ مین نکو بنکر، ایک لمحہ کے لیے چکر پیدا کرلینا کونسی دانشمندی ہے۔ حظ نفس کے لیے اتنی شرمندگی کیون اُٹھاؤن؟ چارون اسوقت میرا مضحکہ اُڑا رہے ہونگے۔ یہ ذلت اب نہین سہ سکتا۔ آج اس سفلہ پن کا خاتمہ کردون گا۔ اس ذلت کا داغ مٹا دون گا۔

ایک لمحہ مین تڑاقے کی آواز ہوئی۔ الگو چونک کر اُٹھا۔ دیکھا تو منشی جی برآمدے مین کھڑے ہین اور بوتل زمین پر ٹوٹی پڑی ہے۔

پریم چند

تنقید کتب

نکات الشعرا

شعرا اُردو کا یہ قدیم تذکرہ (جو میر دہلوی کی ایک بہترین یادگار ہے) اس سے پہلے بالکل نایاب تھا اور بقول مولانا حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی عام طور پر ابتدا اُس تذکرے کا علم آبجیات کے ذریعہ سے ہوا تھا مگر نکات الشعرا کا جو چہرہ آبجیات مین نظر آتا ہے، وہ اُن خط وخال کے بالکل برعکس ہے جواب ہمارے سامنے ہے آگے چلکر مولف آبجیات کے اُن خیالات پر بحث کرتے ہوئے جو اُسنے اس تذکرہ کے متعلق ظاہر کیے ہین فرماتے ہین "میری بدگمانی معاف ہو تو مین کہونگا کہ نکات الشعرا آزاد کی نظر سے نہین گزرا قیاس کی بلند پروازی نے خوبی مینا بنا کر اُڑائے ہین، اور اُنکی سحربیانی سے سامعین کو خوش کیا ہے"

مولانائے موصوف کا یہ خیال ایک حدتک صحیح معلوم ہوتا ہے اور خود آزاد مرحوم کی تحریر سے اس خیال کو تقویت پہونچتی ہے۔ لیکن یہ آسانی سے باور نہین کیا جاسکتا کہ آزاد جیسا محقق شخص صرف خیال کی بنیاد پر اتنی بڑی بنیاد کھڑی کردے۔ اور تذکرہ نکات الشعرا اُسکی نظر سے نہ گزرا ہو، یہ ممکن ہے کہ جس نسخے کو آزاد نے دیکھا ہو وہ میر صاحب کے نقش اول کی تصویر ہو اور بعد کو میر صاحب نے نظر ثانی کرکے نقش آخر سے وہ سب باتین نکال دی ہون جنکا ذکر آبجیات مین ہے۔

اُس زمانہ مین نہ پریس کا رواج تھا نہ کوئی اور ذریعہ تھا کہ ایک ساتھ بہت سے نسخے تیار ہوجایا کرین، عموماً قلمی کتابون کا رواج تھا، فرض کیجیے کہ مختلف لوگون نے

بہ اوقات مختلف نکات الشعرا کی نقلین حاصل کی ہون اور اس درمیان مین میر صاحب وقتاً فوقتاً تصرفات کرتے رہے ہون اسطرح ممکن ہے کہ ایک شخص نے کوئی اور عبارت نقل کی ہو اور دوسرے نسخے مین وہی عبارت کسی اور طرح نقل ہوگئی ہو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شاعر یا انشا پرداز ایک وقت مین کچھ لکھتا ہے اور کچھ دنون کے بعد کسی کے توجہ دلانے سے یا خود کسی خیال سے اُسے بدل دیتا ہے، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ میر صاحب نے ایک وقت مین ولی کی نسبت لکھا ہو "وے شاعریست از شیطان مشہورتر"، لیکن کچھ دنون بعد اس مفہوم کو یون ادا کر دیا ہو "از شہرت بسیار احتیاج تعریف ندارد"، مفہوم دونون کا ایک ہے فرق صرف یہ ہے کہ وہ تعریف یہ طرز مذموم تھی اور یہ طرز جمیل۔

اسکے علاوہ آبحیات مین یہ بھی تو لکھا ہے کہ جب میر خان کمترین نے یہ فقرہ سنا تو غصہ ہوکر ایک نظم لکھی اول مین بہت کچھ کہا آخر مین آکر کہتے ہین ؎

ولی پر جو سخن لائے اُسے شیطان کہتے ہین

ممکن ہے کہ کمترین کی طرح کچھ لوگ اور بھی مخالفت کرنیوالے اُٹھ کھڑے ہوے ہون اور میر صاحب نے جھگڑا مول لینے سے بہتر سمجھا ہو کہ نکات الشعرا کی عبارت بدل دین کیونکہ انھین کسی طرح کی ذاتی مخاصمت تو تھی نہین صرف شاعرانہ نوک جھونک منظور تھی۔

اگر بفرض محال تسلیم بھی کر لیا جاے کہ آزاد کو نکات الشعرا کی زیارت نہین نصیب ہوئی تو اسکا کیا جواب ہوگا کہ میر صاحب نکات الشعرا کے دیباچے مین لکھتے ہین

کتابے تا حال تصنیف نہ شدہ کہ احوال شاعران این فن بصفحہ روزگار بماند

حالانکہ نکات الشعرا کے پہلے بھی متعدد تذکرے مرتب ہو چکے ہین جنمین تذکرہ فتح علی حسینی تذکرہ ابراہیمی۔ تذکرہ فائق خاص طور پر مشہور ہین۔

ایسی صورت مین کیا یہ بدگمانی بھی جائز ہوگی کہ میر صاحب کی نظر سے شاید کوئی تذکرہ نہین گزرا اور نہ ایسا تحریر فرماتے۔ اگر مولانا ے موصوف کے پاس اس بدگمانی کا کوئی جواب ہو تو وہی اُس بدگمانی کا بھی جواب ہو سکتا ہی جو آپکو آزاد کے متعلق پیدا ہوتی ہی۔

اب بھی نکات الشعرا کے صفحات اس قسم کی مثالون سے خالی نہین۔ مثلاً میر صاحب

یقین دہلوی کے متعلق فرماتے ہین۔

پرسیدہ چندے یافتہ است کہ ما و شما نیز میتوانم یافت این قدر بر خود چیدہ است
کہ رعونت فرعون پیش او پشت دست میگذارد، بعد از ملاقات اینقدر خود معلوم
شد کہ ذائقہ شعر فہمی بطلق ندارد

اسی سلسلہ مین اور بھی اس قسم کی روائتین بیان کی ہین جنسے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یقین خود غزل نہین لکھ سکتے تھے اور اسکے ثبوت مین کلیم کے قصیدہ کا ایک شعر بھی اس تمہید کے بعد پیش کیا ہے۔

بیان محمد حسین کلیم کہ احوالش گزشت قصیدہ گفتہ است، مسمے بہ روضۃ الشعرا
در و نام تمام شعرا نقل کردہ ازان جملہ نام ایشان را نیز آوردہ لیکن بکنایہ غریبے کہ
سخن فہم می فہمد و آن اینست۔

یقین کے شعر پر ہین، گمان یعنے کہ اسکے نہین
غلط ہے ہمنے بوجھا ہے گا مرزا جان جانان کو

میر صاحب یہ مطلب نکالنا چاہتے ہین کہ کلیم نے بکنایہ لطیف یقین کی شاعری کی قلعی کھولی ہے لیکن ایک صائب الرائے یہ شعر پڑھ کے جو نتیجہ نکالے گا وہ میر صاحب کے خلاف ہوگا۔ شاعر تو اس بدگمانی کی تردید کرنا چاہتا ہے جو بعض لوگون کو یقین کے کلام کی جانب سے ہے اور ثبوت مین وہ کہتا ہے کہ ہمنے مرزا جان جانان سے بھی اسکے متعلق پوچھ لیا ہے۔

کچھ آگے چل کر یقین کے اس شعر کے متعلق تحریر فرماتے ہین۔

کیا بدن ہوگا کہ جسکے کھولتے جامہ کے بند
برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا

اگرچہ اکثر شاعران ریختہ را تبدل بند یافتہ ام متبدل میگویند و تواردی نامند
گویا این شعر استادہ در حق ایشان است۔

ہر چہ گویند بے محل گویند — در تواردِ غزل غزل گویند

لیکن شعر یقین لفظاً لفظاً متبدل راے انند رام مخلص است کہ گذشت طرفہ تر اینکہ آنہم در سلیقہ سرقہ یکہ بودہ است، خدا داند کہ این معنی در اصل از کیست

؎ اخن تمام گشت معطر چو برگ گل بند قبا سے کیست کہ وا میکنیم ما

مقصد اس تقابل اور اس شعر کا سوا اسکے اور کیا ہو سکتا ہے کہ یقین اور مخلص دونون کو سرقہ کا ملزم ٹھہرایا جائے اور یقین کی توہین کی جائے کیونکہ اس قسم کی مثالین میر صاحب نے کسی اور شاعر کے متعلق پیش نہین کین۔ کیا عجب ہے کہ میر صاحب میان یقین سے مل کے خوش نہوے ہون اور اسی خیال سے متاثر ہوکے یہ فقرے لکھدیے ہون کہ "رمونت فرمون پیش او پشت دست بر زمین می گذارد، ذائقۂ شعر فہمی مطلق ندارد"

میر صاحب نے یقین کی خاندانی بزرگی کا ضرور اعتراف کیا ہے جسکو مولانا نے موصوف نے اپنے دیباچہ مین بھی نقل کیا ہے، لیکن شاعری خاندانی یا ذاتی وجاہت سے بالکل الگ چیز ہے۔ اس تعریف سے وہ توہین زائل نہین ہو سکتی۔

بہ ظاہر نکات الشعرا جامع تذکرہ ہے جیسا کہ مقدمہ مین مولانا شروانی نے تسلیم کیا ہے لیکن اُردو شاعری کو میر صاحب سے ایک شکایت ہو سکتی ہے جسکا کوئی جواب نہین میر صاحب نے تحریر فرمایا ہے

اگرچہ ریختہ در دکن است، چون از انجا یک شاعر مربوط بر نخواستہ لہذا شروع بنام آنہا نہ کردہ و طبع ناقص مصروف اینہم نیست، کہ احوال اکثر آنہا ملال انگیز گردد مگر بعضے از انہا نوشتہ شد

بحیثیت تذکرہ نگار میر صاحب کو بلا کسی تعصب کے ان سب شعرا کے حالات پر روشنی ڈالنی تھی جنکے گھر مین اُردو شاعری نے پہلے پہل جنم لیا خواہ اُنکے اشعار قابل پسند تھے یا نہ تھے۔

فارسی شاعری کا وہ ابتدائی شعر ابتک مشہور ہے جسکا پہلا مصرعہ بہرام گور نے شکارگاہ مین کہا تھا اور دوسرا اُسکے وزیر نے

منم آن پیل و مان و منم آن شیر بلہ نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ

لیکن اُردو تذکرہ نویسون کی بے پروائیون سے آج یہ وثوق سے کہنا مشکل ہے کہ اُردو کا پہلا شعر کون ہے، بہرحال حامیان اُردو کو انجمن ترقی اُردو کا شکرگذار ہونا چاہیے کہ اسکی توجہ سے نکات الشعرا کی زیارت نصیب ہوئی، شروع تذکرہ مین مولانا حبیب الرحمن صاحب کا مقدمہ بھی قابل تحسین ہے۔ حقیقتاً آپ نے مقدمہ نگاری کے اہم فرائض کو بڑی خوبی سے ادا کیا ہے، نکات الشعرا بقول مولانا شروانی چھوٹی تقطیع کے ۱۸۷ صفحون کا ایک مختصر رسالہ ہے مگر چونکہ ایک اُستاد فن کی تصنیف ہے اسلیے ادبی، تاریخی معاشرتی، معلومات اور فوائد سے مالامال ہے۔ اسمین ایک سو دو شعرا کا تذکرہ ہے، کاغذ عمدہ، کتابت وطباعت دیدہ زیب، قیمت عہ

ملنے کا پتہ۔ دفتر انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن۔

تاریخ ملل قدیمہ

ہندوستان مین یہ کہنے والے تو بہت ہین کہ اُردو زبان علمی زبان نہین، مگر ایسے احباب کم ہین جو اس احساس کے بعد بھی اُردو کو علمی زبان بنانے کا خیال رکھتے ہون۔ بالفرض خیال کرنیوالے بھی ملین تو سعی عمل کا کہین نشان نہین ملتا اس قحط الرجال مین بعض پرجوش اصحاب بیشک قابل ستائش ہین جو سرگرم کار ہین انھین منتخب حضرات مین ہمارے دوست فہمی ترمذی بھی ہین جنکی حسن سعی سے یہ بےنظیر کتاب اُردو کے کتبخانے مین داخل ہوئی۔

فہمی صاحب اس سے پہلے بھی چند عمدہ کتابون کا ترجمہ اردو مین کر چکے ہین جنمین سے بعض شایع ہوگئین اور بعض ابھی چھپنے کو باقی ہین۔

کاش ہندوستان مین انجمن ترقی اُردو جیسی بیشمار انجمنین قائم ہوتین جن سے مصنفین ومترجمین کی جگر کاویون کی داد ملجایا کرتی اور انکی کتابین شایع ہوجایا کرتین لیونکہ یہی اُن غریبون کی محنت بے حاصل کی داد ہے۔

یہ کتاب فرانسیسی زبان سے ترجمہ ہوکر ایران پہونچی اور فارسی سے اُردو لباس

مین جلوہ گر ہوئی، اسمین مصر قدیم کے حالات اس شرح وبسط سے تحریر ہین کہ اُس زمانہ کی تہذیب وتمدن کا نقشہ آنکھون مین کھنچ جاتا ہے۔ جابجا مجسمونکی تصویرین بھی دیگئی ہین۔ ترجمہ عمدہ۔ عبارت سلیس۔ کاغذ نفیس، کتابت وطباعت دیدہ زیب قیمت ۴ عہ ملنے کا پتہ:۔ دفتر انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

چورون کا کلب

اُردو دان پبلک، مسٹر ظفر عمر مولف "نیلی چھتری" بہرام کی گرفتاری" سے ایک حد تک واقف ہوچکی ہے۔ آپ کے افسانے ملک مین قبول عام کی سند حاصل کرچکے ہین۔ اُردو ادب مین ابتک ایسے افسانے جنکی بنیاد صرف حسن وعشق کی دلکش داستانون پر نہو بلکہ وہ دلچسپ ہونیکے علاوہ سبق آموز بھی ہون، بہت کم تھے، مسٹر ظفر عمر نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ چورون کا کلب اسی قسم کی کتاب ہے اور بیحد دلچسپ ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ۔ قیمت عہ، جو حجم کے لحاظ سے کسی قدر زیادہ ہے۔

ملنے کا پتہ۔ دفتر زمانہ کانپور

بازار حسن

یہ دلکش ناول ہندوستان کے مشہور افسانہ نگار منشی پریم چند کے زور قلم کا نتیجہ ہے جسکا پہلا حصہ، دارالاشاعت لاہور نے شایع کیا ہے۔

منشی پریم چند کے افسانے ادب اُردو کے لیے سرمایۂ ناز ہین، جن احباب نے پریم پچیسی اور پریم بتیسی وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے اُنکو اندازہ ہوگا کہ منشی پریم چند کس خوبی سے انسان کی حسیات باطنی کی تصویر کھینچتے ہین۔ سادگی مین رنگینی اور رنگینی مین سادگی پیدا کرنا منشی پریم چند کا خاص حصہ ہے۔

اسکے علاوہ بازار حسن، کی دلکشی، خود اسکے نام ہی سے ظاہر ہے، کاغذ عمدہ،

کتابت وطباعت دیدہ زیب۔ قیمت دارالاشاعت پنجاب لاہور سے معلوم ہوسکتی ہے

حفظان صحت

اس کتاب مین ڈاکٹر محمد رحمت الٰہی صاحب صدیقی ایل، ایم، بی، نے حفظان صحت کے متعلق تمام ڈاکٹری اصول نہایت شرح وبسط سے سمجھادیے ہین، اکثر اہم مضامین کی تشریح مین تصویرین بھی دی گئی ہین، فی الحقیقت یہ کتاب ایک درسگاہ طب ہے۔ ہر بات سبق کے طور پر سمجھائی گئی ہے اور ضروریات زندگی پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے۔

ان خوبیون پر زبان اسقدر سلیس اور عام فہم ہے کہ ہر شخص اس کتاب کو پڑھکر بآسانی اصطلاحات ورموز ڈاکٹری سے واقف ہوسکتا ہے سچ یہ ہے کہ ڈاکٹر موصوف نے ایک ایسا آئینہ تیار کردیا ہے جسمین جسم انسانی کی تشریح کے علاوہ امراض اور اُنسے بچنے کی تدبیرین اور دوائین اپنی کامل جلوہ آرائیون کے ساتھ نمایان ہین۔

کتاب ۳۰۱ صفحون پر ختم ہوئی ہے، آخر مین بطور ضمیمہ ۴۰ صفحے اور بھی شامل ہین جنمین انگریزی ادویات واصطلاحات، کے معانی اُردو زبان مین لکھدیے گئے ہین غرض حفظان صحت ایک مفید اور کارآمد کتاب ہے۔

یہ کتاب نولکشور پریس لکھنؤ مین چھپی ہے، کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ، قیمت صرف ۴ عہ شائقین نولکشور پریس لکھنؤ سے طلب فرمائین۔

فلسفۂ اخلاق

اس اخلاقی صحیفہ کے مولف ابو اللسان محمد سلیم (منشی فاضل) معلم ادبیات اُردو نارمل اسکول امراؤتی ہین۔ جسمین اخلاقی اور فلسفیانہ مسائل کو سلیس اور بامحاورہ اُردو مین سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، جابجا حدیث قدسی اور آیات قرآنی سے استدلال کیا گیا ہے اور طلباء کے ذہن نشین کرنے کے لیے ہر سبق کے بعد امتحانی سوالات بھی دیے گئے ہین۔

فلسفۂ اخلاق، علاوہ درس تدریس کے مذہبی طور پر بھی قابل قدر ہے جس سے علم واخلاق کیساتھ ساتھ عقائد پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے۔ حجم ۸۰ صفحہ۔ کاغذ عمدہ۔ لکھائی چھپائی اچھی۔ شائقین حضرت مولف سے طلب فرمائین۔

اعظمی

ترانۂ بہار

پھر بہار آئی ہوا سے بوئے یار آنے لگی
پھر پپیہے کی صدا دیوانہ وار آنے لگی

"پی کہاں" کا شور اُٹھا "حق سرہٗ" کا غلغلہ
کوئلیں کوکیں صدائے آبشار آنے لگی

کھیت جھومے، بور آیا، پھول مہکے، دل کھلے
کوئلیں بولیں، ہوائے مشکبار آنے لگی

پھر درختوں نے زمیں سے رنگ چوسے نو بہ نو
پتیوں میں پھر نظر، شکلِ بہار آنے لگی

پھر مری ہر سانس اک خوشبو کی دنیا ہو گئی
پھر ہوائے طرۂ گیسوئے یار آنے لگی

پھر گھنے باغوں میں چھیڑا مست پروا نے راگ
پھر صدائے نغمہائے شاخسار آنے لگی

پھر ہوائے سرو کے جھونکوں میں مے خانے کھلے
پھر لبِ جاں بخش سے بوئے خمار آنے لگی

کھینچتی تتوں پہ خط، رنگینیاں بھرتی ہوئی
پھر صبا پہنے ہوئے پھولوں کے ہار آنے لگی

پھر سماعت سے ملائم سازنے کی چھیڑ چھاڑ
پھر صدائے بربط و چنگ و ستار آنے لگی

پھر شگوفے مسکرائے، پھر چلی ٹھنڈی ہوا
یادِ اک عالم کی پھر بے اختیار آنے لگی

جوشؔ پھر رسنے لگے ٹوٹے ہوئے وعدوں کے زخم
پھر مرے سینے سے بوئے انتظار آنے لگی

جوشؔ ملیح آبادی

بہار

آگئی بہار پھر | طرفہ ہے نکھار پھر | آئے پھر نمو کے دن | یعنی رنگ و بو کے دن
رنگ لائی ہین کئی | پتیان نئی نئی | ہو کے نازنین آفرین | یہ بھی پھول بن گئین
اُنسے پھرے ہوئے | گل بھی ہین کھلے ہوئے | یعنے ہے تبسم نما | اِک شگوفہ پھول کا
اور اُدھر زمین پہ بھی | دُوب ہے ہری ہری | گویا آسمان سے | پھول ہین برس رہے
کچھ زمین پہ آگئے | کچھ ہوا مین چھا گئے | دلربا شمیم ہے | جانفزا نسیم ہے
خندہ ہے ادائے گل | اور نفس ہوائے گل | خوشنما زمانہ ہے | اِک نگارخانہ ہے
ہے زمین ورق بنی | شرحِ ازحق بنی

فصل بیمثال ہے | موسمِ خیال ہے | آفتاب کی کرن | اُس طرح ہے ضوفگن
وقت خوش ہی سال کا | دورِ اعتدال کا | جو روش ہے، نرم ہے | سرد ہے نہ گرم ہے
جیسے سوکھے پیڑ بھی | پا گئے ہین تازگی | کیا ہے کارِ زندگی | ہے بہارِ زندگی

وقت دلفریب ہے | سالبِ شکیب ہے | ابر ہے جو چھا رہا | لطف ہے دکھا رہا
ٹھنڈی ٹھنڈی ہی فضا | اور خنک خنک ہوا | پھر وہ اُسمین جھولنا | ٹیسو دن کا پھولنا
آہ رت مین ہین بھری | سرخیان شباب کی | کیا نمو کا رنگ ہے | دل مین اِک اُمنگ ہے
یہ خوشی کا ہے سمان | اور ہے یخ بھی عیان | یعنی کوئل، آہ اب | نالہ کش ہے با تعب
اے پرند غم نصیب! | آہ او ستم نصیب! | کیون یہ اقتضائے غم؟ | کیون ہے یہ نوائے غم؟

ہے یہی تو فصل آہ ہو لیون کی جلوہ گاہ ہے یہ جشن سال نو خرمیِ حال نو
ہاں کبھی یہ روز تھا واقعی سر درزا جب ترانے دید کے نغمہ ساز خلق تھے
چھا رہا تھا جب یہاں آہ "یگینہ" کا دھواں جسمیں تھی ہوائے گل نکہت آشنائے گل
تھا سماں یہ خوشگوار تھی بہار میں بہار اُف وہ وقت کیا ہوا لطف سب ہوا ہوا
منگیا کمال ہائے ابتو ہے زوال ہائے ویدخوان سے جو بنے اب وہ ہزل گو بنے
تھے جو مستِ عشق ذات وہ ہین اور منشیات جن دلون مین تھی وفا آنمین ہے فقط ریا
جب شعار بدہوا سب وقار رد ہوا اُف یہ کیا تھا کارِ قوم ہوگیا فشار قوم

آہ اب دمِ بہار ہم ہین اور غمِ بہار

ہے عروسِ شام کا کیا جمال خوشنما پر یہ سب کمالِ حسن ہے فقط خیالِ حسن
اب شفق بھی کیا بنی سرخیِ حنا بنی اُف یہ جھلملی ردا دھوپ چھاؤنکی ردا
جس سے چھن رہا ہی حسن رنگ بن رہا ہے حسن کچھ خنک جو ہے سماں تازہ ہے دل جہان
یون ہے بہر دید حسن واہ کیا نوید حسن ہان نظام کے لیے ایسی آنکھ چاہیے
جو ہو محوِ کائنات اور مبصرِ نکات

اب ہے سج کے آشکار واہ کیا شبِ بہار ہے فضائے آسمان اور ہے ماہ ضوفشان
جیسے سبزہ زار خلد اور آبشار خلد ہین ستارے بن کے پھول آہ نسترن کے پھول
لکہ ہائے ابر گر آرہے ہین کچھ نظر تو وہ جا بجا بنے حوض آب نور کے
لطف تازگی بڑھا خط زندگی بڑھا کیا ہے ٹھنڈی چاندنی اُجلی اُجلی چاندنی
موسمِ نمود عام ہے قریب اختتام شمس کی روش بڑھی دھوپ کی تپش بڑھی
لطف کھو چلی ہوا گرم ہو چلی ہوا بن رہی ہے سطح آب شکل چرخ بے سحاب
کچھ سماں بدل گیا کچھ جہان بدل گیا پتیان جو سرخ تھین سبز سبز ہوگئین
اب نہین فضائے گل اب ثمر ہین جائے گل ھیت سب جو تھے ہرے پک کے زرد ہوگئے
اُف یہ دھوپ کی جلن اور یہ گرمی وحبن ہے پسینہ آرہا خون دل ہے جارہا!

اقبال بہادر سحر

کلام محروم

ہمارے واسطے ہے ایک جینا اور مرجانا
کہ ہمنے اس جہان کو جادۂ راہ سفر جانا

یکایک منزلِ آفات عالم سے گزر جانا
ڈریں کیون موت سے، جب ہے اسی کا نام مرجانا

تری نظرون سے گر جانا، تجے دل سے اُتر جانا
یہ وہ اُفتاد ہے جس سے بہت اچھا ہے مرجانا

جواب ابرِ نیسان تجھکو ہمنے چشمِ تر جانا
کہ ہر اک قطرۂ اشکِ چکیدہ کو گہر جانا

لبِ بام آئے تم اور اُنکے چہرے ہوگئے پھیکے
قمر نے تمکو خورشید اور ستارون نے قمر جانا

خزان کا رنگ ہی خاکِ وطن! تیری بہارون مین
ہجومِ داغِ حسرت دیکھتا ہون لالہ زارون مین

اُداسی تیرے کملائے ہوئے پھولون کی ملتی ہے
چراغِ صبح مین یا آخرِ شب کے ستارون مین

صدائے گریہ دھیمی دھیمی کہسارون سے آتی ہی
گئے وہ دن کہ تھا جوشِ ترنم آبشارون مین

نشاط انگیز اب ساون کی جھڑیان ہونہین سکتین
کہ عالم ابرِ باران کا ہی بارش کی پھوہارون مین

یہی عالم رہا گر تیرے ضبطِ سوزِ پنہان کا
تو پھوٹینگے بجائے خفتہ شعلے ساخسارون مین

تڑپ کر سنگریزون سے شرر باہر نکل آئین
جو تیرا اضطرارِ دل بیان ہو کوہسارون مین

غم آلودہ نہون اشعار محروم حزین کیونکر
کہ ہے تاثیر غم خاکِ وطن! تیرے نظارون مین

زوالِ حسن ساری ہی گلونمین، گلعذارونمین
نہان ہے خارِ حسرت کی خلش پھولونکے ہارونمین

نشاط افروزئ دل بزم فانی کے نظارونمین!
فروغِ جلوۂ مہتاب ناممکن شرارونمین

نہ چھیڑ اے آرزوئے نغمہ میرے سازِ ہستی کو
کہ پنہان جزنوائے غم نہین کچھ اسکے تارونمین

شبستانِ فلک مین محوِ خوابِ ناز ہے کوئی
کہ ایمائے خموشی ہے کواکب کے اشارونمین

یہ احسان مفت کا ہی۔ حال عاشق پوچھتے جاؤ
کہان ہی تابِ گویائی تمھارے غم کے مارونمین

پسندِ خاطرِ محروم طرزِ صاف گوئی ہے
چھپا سکتا ہون ورنہ دل کا مطلب استعارونمین

"محروم"

جذبات فراق

بندھ کے تار آنسوؤں کا ٹوٹ گیا — دل نے آنکھوں سے بیوفائی کی
ایک تصویر تھی وصال کی رات — آپ کے لطف انتہائی کی
کوئی افسانہ چھیڑ تنہائی — رات کٹتی نہیں جدائی کی

رہ رہ کے یاد آتی ہے کیفیتِ شباب — یعنی وہ اک خمارِ ازل کے شراب کا
بیزار ہو کے یاد بھی اُنکی چلی گئی — کیا حال ہو گیا دلِ خانہ خراب کا

ادائیں اُنکی دل سے کھیلتی ہیں — وہ کیا جانیں وفا کیا ہے جفا کیا
شبِ وعدہ ہے یارب خیر کرنا — اُمیدیں بندھ رہی ہیں دل میں کیا کیا
ہوا کرتا ہے یوں بھی کوئی بیتاب — دلِ نادان تجھے یہ ہو گیا کیا

شبہائے طول ہجر کی بیتابیوں کا حال — کہتے ہیں ہاں سُناؤ مگر اختصار سے

رگھوپت سہائے فراق

لطف سخن

عالیجناب شاہزادہ عادل خلف شاہزادہ مرزا آسمانجا بہا انجم ابن شاہزادہ حضرت اختر حنت آرا مگا

گریہ تو ہے ارادۂ طوفان کیے ہوئے
آنسو چلے ہین اور ہی سامان کیے ہوئے

طے کر رہا ہون وادئ وحشت کی منزلین
دامن کو ندر خار مغیلان کیے ہوئے

انجام کیا ہو دیکھیئے مجھ رہ نورد کا
بے مہریٔ فلک ہے پریشان کیے ہوئے

تربت پہ شامیانہ نہین ہے نہین سہی
ابر کرم ہے سایۂ دامان کیے ہوئے

مانع ہے کون ظلم کر و شوق سے مگر
انجام کا خیال مری جان کیے ہوئے

پیکان کسکے تیر کا نکلا ہے دل کے ساتھ
کاشانۂ حیات کو ویران کیے ہوئے

جناب اصغر گونڈوی

گم کر دیا ہے دید نے یون سر بسر مجھے
ملتی ہے اب آنھین سے کچھ اپنی خبر مجھے

جب اصل اس مجاز و حقیقت کی ایک ہے
پھر کیون پھرا رہے ہین اِدھر سے اُدھر مجھے

رکھا ہوا ہے خرمن ہوش و خرد مین کیا
اب ڈھونڈھتی ہے کیون تری برق نظر مجھے

ڈالون نے میرے آگ لگا دی جہان مین
صیاد جانتا تھا فقط مشت پر مجھے

کیا کیا نگاہ مست سے فتنے بپا ہوئے
ساقی ترے نثار نہین کچھ خبر مجھے

کیا درد و بیچہ اور یہ کیا لذت وصال
اس سے بھی کچھ بلند ملی ہے نظر مجھے

ایسا کہان کا چہ رہ ہو سپرد
اہل حرم مین کوئی نہ آیا نظر مجھے

بکھری ہوئی ہے زلف سیہ روے یار پر
اب صبح ہے کہ شام نہین کچھ خبر مجھے

آتی ہے صاف بادِ بہاری سے بوئے دوست
کیوں باندھ باندھ رکھتے ہیں یہ بیخبر مجھے

وہ مست حسن اور میں سرشار آرزو
میری خبر انھیں ہے نہ اُنکی خبر مجھے

ابوالاعجاز جناب ناطق جالندھری

خدائے برخ در احت تھا۔ نثارِ چاک دامان تھا
مقدر جسپہ روتا ہو، میں وہ مایوس انسان تھا

ترا زوجسمین تیرا تیر اور مہمان پیکان تھا
ہماری شرح غم کا وہ دلِ خون گشتہ عنوان تھا

کشاکشہائے حسن و عشق، کی روداد کیا ہمدم
جنون کا ہاتھ تھا اور تار تار اپنا گریبان تھا

مقام بیخودی میں بھی رہے جھگڑے تصور کے
فنا فی الشیخ کو شیخ خود سر در گریبان تھا

جنون کیسا کہان کی اُمتِ لیلیٰ میں بیتابی
وہ دیوانہ تو گویا عاشق چشم غزالان تھا

جناب شیخ آپ، اور بزم رندان جائے حیرت ہو
زبان پر کسکے توبہ تھی بغل میں کسکے قرآن تھا

جلایا شوق نے آکر، بجھایا مجھکو حسرت نے
مگر میں بزم ہستی میں چراغ زیر دامان تھا

رموز سرّ وحدت جسمین واعظ تو نے دیکھے تھے
ازل میں میرا دیوان تھا مے دیوان کا عنوان تھا

اُلجھتا تھا جو رہ رہ کر، میرا دم نزع میں ناطق
مگر تارِ رگ جان بھی، کوئی تارِ گریبان تھا

جناب مولانا محوی لکھنوی

کیوں صرف الم ہوتا، کیوں نذر جفا ہوتا
یارب! نہ مجھے قسمت نے بیکس نہ کیا ہوتا

یوں حسن کی دنیا میں رسوا نہ ہوا ہوتا
یہ ذوق نظر مجھ کو یارب نہ عطا ہوتا

چپ رہنے پہ اس دل کی شورش کا یہ عالم ہے
اک آہ اگر کرتا، کیا جانیئے کیا ہوتا

ہے روح کو بیتابی، ہے قلب کو بیچینی
تیرا سے جو چھوڑا تھا، یارب نہ خطا ہوتا

دنیا کو دکھا دیتے، ہم حسن کی بیتابی
گر خستگیٔ غم سے دل بجھ نہ گیا ہوتا

اللہ ری یہ آرایش، اُف رے تری رنگینی
وہ کل کا ترا وعدہ، کاش آج وفا ہوتا

اس اپنی تباہی پر ہے ناز مجھے محوی
سو بار میں پھر مرتا، گر مر کے جیا ہوتا

جناب مرزا جعفر علی خانصاحب اثر لکھنوی

مین تیرا خیال اُسوقت لے جانِ حزین ہوتا
کہ مرکر قیدِ غم سے چھوٹ جانے کا یقین ہوتا

سہارا بیکسی کا بھی جو برجائے غنیمت ہے
کہ ہمسے غمزدون کا کوئی دنیا مین نہین ہوتا

یقین ہے خوف سے زاہد مین سجدے مین گر پڑتا
فروزان مثلِ داغِ دل اگر نقشِ جبین ہوتا

ترا انداز رعنائی جو دیکھا یہ تمنا ہے
جدھر اُٹھتی نظر تیری مرا دل بھی وہین ہوتا

تصنع سے بری ہو اسلیے عاشق زمانہ ہے
خوشی تھی میرے مرنیکی وہ کیون اندوہگین ہوتا

مکین ہے دل مین وہ اور دل ہو اک عالم جدا گانہ
کسی کو تو نظر آتا جو دنیا مین کہین ہوتا

اثر بیزار ہو رہ رہ کے دلمین درد ہونیسے
بھلا کیا حال ہوتا دل اگر درد آفرین ہوتا

جناب احسن سمبھلی ناظم حلقۂ ادبیۂ دہلی اردو

ظالم نے آج روح کو بھی دل بنا دیا
دونون کو اک نگاہ مین بسمل بنا دیا

خلوت سرائے دل کا یہ عالم کبھی نہ تھا
اک حسن بے حجاب نے محفل بنا دیا

رگ رگ مین اُس نگاہ نے اک روح پھونکدی
جو آبلے تھے دل مین اُنھین دل بنا دیا

نیچی نظر نے قلب کے ٹکڑے اُڑا دیے
تجھکو ادائے شرم نے قاتل بنا دیا

گو میرے حال زار نے رسوا کیا مجھے
اتنا ہوا کہ رحم کے قابل بنا دیا

اب اس سے بڑھکے اے غم جانان مین کیا کرون
مین نے تو دل مین رکھ کے تجھے دل بنا دیا

اس درجہ انتظار مین بیتابیان بڑھین
خود میرے شوق نے مجھے بسمل بنا دیا

ذوقِ طپش ہے اُسکے لیے حاصلِ حیات
جس دل کو تو نے درد بھرا دل بنا دیا

احسن یہ محویت یہ خموشی یہ بیخودی
ایسا کسی کی یاد نے غافل بنا دیا

زمانہ

جلد ۳۸ مئی سنہ ۱۹۲۲ء نمبر ۵

شریمان پنڈت موہن مالویہ

آجکل ہمارے ملک مین معاملات حاضرہ پر رائے زنی کرنیوالے دو بڑے فرقے ہین۔ اول مین مہاتما گاندھی اور اُنکے مداح شامل ہین دوسرے مین سرسندر ناتھ بنرجی مسٹر سری نواس شاستری اور اُنکے ہمخیال ہین۔ مہاتما گاندھی کی پالیسی اسوقت زبردست ہے ملک کے لیے جان و مال سب ایثار کرنیکو تیار ہے اور بہت کچھ تکلیف اُٹھا بھی چکی ہے۔ ان اصحاب کا خیال ہے کہ زبانی جمع خرچ کا وقت اب گزر گیا۔ کانگریس کی چالیس سال کے زبانی جمع خرچ سے گورنمنٹ کی پالیسی مین کوئی فرق نہین آیا۔ نہ آیندہ فرق آنیکی امید ہے اب ضرورت ہے کہ قوم کی خاطر اپنے آپکو قربان کیا جائے۔ تکلیف کو تکلیف نہ سمجھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک مین شمال سے لیکر جنوب تک مشرق سے مغرب تک سیکڑون کیا ہزارون نوجوان اور معمّر اصحاب خوشی خوشی جیلخانہ جا رہے ہین اور ساتھ ہی یہ پرچار کرتے ہین کہ تحریر سے ہو یا تقریر سے خیال سے ہو یا عمل سے غرض کسی طرح بھی فریق مخالف کو نقصان نہ پہونچایا جائے۔ قومی خادمون کو اپنی قربانی اور خدمت ہی سے دوسرون کے قلوب کو مسخر کرنا چاہیے نہ کہ تلخ گوئی اور

بائیکاٹ سے۔ یہ ناممکن ہے کہ اس اعلیٰ نصب العین سے کبھی بھی خلاف ورزی نہ ہو اتنی بڑی آبادی مین مختلف طبقے کے لوگون کو اس خلوص عقیدت کے پیدا کرنے کے لیے ایک خاص وقت کی ضرورت ہے۔ مگر اسمین بھی کچھ شبہہ نہین کہ مہاتما گاندھی دلی پاکیزگی کا پرچار سچے دل سے کر رہے ہین اور جو شخص سیدھے راستہ سے بھٹکتے ہین انکی وہ بلا رورعایت سرزنش کرتے ہین۔ دوسری پارٹی جسکو ماڈریٹ یا لبرل پارٹی کہا جاتا ہے یقین کرتے ہین کہ اخبارون اور لیکچرون کے ذریعہ سے گورنمنٹ کی کارروائی پر آزادانہ نکتہ چینی کرنے سے انتظام ملک مین رفتہ رفتہ ترقی ہو جائیگی۔ انکا خیال ہے کہ ہمکو گورنمنٹ کے ساتھ ملکر کام کرنا چاہیے۔ سرکاری عہدون کو قبول کرنا چاہیے سرکاری کونسلون کا ممبر بننا چاہیے اور وہان دل کھول کر ملکی ضروریات کو گورنمنٹ کے روبرو پیش کرنا چاہیے۔ انکا یہ بھی خیال ہے کہ گورنمنٹ نے ہر ایک صوبہ کی انتظامیہ کونسلون مین بڑے بڑے تنخواہ دار عہدے اہل ہند کو عطا کر دیے ہین پنجاب مین مسٹر شادی لال کو ہائیکورٹ کا چیف جسٹس مقرر کر دیا ہے۔ تین ہندوستانی گورنمنٹ ہند کی کونسل کے ممبر ہین۔ ابھی حال ہی مین ایک صوبہ کے گورنر بھی ہندوستانی تھے۔ ہندوستان مین سول سروس کا امتحان بھی ہونے والا ہے اور فوجی عہدون پر ممتاز ہونے کی لیاقت حاصل کرنے کیلیے ہندوستان مین کالج کھولے جا رہے ہین۔ غرض اسی طرح گورنمنٹ آیندہ بھی اہل ہند کے حقوق بڑھاتی رہے گی۔

مگر عدم تعاون کے حامی دعویٰ کرتے ہین کہ یہ سب رعائتین اُن لوگون کی قربانیون کا نتیجہ ہین جو تقسیم بنگال کے وقت سے اپنی قوم پر نثار ہو رہے ہین جنھون نے خوشامد اور میٹھی باتون کو بالاے طاق رکھکر گورنمنٹ کی غلط اور ناجائز پالیسی کو پوست کندہ عوام پر روشن کر دیا ہے۔ خوشامد کرنیوالے اگر ہزار برس گورنمنٹ کی مدح سرائی کرتے رہین گے تب بھی ملک کو کچھ نہ ملے گا۔ یہ دونون فریق ایک دوسرے کی نکتہ چینی مین مشغول ہین۔ بعض اوقات یہ نکتہ چینی اخلاق کے درجہ سے گر جاتی ہے مگر کوئی فریق اپنی کمزوریون سے آگاہ ہونے کی کوشش نہین کرتا۔ اُنکے مقابلہ مین پنڈت

مدن موہن مالویہ جی کی ایسی بے نظیر شان موجود ہے کہ اُنکی جتنی تعریف کیجائے کم ہے اُنکا ہر دو فریق سے تعلق ہے۔ چھوٹی عمر سے کانگریس مین دلچسپی لیتے رہے ہین ۱۹۰۹ء مین وہ لاہور کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ بابو سرندر ناتھ بنرجی نے پنڈت جی کو کرسی صدارت کے لیے تجویز کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ پنڈت صاحب جسوقت کلکتہ کی ۱۸۸۶ء کی کانگریس مین تشریف لے گئے تھے اُنکا قد اسقدر چھوٹا تھا کہ انھین ایک میز پر کھڑا کیا گیا تھا تاکہ سب لوگ دیکھ سکین اور اُنکی من موہنی تقریر سُن سکین۔

اسکے بعد وہ دہلی کانگریس کے پریسیڈنٹ منتخب ہوئے۔ غرض اہل ملک نے اُنکی قابلیت اُنکی حب الوطنی اور ایثار نفس کی دل کھول کے خوب خوب داد دی ہے۔ اُنکا شیوہ ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ وہ کبھی کسی کی نسبت دل آزار الفاظ استعمال کرنا نہین چاہتے نہ اُنھون نے کسی کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کیے ہین جو قابل اعتراض ہون۔ وہ کانگریس کے ہر ایک جلسہ مین شریک ہوتے رہے ہین۔ انکو پرماتما نے ایسی لوزانی شکل ایسی میٹھی زبان اور ایسا پسندیدہ طرز بیان اور ایسی بے لوث حب الوطنی عطا کی ہے کہ شروع ہی سے کانگریس مین جانیوالے لوگ سچے دل سے انکی عزت کرتے رہے ہین

الہ آباد کے وکیلون مین اُنکا رتبہ ہمیشہ بلند رہا ہے۔ انکی آمدنی بھی بہت اچھی تھی۔ مسٹر گوکھلے کی بے وقت موت سے پہلے پنڈت مالویہ جی کانگریس کے طبقہ مین قابلیت کے لحاظ سے چیدہ شخصون مین تھے۔ مگر جو لوگ ملکی معاملات مین سخت زبانی پسند کرتے ہین وہ موصوف کو ایک نرم بالیٹیشن سمجھتے تھے جو سنگین موقعون پر گرم کام کرنیکے لائق نہین۔ مگر یہ ان لوگون کی خام خیالی تھی۔ مسٹر گوکھلے کی افسوسناک موت پر تمام ملک مین مایوسی چھا گئی تھی۔ لوگ ہاتھ ملتے تھے کہ اب کیا ہوگا۔ ہندوستان کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو کون پار لگائے گا۔ پرماتما نے اس بیکس ملک کی فریاد سُن لی اور پنڈت مدن موہن مالویہ کے دل مین وہ حوصلہ پیدا کر دیا کہ جسکا لوگون کو گمان بھی نہ تھا مسٹر گوکھلے کے بعد اُنھون نے ویسرائے کی کونسل مین ہر ایک ضروری معاملہ پر اس شان کی تقریرین کین کہ چارون طرف سے واہ واہ ہونے لگی۔ گورنمنٹ کو بھی معلوم

ہوگیا کہ پنڈت جی کی طبیعت کو قدرتی طور پر نرم واقع ہوئی ہے مگر ضرورت کے وقت وہ کڑوے اور سچے واقعات کو نہایت زور سے بیان کرسکتے ہین - ویسرلے کی کونسل کا کام نہایت مشکل ہے - ایک طرف سرکاری ممبران ہوتے ہین جو خود نہایت لائق اور تجربہ کار ہوتے ہین اور اُنکے ماتحت بڑے بڑے لائق سکرٹری اور انڈر سکرٹری ہوتے ہین جو ہر ایک معاملہ مین پوری تحقیق و تفتیش کرنیکے بعد اپنے صیغہ کے ممبر کی خدمت مین رپورٹین پیش کرتے ہین - ساتھ ہی ہر ایک صوبہ کی لوکل گورنمنٹ ہند کی پوری مدد کرتی ہے - دوسری طرف یہ حالت ہے کہ پنڈت مالویہ جی خود ہی اخبار رات پڑھین خود ہی سرکاری رپورٹین پڑھین - خود ہی سوالات تیار کرین اور خود ہی سرکاری ممبرون کی نکتہ چینی کا جواب دین - جو لوگ اپنے گھرون مین بیٹھے ہوئے کونسل کے مباحثون کا اخبارون مین لطف اُٹھاتے ہین اُنکو لائق ہندوستانی ممبرون کی محنت کا اندازہ لگانا مشکل ہے - اسی سخت محنت کی وجہ سے مسٹر گوکھلے جنھون نے اپنی تقریرون سے لارڈ کرزن کو لاجواب کردیا تھا قبل از وقت انتقال کرگئے - اسی محنت کی وجہ سے پنڈت مدن موہن مالویہ جی کئی دفع بیمار ہوکر کام بند کرنے پر مجبور مجبور ہوچکے ہین - مگر مالویہ جی اپنے ارادہ کے پکے ہین اُنھون نے ملکی خدمت کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا - جسوقت جرنیل ڈائر کی وجہ سے تمام ملک کی حالت دردناک ہورہی تھی پنڈت مالویہ جی نے مہاتما گاندھی اور دیگر فدایان ملک کے ہمراہ واقعات پنجاب کی تحقیقات کی اور پھر ویسرلے کی کونسل مین تمام تشدوات کے متعلق وہ سوالات پیش کیے جنکی نظیر آجتک ہندوستان کی تاریخ مین موجود نہین - اُن سوالات نے تمام ملک مین ایسی ہلچل پیدا کردی جو بیان سے باہر ہے - لوگون کا خیال تھا کہ ان سوالات کا گورنمنٹ جواب دے یا نہ دے - مظالم پنجاب کی تلافی کرے یا نہ کرے تاہم ان سوالات سے مالویہ جی کی بیباکی اور لیاقت، حُبّ الوطنی اور درد قومی کا پورا ثبوت ملتا ہے اور یہ سوالات اہل ہند کی سیاسی تعلیم کا بہترین ذریعہ ہین جو بعد پنجاب کے واقعات کے متعلق لارڈ چمسفورڈ کی کونسل مین ہوا اور جس حوصلہ

صدق دلی اور پُر درد الفاظ سے مالویہ جی نے اپنے ملک کی وکالت کی اسکی تعریف کرنا مشکل ہے۔ گورنمنٹ نے مالویہ جی کی تقریرون کو ادب سے سنا تنگدل افسرون نے اپنی تنگدلی بھی ظاہر کی اور انکی نسبت ناشایستہ خیالات بھی ظاہر کیے مگر تمام ذمہ دار افسرون یعنی وایسرائے اور ممبران کونسل وغیرہ کی نظرون مین مالویہ جی کی عزت بہت بڑھ گئی۔ پنجاب کے حادثات نے سیاسی حلقون مین جو انقلاب پیدا کیا ہے اسی کی وجہ سے مہاتما گاندھی نے عدم تعاون کی تحریک ملک مین جاری کی قوم پرستون کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ سرکاری کونسلون کے ممبر نہ بنین مالویہ جی نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی۔ اگر میری یاد غلطی نہین کرتی تو کلکتہ کانگریس کے بعد ہی اُنھون نے کلکتہ کے ایک بڑے جلسہ مین اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوے فرمایا تھا کہ ہندوستان کے لائق آدمیون کا کونسل مین بحیثیت ممبر کام کرنا نہایت ضروری ہے۔ اُسوقت اُنھون نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ وہ خود ضرور کونسل کا ممبر بننے کی کوشش کرینگے۔ انکے مشورہ سے حامیان عدم تعاون کے عقیدہ مین کچھ فرق نہین آیا بلکہ برعکس اپنے اعلان کے مالویہ جی نے اپنے دوستون کے پاس خاطر سے یا کسی اور وجہ سے کونسل کے ممبر بننے کا ارادہ ترک کر دیا۔ بہت سے دانا اصحاب کا خیال ہے کہ مالویہ جی نے اس معاملہ مین غلطی کی۔ انکو وایسرائے کی کونسل کا ممبر ہونا چاہیے تھا۔ مگر جب مہاتما گاندھی نے یہ فیصلہ کیا کہ قوم پرستون کو سرکاری یا سرکار سے مدد لینے والے کالج اور سکولون سے اپنے لڑکے اُٹھا لینے چاہئین تو مالویہ جی نے اُنکی راے پر عمل کرنے سے صاف لفظون مین انکار کر دیا۔ اُنھون نے مہاتما گاندھی کو موقع دیا کہ وہ بنارس ہندو یونیورسٹی کے وویدیارتھون کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کرین اور پھر اُنھون نے اپنے عقیدہ کا اعلان کیا کہ موجودہ سرکاری اسکولون اور کالجون کو بائیکاٹ کرنے کا اصول بالکل غلط ہے۔ یہ مالویہ جی کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ بنارس ہندو یونیورسٹی اسوقت تک قائم ہے ورنہ حامیان عدم تعاون نے اُس یونیورسٹی کے طالبعلمون کے خیالات مین انقلاب پیدا کرنے مین کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا تھا۔

باوجودیکہ مہاتما گاندھی اور مالوی جی کے خیالات مین چند ضروری امورات مین سخت اختلاف ہے مگر دونون کے دلون مین ایک دوسرے کی نسبت نہایت سچی عزت اور محبت ہے یہی وجہ تھی کہ مالویہ جی نے مہاتما گاندھی کو پچھلے سال شملہ بلایا اور ویسرائے سے انکی ملاقات کرائی۔ مالوی جی کی یہ راے ہے کہ ملک کے حالات کا لحاظ کرکے تحریک عدم تعاون کی رفتار اور رسول نافرمانی کے اجرا مین تامل کیا جائے۔

گول میز کی کانفرنس کے لیے جو کوشش مالوی جی نے کی وہ تاریخ ہند مین ہمیشہ یادگار رہے گی۔ اگرچہ ایک خاص خیال کے حامیان عدم تعاون مالویہ جی کے پیغام صلح کو اچھی نگاہ سے نہین دیکھتے مگر مالویہ جی اپنی طرف سے سب کو محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہین اور صدق دل سے یقین کرتے ہین کہ گورنمنٹ اور قوم پرستون مین صلح ہونا ملک کی ترقی کے لیے اشد ضروری ہے۔

بنارس ہندو یونیورسٹی | اگرچہ مالوی جی نے اپنی عمر کا بڑا حصہ وکالت مین صرف کیا اور سیاسی معاملات سے ابتک انکو بڑی دلچسپی ہے مگر وہ بھی رابندرو ناتھ ٹاگور کی طرح دل سے یہی چاہتے ہین کہ سیاسی دھندون کو خیرباد کہکر پرانے پنڈتون کی طرح پڑھنے اور پڑھانے مین اپنی بقیہ زندگی گزارین جس لگاتار کوشش سے وہ ہندو یونیورسٹی کو وجود مین لائے ہین وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اسکی ترقی کے لیے انکو کلکتہ اور کبھی بمبئی کبھی لاہور اور کبھی مدراس جانا پڑتا ہے۔ چارون طرف سے وہ اپنی پیاری یونیورسٹی کے لیے لاکھون روپیہ لاتے ہین۔

اسوقت جو شاندار عمارتین اور سیکڑون طالبعلم ہندو یونیورسٹی کی آیندہ ترقی کا اشارہ کر رہے ہین وہ سب مالوی جی کی ان تھک کوشش کی بدولت ہین۔ چارونطرف سے بیدردنکتہ چینی کی بھرمار ہوتی ہے مگر انکے ذہن مین کبھی ذرا فرق نہین آتا۔ پرماتما نے انکو لیاقت اور فصاحت کے ساتھ ایسی بردباری دی ہے کہ وہ ہر ایک تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے ہین انگریزی تعلیم نے انکو انگریزی تہذیب کا غلام نہین

بنایا وہ سچے برہمن ہین اپنے بزرگون کی طرح ہر روز پوجا پاٹ کرتے ہین پیشانی پر تلک لگاتے ہین اور مطالعہ کتب مین مشغول رہتے ہین۔

مجھے اُنسے ملنے کا کئی دفعہ اتفاق ہوا ہے پچھلے سال ستمبر مین شانتی کوٹھی واقع شملہ مین حاضر خدمت ہوا تھا میز اور الماریان کتابون اور اخبارون سے لدی ہوئی تھین۔ مین نے کہا کہ برہمن جاتی کی حوصلہ افزائی کے لیے کبھی لکچر دیدیا کیجیے۔ فرمایا کہ مین تو برہمن جاتی کا داس ہون مگر مین ایک بڑے کام مین مشغول ہون جس سے برہمن اور غیر برہمن سب کا فائدہ ہوگا بعد ازان میری تندرستی کے متعلق مجھے مشورہ دیتے رہے اتنے مین وہ سیر کے لیے باہر جانے کو تیار ہوئے مین نے نشکارکی اور بابو گنج کے راستہ سے اپنے مقام پر واپس آگیا۔

جو لوگ برہمن جاتی کو گالیان دیتے ہین اُنکو پنڈت مدن موہن مالویہ جی کی زندگی پر غور کرنا چاہیے۔ دیکھئے اُنھون نے تمام ملک کی کیا اعلیٰ درجہ کی خدمت کی ہے وہ اکیلے برہمن نہین ہین جنھون نے اپنے آپ کو قوم پر نثار کر دیا ہے اُنکے لڑکے اور دوسرے قریبی رشتہ دار بھی حب وطن پر پروانہ وار قربان ہو رہے ہین۔ پنڈت موتی لال نہرو اور اُنکے لڑکے اور دیگر رشتہ دارون کی نظیر بھی بمثال ہے۔ ملک مین جدھر جایئے چارون طرف برہمن جاتی کے سپوت ملکی خدمت مین کوشان ہین۔ جو لوگ بقید حیات نہین اُنمین راجہ رام موہن رائے مسٹر گوکھلے مسٹر تلک جیسے برہمن ہندوستان کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب کی طرح چمک رہے ہین۔ اگر کسی وقت تنگدل برہمنون نے کسی کو نقصان پہونچایا ہے تو مذکورۂ بالا شورہ پشتون نے اپنی لاثانی خدمت سے اپنی جاتی کے گناہون کی کافی سے زیادہ تلافی کر دی ہے۔ اور ملک پر وہ احسان کیے ہین کہ کوئی شخص اُنکو بھول نہین سکتا۔ اگر کسی اور وجہ سے نہین تو کم از کم ان مہاپرشون کی خدمات کی وجہ ہی سے تنگدل ریفارمرون کو برہمن جاتی کا دل دکھانے سے باز رہنا چاہیے۔ ملکی ترقی باہمی نفرت سے نہین ہو سکتی باہمی محبت سے ہو سکتی ہے۔

مادھو رام وکیل انبالہ

اقتصادیات مین ہندستانی نقطۂ نظر

پروفیسر مارشل کا قول ہے کہ دنیا مین جس عظیم الشان انقلابات نے تہذیب اور شائستگی کی کایا پلٹ کردی ہے اُنکی تہ مین کوئی نہ کوئی تحریک کام کرتی رہی ہے۔ انمین سے ایک مذہبی ہے اور دوسری اقتصادی۔ ایک کا تعلق انسان کی روح اور خدا سے ہے اور دوسرے کا جسم اور اُسکے نشو ونما سے۔

دُنیا کی تاریخ دیکھیے۔ ہر ملک مین ایسی مذہبی تحریکون کا نشان ملتا ہے جنھون نے سوسائٹی کی اخلاقی۔ تمدنی اور سوشل حالت پر بہت بڑا اثر ڈالا ہے۔ امریکہ آزادی کے دلدادہ انسانون سے آباد نہوتا اور نہ انگلستان صنعتی دنیا مین ممتاز اگر مذہبی آزادی کے سرفروشون کے ساتھ یورپ مین حد درجہ کا ظلم نہ کیا گیا ہوتا۔ کیونکہ مذہبی آزادی کی وجہ سے مغربی اور شمالی یورپ کے صناع برطانیہ مین آکر آباد ہوے اور انگلستان صنعت وحرفت کا مرکز بنگیا۔ اسی طرح ہندوستان کو آج پارچہ بافی کی صنعت پر ناز کرنے کا موقع نہ ملتا اگر پارسیون کو اپنے ملک مین مذہبی آزادی حاصل ہوتی۔ بمبئی کی تجارت صنعت وحرفت سب پارسیون کی حسن کوشش کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان مین صنعتی ترقی کی لہر جو ہر طرف دوڑ رہی ہے اُسکے بانی پارسی ہی ہین۔ لوہے کی صنعت کو یورپین طرز کی ترقی دینے والے بھی پارسی ہین۔ مغربی گھاٹ مین پانی کو جمع کرکے برقی قوت کا انتظام کرنیوالے بھی پارسی ہین ابر صنعت وحرفت مین کیمیاوی سائنس کے اطلاق کو دائرۂ عمل مین لانیوالے بھی پارسی ہی ہین۔ اسلیے اُنکو نئے صنعتی دور کا پیشرو کہنا بیجا نہوگا ہندوستان کے لیے وہ دن بہت مبارک ہے جب پارسیون نے اپنے ملک کو

ہمیشہ کے لیے خیرباد کہکر ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔

زندگی کے ہر شعبہ مین مذہبی تحریکون کا ہمیشہ تعجب خیز اثر پڑا ہے۔ بدھ مذہب نے ہندوستان مین کیسا زبردست انقلاب برپا کردیا تھا؟ تواریخ۔ کتبے۔ اسٹمب اور دیگر چیزین جو پرانی تہذیب کے کھنڈرات کھودنے سے نکلتے ہین سب اسکے شاہد ہین۔

اب اقتصادیات پر غور کیجیے کہ دنیا مین اسکا کتنا دور دورہ ہے اور کسطرح مغرب کو اُسنے مادی زنجیرون مین جکڑ دیا ہے جسکی وجہ سے سادہ زندگی اُسکو نیم وحشیانہ معلوم ہوتی ہے۔ اگر ریل۔ تار۔ موٹر۔ بجلی محل۔ تھیٹر موجود نہو تو وہ زندگی زندگی ہی نہین خیال کی جاتی۔

اقتصادیات ایک سوشل سائنس ہے۔ سوسائٹی کے جتنے شعبے ہوسکتے ہین سوشل سائنس کی بھی اتنی ہی قسمین ہین۔ سوشل سائنس کو انسان کی جماعتی زندگی سے تعلق ہے۔ جماعتی زندگی کی مختلف صورتین ہوتی ہین۔ مگر آجکل دنیا مین سب سے اہم اور مشکل سوال یہ ہو رہا ہے کہ انسان اپنی زندگی کیونکر بسر کرے اور کسب معاش کی کیا صورت نکالے آجکل جماعتین سب تقسیم عمل کے اُصول پر قائم ہین۔ اور کام کی تقسیم کچھ اسطرح ہوگئی ہے کہ ایک کے کام سے دوسرے کو فائدہ پہونچتا ہے۔ یہ تقسیم کار اقتصادیات کا ایک زبردست اُصول ہے اور یہی ذات پات اور سوشل تفریقون کی بنیاد ہے

انسان اپنی صورت معاش نکالنے کے لیے مختلف طریقے کے کام کرسکتا ہے مزدوری۔ کاشتکاری۔ دوکانداری صنعت وحرفت۔ بیوپار ہزارون کام ہین جنسے انسان اپنی پرورش کرسکتا ہے۔ اقتصادیات انھین مقررہ اصولون کو تجربہ کی صورت مین پیش کرتی ہے۔

یورپ مین اٹھارہوین صدی سے انسان کی معاشرتی زندگی کے وسائل پر بہت غور وخوض ہو رہا ہے۔ اول اول انگلستان ہی نے آزادی تجارت کے اُصول منضبط کرکے معاشرتی زندگی کے باب اولین کا آغاز کیا ہے اور سب سے پہلے ۱۷۷۶ء مین اس موضوع پر آدم اسمتھ کی مستند کتاب انگلستان مین شائع ہوئی لیکن بعد کے

تجربہ سے معلوم ہوا کہ ہر اصول ہر زمانہ میں ہر ملک اور ہر قوم کے لیے یکساں کارآمد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اقتصادی اصولوں کا انسان کی معاشی زندگی سے تعلق ہے اور معاش کا پیدا کرنا مختلف زمانہ اور مختلف ممالک میں مختلف حیثیت رکھتا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک اصول ہر جگہ یکساں عائد ہو۔ انگلستان اور ہندوستان کی تہذیب۔ تواریخ۔ تمدنی حالت۔ مالی حالت۔ زمین۔ پیداوار۔ آب وہوا دماغی طاقت اور اخلاقی طاقت میں فرق ہے۔ ان اختلافات کی بنا پر یہ کہنا کہ آزاد تجارت کا اصول چونکہ انگلستان کے لیے مفید ہے ہندوستان کے لیے بھی مفید ہوگا قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح یہ اصول بھی خواہ مخواہ ہندوستان میں مان لینے کے قابل نہیں ہے کہ چونکہ صنعت وحرفت وتجارت انگلستان میں شخصی آزادی کے تابع ہیں اسلیے ہندوستان میں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔

بہرحال اقتصادی اصول اور اقتصادی آزادی کوئی غیر تبدیلی پذیر اشیا نہیں نہ تو یہ تمام دنیا کے لیے ایک اصول ہوسکتے ہیں اور نہ ایک اصول ہر زمانہ میں کارآمد ہوتا ہے۔

ابھی تک ہندوستان میں فلسفۂ معیشت پر بہت کم توجہ کی گئی ہے تقسیم بنگال نے اہل ہند کو اسطرف متوجہ کیا تھا اور اب جنگ یورپ نے اسکو ذرا اور وسعت دے دی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہماری نئی یونیورسٹیوں میں ان معاملات پر غور کیا جائے اور ہندوستانی علم الاقتصاد کا زاویہ نظر مقرر کیا جائے۔ اسکے لیے وقت درکار ہوگا جسٹس راناڈے نے ڈکن کالج پونا میں ایک نہایت وقیع لکچر دیا تھا بہت خوب اور مناسب حال تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے پچھے لیڈر اور قوم کی بنیاد دیکھنے والے تیس برس پیشتر بھی ہمارے مسائل کی مشکلات سے بے خبر نہ تھے۔

اس لکچر میں جسٹس راناڈے نے فرمایا تھا کہ

ہماری ترقی ہماری لیاقت اور ہمارے گرد وپیش کے حالات کے موافق ہی ہوسکتی ہے۔ ہمکو جلد بازی اور مصنوعی شائستگی سے دور رہنا چاہیے کیونکہ اسنے

کسی دائمی نفع کی امید کرنا عبث ہے۔ مگر درحقیقت وہی استاد اور مدبر جو اکثر ہمکو ہماری پولیٹکل آرزؤن اور حوصلون کے خلاف آگاہ کرتے ہین ہندوستان کے اقتصادی معاملات کے متعلق اس احتیاط کو بھول جاتے ہین اور وہ خیال کرتے ہین کہ علم الاقتصاد کے اصول جو عموماً انگریزی کتب درسی مین درج ہین وہ ہندوستان کے لیے بھی حسب حال ہین اور ایسلیے ان اصولون کو ہر جگہ اور ہر زمانہ مین اپنی معاشی زندگی مین بطور رہبر تسلیم کر لینا چاہیے۔ اگر آزادی تجارت انگلستان کیواسطے فائدہ مند سمجھی جاتی ہے تو خیال کیا جاتا ہے کہ کل ملکون کے لیے یہ سودمند ہوگی اور کل قسم کے محاصل چنگی۔ سرکاری امداد یا دیگر قوانین سراسر خراب ہین۔ اگر قوانین کارخانہ ایک ملک کے لیے مفید ہین تو مزدورون کی حفاظت کے لیے ہر ملک مین انکی ضرورت ہوگی۔ اگر ناجائز سود کو روکنے کے قوانین کی تجارتی اور صنعتی مرکزون مین ضرورت ہے تو زراعت پیشہ قومون کے لیے بھی یہ فائدہ سے خالی نہونگے۔ اگر انگلستان مین گورنمنٹ مشترکہ سوسائٹیون کے امداد کی ضرورت نہین سمجھتی تو ایسے ممالک مین بھی جہان جدوجہد کی اسپرٹ کمزور ہے سرکاری امداد کا خواہان ہونا ایک فضول مطالبہ ہے۔ اگر ایسے ٹیکس جو براہ راست وصول کیے جاتے ہین انگریزی شرائط جان و مال کے موافق ہین تو ہند کے حالات کے بھی انکو موافق ہونا چاہیے ایسلیے چنگی وغیرہ کو ہمارے لوکل یا میونیسپل آمدنی مین جگہ نہین ملنا چاہیے۔

اس قسم کی بہت سی مثالین پیش کی جاسکتی ہین لیکن جتنی اوپر دی گئی ہین مسئلہ زیر بحث کو ذہن نشین کرنیکے لیے کافی ہین۔ اگر مدبران انگلستان اتنے ہی پر بس کرتے تو انکا طرز عمل ایک حد تک جائز سمجھا جاسکتا تھا وہ تو علم الاقتصادیات کے اصولون کی آڑ مین عجب عجب بھیس بدلتے ہین جو لوگ انگلستان یعنی اپنے ملک مین پرائوٹ ملکیت کے حامی ہوتے ہین وہ یہان آکر سوشلسٹ خیالات کے طرفدار نظر آتے ہین۔ یہان سرکار زمین کی پرائوٹ ملکیت کو چھوٹے چھوٹے اور بڑے بڑے پٹون مین تقسیم کرنا چاہتی ہے۔

انگلستان مین زمیندار بطور زمیندار کوئی خاص ٹیکس سرکار کو نہین دیتے لیکن یہان زمین پر خاص ٹیکس لگایا جاتا ہے کیونکہ زمین مین صرف سے بہت زیادہ پیداوار ہوتی ہے اور اسکی آمدنی زائد خاص طور پر سرکار کا حصہ ہے (اقتصادی لگان کی تھیوری کے مطابق) اسکے علاوہ زمین کا قومی ملکیت مین ہوجانا یورپ اور انگلستان مین ایک سوشلسٹون کا خواب ہے یہان اسکا خوب دور دورہ ہے اور اسی کی بنا پر بندوبست اور اضافہ لگان ہوتا ہے۔ انگریزی سوشل نظام کے دو بڑے رکن "حق" اور "پوزیشن" ہین لیکن یہان سوسائٹی کا ہر ایک ممبر ایک متحرک ذرہ کے مثل ہے جسمین کہ ایک دوسرے سے تفریق نہین کی جاسکتی۔ انگریزی فضیلت کے جسم مین اوسط درجہ کا طبقہ ریڑھ کی ہڈی کے مثل ہے لیکن یہان کوئی اوسط درجہ کا طبقہ ہے ہی نہین جو غریب ٹیکس دہندگان اور سرکار کے درمیان حائل ہو

بلاشبہ علم الاقتصاد ایک ایسا علم ہے جسکے اصول کل پر حاوی اور مکمل سچائی سے لبریز ہین جو حضرات ان اصول پر عملی کارروائی کرنا چاہتے ہین وہ ان اصولون کی ہمہ گیر صفت پر ایمانداری سے یقین بھی رکھتے ہین۔ لیکن غور کرنے کا مسئلہ یہ ہے کہ آیا یہ یقین بجا ہے۔ اگر علم السیاست اور سوشل سائنس مین زمانہ۔ مقام۔ گردوپیش کے حالات۔ انسانون کی خداداد قابلیتین۔ انکی عادتین اور انکے رسم ورواج انکے قوانین اور انکی تواریخ۔ ان سب کا خیال کرنا ہوتا ہے تو تعجب ہے کہ ہماری زندگی کے اقتصادی پہلو مین عام اصولون کا ایک سے ہر زمانہ اور ہر مقام مین اور تہذیب کے ہر درجہ پر یکسان اطلاق کرے۔

ہندوستانی نقطہ نظر | انگلستان مین بھی اب اس بات کو مان لیا گیا ہے کہ علم الاقتصاد کے اصول ہر ملک۔ ہر زمانہ۔ ہر قوم مین جداگانہ حیثیت رکھتے ہین۔ ہندوستان اتنا بڑا ملک ہے کہ اسمین صوبہ صوبہ مین وہی تفریقات ہین جو یورپ مین مختلف ملکون اور قومون مین جسطرح انگلستان۔ فرانس۔ جرمنی۔ اٹلی۔ اسپین۔ پرتگال۔ روس نارویے۔ سوئڈن۔ ہالینڈ اور بلجیم وغیرہ ممالک مین زبانین مختلف ہین۔ رسم ورواج

مختلف ہیں۔ شائستگی اور تمدن میں اختلاف ہے۔ قدرتی عطیات میں فرق ہے تواریخ میں فرق ہے جسمانی اور دماغی قابلیتوں میں فرق ہے اسی طرح ہندستان میں بھی صوبہ صوبہ میں فرق ہے۔ گو انگریزی تعلیم اور ذرایع آمدورفت کی ترقی نے اس تفریق کو کمزور کردیا ہے اور آجکل ہندوستان ایک ہی قومی خیال کی آگ میں جل رہا ہے مگر پھر بھی ایک باریک سا فرق ہے۔ مختلف صوبوں کی آب وہوا ایک سی نہیں۔ زمین ایک سی نہیں۔ مزدور ایک سے نہیں۔ پیداوار مختلف۔ معدنیات کہیں ہیں اور کہیں نہیں۔ مختلف شہروں میں ایک دوسرے سے تمدن ومعاشرت میں اختلاف ہے۔ کسی کا تجارت پر انحصار ہے تو کسی کا صنعت پر۔ کوئی پرانے زمانہ میں دارالخلافت تھا اور اُسکے قدیم باشندے اُسے اب بھی فخر سے یاد کرتے ہیں۔ کوئی ریلوے سنٹر ہے اور کسی میں کئی کئی خصوصیتیں ایک ساتھ موجود ہیں۔

ان حالات پر نظر کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مقاموں میں اقتصادی معاملات مختلف پہلو لیے ہوئے ہیں اور ہم انکو ایک ہی اصول کی لکڑی سے نہیں ہانک سکتے اسکے علاوہ مختلف مقاموں کے لیے ایک ہی اقتصادی اصول مقرر کرنا نامناسب ہے تاوقتیکہ کامل معاملات پر عبور نہ حاصل ہو۔

جسٹس رانا ڈے کے بعد کچھ عرصہ تک ان واقعات کو علم کے سانچے میں ڈھالنے کی جیسی کوشش ہونا چاہیے تھی نہ ہوئی۔ لیکن جب لارڈ کرزن صاحب کا زمانہ آیا تو باشندگان ہند کے دلوں میں پھر ایک خواہش پیدا ہوئی کہ ہندوستانی صنعتیں ازسرنو زندہ کی جائیں اور ہندوستان جیسا قدیم زمانہ میں اقتصادی نقطۂ خیال سے خودمختار تھا پھر ویسا ہی ہوجائے۔ چنانچہ پولیٹکل جوش نے سودیشی اور بائیکاٹ کی متحدہ تحریک جاری کردی مطلب یہ تھا کہ ہندوستان کا بنا ہوا مال غیرملکی مال کے مقابلہ میں زیادہ استعمال ہونے لگے۔ عجلت میں بہت سی ایسی صنعتیں کا رروائیاں ہوئیں جنپر کافی غور نہیں ہوا تھا اور نہ جسکی تکمیل پر پہونچنے کے لیے کافی انتظام تھا۔ اسلیے خاطر خواہ کامیابی نہوئی۔ مگر اسکا اثر یہ ضرور ہوا کہ ہندوستان میں علم الاقتصاد کا شیرازہ

بندھنے لگا۔ اور زندگی کے اور ضروریات کی طرح اس طرف بھی خاص توجہ مبذول ہونے لگی۔

اب اسپر غور کرنا چاہیے کہ ہندوستان مین علم الاقتصاد کے خاص خاص مسائل کیا کیا ہین اور اقتصادیات کا تعلق کن کن باتون سے ہے۔ پہلے پیداوار کے مسئلہ کو لیجئے۔ ہندوستان مین زمین کی کمی نہین۔ عموماً پیداوار کے لحاظ سے یہان کی زمین زرخیز ہے۔ نقص یہ ہے کہ سائنس کے مروجہ اصولون پر یہان کام کرنے کا رواج نہین یہی سبب ہے کہ ہندوستان زراعتی اور معدنی کامون سے خاطر خواہ فائدہ نہین اٹھا سکتا۔ اگرچہ گورنمنٹ کی توجہ سے محکمۂ زراعت بہت کچھ کام کر رہا ہے لیکن ضرورت یہ ہے کہ ہندوستانی خود اس کام کو اپنے ذمہ لین اور گورنمنٹ کو بھی چاہیے کہ صیغۂ زراعت کے اعلیٰ عہدون پر ہندوستانیون کو مقرر کرے تاکہ وہ خالص ہندوستانی نقطۂ نظر سے ہر مسئلہ کو حل کرین کیونکہ یہ صرف ہندوستانی کر سکتے ہین کہ کاشتکارون سے مل جل کر انکو ترقی دادہ کھیتی کے طریقے سکھائین اور انکو جدید تجربات کی طرف متوجہ کرین۔

محنت اور مزدوری کرنیوالون کی تعداد ہندوستان مین کثیر ہے لیکن وہ "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" کے ضرب المثل پر عمل نہین کرتے۔ جہان ہین جیسے ہین جیسا کام کرتے ہین اُسی جگہ۔ ویسے ہی اور وہی کام کرنا چاہتے ہین۔ اگرچہ اب اقتصادی سختیون سے مجبور ہوکر وہ بھی تغیر پذیر ہو چلے ہین۔ اسکے علاوہ وہ جو کچھ اپنی محنت سے پیدا کرتے ہین اُسکے مقابلہ مین خرچ کہین زیادہ ہے۔ اور پھر مشینون کے نہونے کی وجہ سے کام کم ہوتا ہے اور وقت بہت صرف ہوتا ہے جبتک مشینون کا رواج نہوگا نہ کام زیادہ ہو سکتا اور نہ مزدورون کو کافی اُجرت مل سکتی، اور دیگر ممالک کی صنعتون سے مقابلہ بھی نہین ہو سکتا۔

جنگ یورپ کے قبل مدبران انگریزی و یورپین کا خیال تھا کہ ہندوستانیون کے ہاتھ سے صنعتون کے لیے سرمایہ کا نکلنا ایک امر محال ہے اور اسلیے غیر ملکی سرمایہ دار

ہندوستان کی عزت و تعظیم کے مستحق ہین۔ انھین کی بدولت ریلین چلتی ہین کانون سے معدنیات نکالے جاتے ہین چاے۔ جوٹ اور دیگر مختلف صنعتون کا رواج ہے جس سے ہندوستانیون کو روٹی کمانے کے قابل فخر ذریعے ہاتھ آتے ہین۔ بلاشبہ غیر ملکی سرمایہ دار ہماری تعریف اور شکریہ کے مستحق ہین لیکن انکو منافع کی صورت مین کافی سے زیادہ معاوضہ مل چکا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ ہندوستان اپنا سرمایہ لگائے اور ہندوستانی اپنی صنعتون کا اہتمام آپ کرین کیونکہ غیر ملکی سرمایہ سوتے ریلون کے اور صنعتون مین ملک کے واسطے زیادہ مفید نہین۔ ملک برما کی مٹی کے تیل کی کانین میسور کی سونے کی کانین اور بنگال اور بہار کی کوئلہ کی کانین۔ چاے اور جوٹ کی صنعتین۔ بحری جہازرانی (جسکے ذریعہ سے غیر ملکون سے تجارت ہوتی ہے) اور بنک (جو نفع کثیر حاصل کرتے ہین) ان سب مین غیر ملکی سرمایہ کا ہونا ملک کے لیے اسقدر مفید مطلب نہین جیسا ہونا چاہیے۔ ایسے معاملات مین ہم یہ خیال کرنے پر مجبور ہین کہ یہ بہتر ہو کہ مٹی کا تیل اور دیگر معدنیات زمین کے اندر ہی پڑی رہین جب تک کہ برطانیہ کے زیر سایہ ہندوستانی اس قابل نہون کہ خود انکو نکال سکین اور انکو صنعتون مین استعمال کرکے اس سے منافع حاصل کرسکین۔ ان چیزون سے ہمین اس سے زیادہ کوئی نمایان فائدہ نہین کہ ہمارے چند مزدور اس سے اپنا پیٹ بمشکل پال لیتے ہین۔ خیر ہمکو معاملہ کے اس پہلو پر چندان زور دینے کی ضرورت نہین ہے۔ جدید تجربہ جو سرکاری قرضون اور کمپنیون کے بننے سے ہوا ہے اُس سے اس بات کی اصلیت کھل گئی ہے کہ اگر روپیہ نہ ڈوبنے کی کافی ضمانت ہو اور جائز منافع کا موقع ہو تو سرمایہ حسب خواہ ملک کے اندر برآمد ہوسکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہندوستانی بنک کھولے جائین اور عمدہ بنکون کی شاخین بڑھائی جائین۔ لیکن امپیریل بنک کی پالیسی اور اسکی کارروائیان پیش نظر ہین اور بنک محض ہندوستان کے مفاد کی خاطر چلایا جائے۔

پیداوار کا تیسرا عنصر انتظام ہے۔ بغیر منتظم اور مہتمم کے صنعتین نہین چل سکتین اور

کوئی کام انجام نہین پاسکتا۔ لیکن ابتک ہماری صنعتون اور کارخانون جتنے مہتمم اور منتظم ہین سب غیر ملکی ہین ہم اپنے ملک کو صنعتی نقطۂ نظر سے خود مختار دیکھنا چاہتے ہین تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اسکا بندوبست کرین کہ ان معاملات کی موجودہ حالت عارضی ہو۔ ہندوستانی صنعتی کمیشن نے معاملہ کے اس پہلو پر بجا طور پر خوب زور دیا ہے۔

پیداوار کے تین خاص عنصرون کا ذکر کرنیکے بعد ہم یہ بتلانا چاہتے ہین کہ پیداوار کی بہبودی صرف انھین پر انحصار نہین رکھتی بلکہ ایک اور فیکٹر بھی ہے جسکو "مبادلہ" کہتے ہین جس سے اشیا کی قیمت مین بہت فرق واقع ہوتا ہے۔ غیر ملکی مبادلہ سے ہماری چیزین دیگر ممالک مین جاکر یہان سے کہین زیادہ قیمت پر فروخت ہوتی ہین اور دیگر ممالک سے کم قیمت اشیا آکر یہان دولت سمیٹتی ہین۔ یہ مبادلہ سکون کے ذریعہ عمل پذیر ہوتا ہے جنگ کے اختتام کے بعد ہمارے مبادلہ مین جو جزر و مد آیا اور اسکا جو اثر ملک پر پڑا محتاج بیان نہین۔ پہلے ہمارے پندرہ روپیہ ایک انگریزی ساورن کے برابر تھے۔ اس سے پہلے چاندی کا نرخ بہت گران تھا۔ اسکے بعد اُتار پر آگیا۔ جب سرکاری حکم سے ساورن کی قیمت دس روپیہ قرار پائی تو ہندوستانی تاجرون نے بجد و حساب آرڈر مال کے لیے انگلستان بھیجے مگر جب تک مال آوے آوے بازاری نرخ مقابلہ اس شرح پر ہوگیا کہ جسکی رو سے ایک ساورن کے پندرہ روپیہ دینا پڑے۔ پس محض شرح مبادلہ کی تبدیلی سے مال کی ڈیوڑھی قیمت ہوگئی اسکی وجہ سے جو مرحلہ ہندوستانی اور انگریزی تاجرون کے درمیان پڑا ہے ابھی تک نہین سلجھا۔ ان خیالات پر غور کرتے ہوے مبادلہ کی تحت مین تین خاص مسائل ہین اور وہ یہ ہین۔

(۱) غیر ملکی مبادلہ۔ روپیہ کی قیمت انگریزی سکہ مین کیا ہونا چاہیے۔ اسکا حساب سونے چاندی کے نرخ پر کیا جائے یا انگریزی سرکار کے حکم کے مطابق عمل کیا جائے جیسا آجکل ہو رہا ہے مگر سرکار نے دو باتین ایسی کی ہین جو اسکو اصولاً

نہین کرنا چاہیے۔

(۲) جب نرخ مبادلہ پیشتر کے نرخ سے بہت چڑھا ہوا تھا تو اُسنے ہندوستان مین سرکاری ہُنڈی بھی جنکا بھنانا سراسر خلاف تھا کیونکہ یہ ہُنڈی اُسوقت بھی جاتی ہین جب نرخ مبادلہ اُس سے بہت گرا ہوتا ہے اور اسکو اوسط پر لانے کا منشا ہوتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ گورنمنٹ نے سرکاری ہنڈی بیچنے کے اصل منشا کے خلاف عمل کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کو کئی سو کروڑ کا نقصان اُٹھانا پڑا۔

(۳) جب نرخ دو شلنگ کی سطح سے اُترا تو اُسکو مقررہ دو شلنگ کی شرح پر لانے کا کوئی بندوبست نہین کیا۔ یہ وقت تھا جب ہندوستان مین سرکاری ہنڈوی بیچنے کی ضرورت تھی مگر اسطرح سے نرخ کو بڑھنے مین مدد نہین دی گئی۔

اس سے ظاہر ہے کہ سرکار کو پورا اقتدار شرح مبادلہ پر نہین حاصل ہے۔

(۲) چاندی کے مضروب ہونیکے لیئے ۱۸۹۳ء سے پبلک کیلیے بند ہوا اس سے پیشتر پبلک چاندی بھیجکر سکے مضروب کرا سکتی تھی۔ اب سکون کا مضروب کرنا سرکاری افسران پر منحصر ہے۔

(۳) ہندوستان کے کرنسی مین سونے کا سکہ | ہندوستانی تجارتی اس مسئلہ کے حق مین تین قسم کے سکون کا ہونا ضروری ہے تاکہ ہر قسم کا کام بآسانی چل سکے۔

(۱) ایک زرمستند جو فلزائی ہوتا ہے اسمین جتنا اسکے چہرہ پر لکھا ہوتا ہے اُتنے ہی کا مال ہوتا ہے۔ ہندوستان مین ایسا کوئی سکہ نہین بنتا۔ اسلیے مطالبہ ہے کہ سونے کا ایسا سکہ مثل دیگر ترقی یافتہ ملکون کے یہان بھی ہونا چاہیے۔

(۲) زر وضعی یہ ایسے سکے ہوتے ہین جنکے اندر باہر مین فرق ہوتا ہے لکھا ہو ایک روپیہ مگر چاندی اصل مین بارہ آنہ ہی ہے۔ ہمارا روپیہ زر وضعی ہے۔ ہم نہین چاہتے کہ ہمارا روپیہ زرمستند بنا دیا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے وزن اسکا بڑھ جائے گا اور یہ مناسب نہ ہوگا۔ ہمارا منشا ہے کہ ہمارے یہان بھی زرمستند ہو اور ہمارا روپیہ بجائے اسکے کہ زرمستند کا بھی کام دے محض زر وضعی رہے جیسا کہ اسکی شکل ہے اور

زرمستند سونے کا ہو۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب زرِ فضی سے زرمستند کا کام نکل رہا ہے تو زرمستند کی کیا ضرورت ہے جو گران بہا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ہمکو اسکی ویسی ہی ضرورت ہے جیسی دوسرے ملکون کو جہان کہ سونے کا سکہ زرمستند ہے، دوسرا اصولی جواب یہ ہے کہ ہر حالت مین زر وضعی زرمستند کا کام نہین کرسکتا۔ یہ کام جبتک امن و امان ہے تب ہی تک ہوسکتا ہے۔

(ج) زر کاغذی۔ ہندوستان مین اسکی ہر دلعزیزی اسی سے ثابت ہے کہ کرنسی مین آجکل کم سے کم ایک سو ستر کرور روپیہ کے زر کاغذی ہوگا۔

نرخ کا مسئلہ | اب نرخ کو لیجئے۔ ہندوستان مین دیگر ممالک کی طرح نہ صرف مصنوعات کا بلکہ غلہ کے نرخ کا بھی اور چھور نہین ہے۔ ہندوستان مین غلہ کی پیداوار بکثرت اور پھر نرخ کی یہ حالت۔ یہ کیسا تعجب خیز واقعہ ہے مگر اسپر یقین نہ آتا اگر سرکاری ممبر ہنربیل مسٹر سرما کی زبان مبارک سے اسکا اعتراف نہوتا۔ ۱۳-۱۹۱۲ء مین سرکار کی طرف سے اسکی تحقیق کے لیے کمیٹی بیٹھی مگر نتیجہ وہی جہان ہم تھے وہین رہے ۱۴-۱۹۱۳ء کے مقابلہ مین اب گرانی نرخ کا وہی حال ہے جو برسات مین ندی نالون کا ہوتا ہے یہ ممکن ہے کہ قانوناً اشیا کا نرخ مقرر کرکے چھٹکارہ حاصل ہو۔ مگر یہ محض انھین حالتون مین ممکن ہے جنمین ہندوستان کا اجارہ ہے یعنی جو صرف یہین پیدا ہوتی ہین یا اتنی مقدار مین ہوتی ہین کہ ملک کی ضرورت اس سے پوری ہوسکے۔ (باقی آیندہ)

اقبال بہادر سکسینہ

صنعت کے نمونہ سوزون کا نام حسن ہے۔

حسن کی موزونیت دیکھنے والے کے نقطۂ نظر پر منحصر ہے۔

حسن ایک شراب ہے اور اسکا نشہ محبت!

حسن انسان کو بدنام نہین کرتی بلکہ انسان نما حیوان اُسے بدنام کرتا ہے

اقتباس **"جوش"**

حواس خمسہ کی نشوونما

حواس خمسہ ظاہری کی نشوونما رفتہ رفتہ یکے بعد دیگرے ہوتی ہے یا یکبارگی؟ اگر پانچون قوتون کی نشوونما یکبارگی ہوجاتی ہے تو کوئی بحث نہین اور اگر یکے بعد دیگرے یہ قوتین ترقی کرتی ہین تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لامسہ۔ ذائقہ۔ شامہ۔ باصرہ اور سامعہ مین سے سب سے پہلے کس قوت کی نشوونما ہوتی ہے؟

یہ سوال نہایت دقیق اور پیچیدہ ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق مین صدیون تک حکمائے فرنگ مین مباحثے ہوتے رہے ہین مگر ہنوز یقینی طور پر یہ طے نہو سکا کہ ان پانچون قوتون کی نشوونما کس آئین وترتیب سے ہوتی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان حواس خمسہ ظاہری مین سب سے زیادہ ضروری قوت ہر ذی روح کے لیے کون سی ہے (اور اس سوال کے ساتھ یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ جو قوت سب سے زیادہ ضروری ہوگی اُسی کی نشوونما سب سے پہلے ہوئی ہوگی) تو اسکا جواب عام طور پر بلا تامل یہی دیا جائے گا کہ قوت باصرہ سب سے زیادہ ضروری اور قوت شامہ سب سے کم ضروری ہے اور باقی تین قوتین درمیانی حالت مین ہین۔

اسمین شک نہین کہ عام طور پر انسان کا ذاتی تجربہ مذکورۂ بالا خیال کی صداقت کی شہادت دیگا کیونکہ یقین صحت کا سب سے بڑا ذریعہ ذاتی تجربہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ہر شخص کا اپنے ہر تجربہ سے صحیح نتیجہ پر پہونچ جانا لازم نہین ہے یہ کوئی ضروری بات نہین ہے کہ ہر واقعہ اور ہر تجربہ کا اثر ہر شخص پر یکسان ہو یا ہر واقعہ ہر تجربہ سے صحیح نتیجہ نکال لے۔ محلہ مین ایک پیر مرد اپنے کسی عزیز کی سنائی سنکر ڈاڑھین مار مارکر رونے لگا اُسکے نالۂ جانکاہ سے میرا دل دکھا مگر بعض لڑکون اور بعض عورتون کو مین نے

دیکھا کہ اُس بیچارے کی آہ وزاری پر کھلکھلا کر ہنس رہی ہین۔ اُنھین اُس بیچارے کی آواز بھیانک معلوم ہوئی ہنس پڑین اور کہنے لگین ابھی تو یہ شخص بھلا چنگا تھا ابھی کیا ہوگیا دیکھو تو کیا پاٹ دار آواز ہے۔ ان ناقص العقل ہستیون کی نگاہ مین یہ مشاہدہ بھیانک اور مضحک معلوم ہوتا تھا مگر دردمندون کی نگاہ مین دل دُکھانیوالا تھا۔ مشاہدہ واحد تھا مگر اثر جداگانہ ہوا۔ ؎

وہی ساقی وہی ساغر وہی شیشہ وہی بادہ
مگر لازم نہین ہر ایک پر یکسان اثر ہونا (یاس)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر مشاہدہ ہر تجربہ سے ہر شخص کا ہر حالت مین نتیجہ واحد و صحیح تک پہنچنا لازم نہین ہے۔ یہ بھی ضروری نہین کہ جس امر مین بچارتی کا اتفاق ہو وہ یقینی صحیح بھی ہوگا عام طور پر قوت باصرہ سب قوتون سے زیادہ ضروری اور اسکی نشو ونما سب سے اول تسلیم کیجائے تو اسکے یہ معنی نہین ہوسکتے کہ یہ خیال ایسا صحیح ہے جیسے دو اور دو چار۔ انگلستان کے ایک محقق سرجن نے جب نشو ونما سے اس خیال کی تردید کی ہے وہ کہتا ہے کہ انسان نے فقط اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر یہ سمجھ لیا کہ قوت باصرہ سب سے زیادہ ضروری ہے اور اسقدر ضروری ہونیکی بنا پر یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ سب سے پہلے اسی قوت کی نشو ونما ہوئی ہوگی حالانکہ یہ خیال محض ایک دھوکا یا توہم نظری ہے۔ روزمرہ کی زندگی مین کسی ایک قوت یا ایک سے زیادہ قوتون کا دوسری قوتون کی نسبت زیادہ مفید اور بکار آمد ہونا اس بات کی دلیل نہین ٹھہرایا جاسکتا کہ انسان کی ساخت یا ہیئت اولین اور تنازع للبقا مین بھی یہ قوتین ممد و معاون ثابت ہوئی ہونگی۔ نہ یہ بات امور معلومہ مین شمار کیجاسکتی ہے کہ حواس خمسہ کی نشو ونما یکبارگی ہوئی ہو

بعض فلسفیون کا خیال یہ ہے کہ حواس خمسہ ایسے آلے ہین جو خود بخود بلا تحریک کام کرتے رہتے ہین اپنے وظائف مین کوتاہی نہین کرتے۔ اور کسی مشاہدہ کے متعلق نتیجہ نکالنے مین جو رنگا رنگ اختلافات ہوا کرتے ہین اُنکا سبب یہ ہے کہ ہر شخص کی دماغی حالت ہمہ وقت یکسان نہین رہتی اسی وجہ سے اخذ نتائج مین اختلاف ہوجاتا ہے۔ مسٹر بلی کہتے ہین کہ کسی امر کے متعلق رائے قائم کرنے مین اختلاف ہوجاتا تو مسلم ہے مگر یہ کلیہ صحیح تسلیم نہین کیجاسکتا کہ حواس خمسہ ایسے آلے ہین جو ہمہ وقت برابر کام کرتے رہتے ہین کبھی چوکتے ہی نہین کیونکہ

حواس خمسہ محدود و ناقص ہین کامل نہین ہین۔ سلسلہ موثرات خارجی کی نیرنگیون سے حواس خمسہ ہمیشہ صحیح نتیجہ پر نہین پہونچتے۔ ہم کسی مشاہدہ کی نسبت جب کوئی راے قائم کرتے ہین تو محض اسوجہ سے کہ ہمین دیکھتے یا محسوس کرتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے۔ مگر اکثر اصل حقیقت سے ہم منزلون دور رہتے ہین اور زیادہ غور کرتے ہین تو اسکا نتیجہ حیرت اور پراگندگی کے سوا کچھ نہین حاصل ہوتا ؎

طلسم حوادث کی تہ کو نہ پہونچے ۔ } زمانہ پہ گہری نظر کرنے والے
اس آئینہ خانے مین کیا سر اُٹھاتے ۔ } حقیقت پر اپنی نظر کرنے والے

جمیع فلاسفہ نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ حواس انسانی نہایت محدود و ناقص ہین اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ ہمارے دائرہ محسوسات سے باہر بھی صدہا ایسے عالم ہین جنکی حقیقت سے ہم ناآشنا ہین۔ ہمین نہین معلوم کہ چیونٹیون اور بچہ سے حشرات الارض کی دنیا مین کیا تلاطم برپا رہتے ہین۔ کرۂ زمین ہر لحظہ حرکت کرتا رہتا ہے جس سے ایک قسم کا غیر محسوس ترنم پیدا ہوتا رہتا ہے مگر یہ ترنم ہماری قوت سامعہ کے دسترس سے باہر ہے ہان بعض ایسے آلے ایجاد کیے گئے ہین جنکی مدد سے بعض اقسام ترنم کو محسوس کر سکتے ہین مگر بہ حیثیت مجموعی کائنات کا عظیم الشان و نامتناہی ترنم ہمارے محسوسات سے بالاتر ہے اگرچہ ہمین چارون طرف سے گھیرے ہوئے ہے ؎

محرم نہین ہے تو ہی نواہاے راز کا ۔ } یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
ورنہ پیچ پردہ نیست نباشد نوا ے تو ۔ } عالم پر است از تو و خالی است جاے تو

ان حقائق سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حواس خمسہ ہمیشہ مستعد کار تسلیم نہین کیے جا سکتے اور یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ حواس خمسہ کی نشوونما اور انکا انحطاط اعضاے انسانی کی نشوونما اور انحطاط سے وابستہ ہے۔ نمو کے زمانہ مین حواس خمسہ کی روز افزون نشوونما ہوتی رہتی ہے اور انحطاط کے زمانہ مین جمیع حواس خمسہ آمادۂ زوال رہتے ہین اس امر واقعی سے بھی یہی نتیجہ نکالنا پڑے گا کہ حواس خمسہ ہمیشہ اپنے کام پر یکسان مستعد نہین رہ سکتے۔

اسی سلسلہ مین یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ حواس انسانی کی ابتدائی حالت محض انفعالی

ہوتی ہے پھر رفتہ رفتہ فاعلانہ طرز عمل اختیار کرتی ہے۔ مؤثرات خارجی سے ان قوتوں کی روز افزوں نشوونما ہوتی رہتی ہے اسکی ایک نازک مثال یہ پیش کی گئی ہے کہ قوت سامعہ پہلے پہل آوازوں سے متاثر ہوتی اسکے بعد قوت گویائی مین حرکت پیدا ہوتی پھر زبان کھلتی ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قوائے انسانی کی نشوونما تدریجی طریقہ پر ہوتی ہے یکبارگی سب قوتون کی نشوونما نہین ہوجاتی مگر ابتک اس بات کا ثبوت بہم نہین پہونچ سکا کہ تمام قوتین حد ارتقا کو پہونچ چکی ہین۔

حواس خمسہ کی نشوونما مختلف طرز زندگی کی مناسبت سے ہوتی ہے طرز زندگی جس قوت کی ترقی کے موافق ہوگا اسی قوت کی نشوونما ہوگی۔ انسان کا طرز زندگی مختلف ہوتا ہے اسی وجہ سے ہر انسان کی ہر قوت یکسان ترقی نہین کرسکتی طرز زندگی جسکے موافق نہایت نہایت ہوگا وہی قوتین ترقی کرینگی۔ اسکے علاوہ احساسات کی تیزی اور سستی کو بھی اسکی نشوونما مین بڑا دخل ہے۔ ایک شخص مین قوت سامعہ اوروں سے زیادہ ہے کسی مین قوت باصرہ کی تیزی اوسط درجہ سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے کسی مین قوت شامہ بہت تیز ہوتی ہے۔ اگر حالات زندگی موافق ہوے تو جس شخص مین جو قوت زیادہ ودیعت کی گئی ہے وہ بہت زیادہ ترقی کرجائے گی اور اگر حالات زندگی موافق نہ ہوے تو وہ قوت دبی رہے گی۔

حواس انسانی تربیت پذیر ہوتے ہین۔ اگر تمام قوتون کی غور و پرداخت ہوتی رہے تو ترقی کرتی رہینگی۔ تمام قوتین اپنے دائرۂ عمل کو وسعت دینے پر آمادہ رہتے ہین اگر موقع ملتا رہا تو روز افزون ترقی کرتی رہینگی۔

حواس انسانی ابھی تک منزل ارتقا کی آخری حد تک پہونچ چکی ہین یا نہیں اس سوال کا جواب خواہ نفی مین ہو یا اثبات مین لیکن یہ مسلم ہے کہ حواس انسانی اپنی ابتدائی منزلون سے بہت آگے بڑھ گئے ہین۔ دوسرے لفظون مین یون کہیے کہ ان قوتون کی نشوونما تدریجی طور پر ہوئی ہے

ابوالمعانی مرزا یاس لکھنوی

عُشاقِ عرب

بشیر اور جیدا

(۱)

کسی عاشق اور سچی محبت کرنیوالے کی سب سے ممتاز خصوصیت ہونی چاہیے کہ عشق و محبت کے اعلیٰ اور صحیح جذبات اُسمیں بدرجۂ اتم موجود ہوں ادنیٰ درجہ کے خیالات یا نسانی خواہشات سے سخت متنفر ہو جیسا کہ عرب کا ایک عاشق مزاج شاعر اپنی معشوقہ کی نسبت کہ گیا ہے

لا والذی تسجد الجباہ لہ ۔۔۔ مالی بما تحت ذیلها خبر

لا ھممت ولا غمزت له ۔۔۔ ما کان الا لحدیث والنظر

سوقت تک حسن و عشق کے جتنے پاکباز مسافر اس دشوار گزار منزل کو طے کر چکے ہیں آپ نکے سوانحات کو ایسے ہی صفات سے متصف پائینگے۔

عرب کا ایک شکیل و خوبصورت نوجوان بشیر بھی انھیں داعیان محبت سے تھا ہ (پاس کے) قبیلہ کی ایک نوجوان مہ جبین جیدا کے تیر نظر کا ممنون تھا جو اپنے حسن و جمال بن آپ ہی اپنی نظیر تھی۔

ابتداء میں جب تک اُنکی محبت اور اُلفت کا راز صرف دو پرشوق دلوں تک محدود ہا وہ ایک دوسرے کی ملاقات سے آتش عشق کے شعلوں کو دباتے رہے لیکن دنیا وئی عاشق انتہائی کوشش کے باوجود بھی راز الفت کے چھپانے میں کامیاب نہیں ہوا ہے

لہ اُس پاک ذات کی قسم جسکے سجدہ کی غرض سے لاکھوں پیشانیاں جھکتی ہیں مجھے معشوق کے دامن ..... کے نیچے کی بالکل خبر نہیں ۲ نہ میں نے کبھی اُس سے بُرے کام کا ارادہ کیا اور نہ اُسکے جسم کو مس کیا میرے اور اُسکے درمیان حسن و محبت کی باتیں کرنے اور ایک دوسرے کو دیکھنے کے سوا اور کوئی بات نہیں۔ مترجم

بشیر اس سے کیونکر مستثنیٰ رہ سکتا تھا چنانچہ اُسکا افسانہ حسن و عشق بھی لوگون پر منکشف ہو گیا
کہ جمال جیدا کی شادی ہو چکی تھی اُسکے قبیلہ والون اور رشتہ دارون نے اس تعشق کی
اطلاع پائی تو آگ بگولہ ہو گئے اُنھون نے بشیر کو اس مجرمانہ فعل سے (جو اُنکے نزدیک
مجرمانہ تھا) باز آنے کی نہایت مجمل سے تنبیہ کی۔ مگر جیدا کے تیر نظر نے بشیر کے دل و جگر پر کچھ
ایسا زخم لگایا تھا کہ اُسکا مندمل ہونا حال ہی نہین ناممکن تھا چنانچہ جیدا کے رشتہ دارونکی
یہ سختی اُسپر کچھ اثر نہ کر سکی بلکہ اُسکا جذبۂ عشق بجائے کم ہونیکے اور زیادہ ہو گیا۔

جیدا کے رشتہ دارون کی تنبیہ پر بھی اُسکی حالت مین تبدیلی نہین ہوئی تو اُسکی جان کے
دشمن ہو گئے۔ ایسی حالت مین ان رہروان عشق کو سخت مشکل کا سامنا ہو گیا ملنا تو درکنار
وہ اب ایک دوسرے کو دیکھ بھی نہ سکتے تھے۔

مایوسی نے آتش عشق کو اور بھڑکا دیا بشیر اپنی معشوقہ سے ملنے کے لیے بیحد مضطرب ہوا
مگر اُس سے کوئی ترکیب بن نہ آتی تھی ناچار وہ اپنے مخلص دوست مُنیر کے پاس گیا اور اپنی مصیبت
کو بیان کرتے ہوئے کہا۔

"مُنیر! میری حالت تم پر ظاہر ہے تم اگر اپنے دوست کو زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو کوئی ایسی
ترکیب کرو کہ مین جیدا کو صرف ایک نظر دیکھ لون تاکہ دل کی تپش مین کمی ہو اور اضطراب
و اضطرار مبدل بہ سکون ہو جائے۔"

مُنیر نے اسکے جواب مین کہا۔

"گو آپ کی خواہش میرے نزدیک بُرائی پر مبنی ہے تاہم اسوقت میری دوستی کا امتحان
ہے خواہ کتنی ہی مشکلات کا سامنا ہو مین انشاء اللہ کوشش کرون گا۔"

بشیر نے مُنیر کو راضی دیکھکر کہا "آپ جیدا کے قبیلہ مین جاکر کسی طرح جیدا سے مل لیجئے
اور اُس سے میری اس حالت کا (جو محض اسکی وجہ سے ہوئی ہے) اظہار کر دیجئے اور
اُس سے کہیے کہ تمھارا عاشق تمھارے وصال کی آرزو مین سخت مضطرب و بیقرار ہے اگر
تمھین اُس سے واقعی محبت ہے تو جسطرح بھی ہو سکے اپنی صورت دکھا کر اسکی زندگی
کا سبب ہو، وہ اسپر راضی ہو تو آپ اُس سے وعدہ لیں کہ فلان باغ مین جہان کثرت

سے گھنے درخت بین رات کو عشار کے وقت آجائے۔

اس گفتگو کے بعد منیر جیدا کے قبیلہ کی طرف روانہ ہو گیا وہان اُسنے خفیہ طور پر جیدار پتہ لگالیا اور اُس سے مِل کر اُسکے عاشق کی حالت زبون کا اظہار کیا اور اُسکی خواہش ظاہر کی۔ جیدا نے وعدہ کیا کہ موعودہ وقت پر وہان (باغ مین) ضرور آؤن گی۔

(۲)

عشار کے وقت بشیر جیدا اور منیر تینون موجود تھے۔ چونکہ عرصہ کے بعد عاشق ومعشوق وایک دوسرے سے ملنے کا موقع نصیب ہوا تھا۔ اسلیے منیر نے اس موقع پر اُنکے راز و نیاز مین مخل ہونا مناسب نہ سمجھا اور وہان سے ہٹ جانے کا ارادہ کیا۔ بشیر نے منیر کو جاتے ہوئے دیکھا تو روک کر کہا۔ خدا کی قسم میری اور جیدا کی محبت بس یہین تک محدود ہے جیسی کہ آپ دیکھ رہے ہین بہیمت اور ادنی جذبات کو اسمین بالکل دخل نہین حتی کہ ہماری باتین بھی ایسی نہین جنہین تنہائی کی ضرورت ہو آپ تشریف رکھین۔

اسپر تینون ایک جگہ بیٹھ گئے اور نازمین و بشیر حسن وعشق کی پُرلطف باتونمین مشغول ہو گئے یہ قدرتی امر ہے کہ ہجر و فراق غم والم کا ایک ایک منٹ کاٹے نہین کٹتا۔ اسکے برخلاف خوشی ومسرت اور وصال کی گھڑیان ہوا کی طرح گذر جاتی ہین اور پتہ تک نہین چلتا کہ کب آئین اور کب چلی گئین۔

ان دونون کی داستان ناز و نیاز مین چوتھائی رات گذر گئی جب جیدا کو اسکا احساس ہوا تو بادل ناخواستہ رخصت ہونے کا ارادہ کرنے لگی بشیر نے یہ دیکھا تو اسکی حالت متغیر ہونے لگی معلوم ہوتا تھا کہ روح جسم سے نکلی جارہی ہے آخر صبر نہو سکا تو جیدا سے ذرا دیر اور ٹھہرنیکی استدعا کی تاکہ اُسکی بیقراری اور اضطراب کی حالت مین کچھ سکون پیدا ہو جائے۔ جیدا نے کہا میرے ٹھہرنے کی صرف یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی شخص کو میرے کپڑے پہنا دیے جائین اور میرا ہمشکل بنا کر میرے مکان پر بھیج دیا جائے۔ وہان منیر کے سوا اور تھا کون۔ چنانچہ منیر نے یہ سُنکر کہا۔ مین آپ کی ہر ایک خدمت بسر وچشم قبول کرنے کو تیار ہون۔

جیدا نے اپنے کپڑے منیر کی طرف پھینکدیے اور منیر کے کپڑے خود لے لیے۔ منیر نے

تبدیل لباس کرکے عورتون کی سی صورت بنائی توجید انے اُس سے کہا" اب آپ میرے گھر کے فلان کمرہ مین بلاخوف وخطر جاکر لیٹ جائیے گویا آپ واقعی جیداہین - کچھ دیر بعد میرا شوہر آپ کے پاس آکر ایک پیالہ دودھ طلب کرے گا مگر آپ دودھ ہرگز نہ دین یہان تک کہ اُسکے چہرہ پر خفگی کے آثار نظر آنے لگین پھر آپ دودھ کو پیالہ سمیت اُسکی طرف پھینکدین - کچھ ہی عرصہ بعد وہ خود آپ کے پاس دودھ کا پیالہ لیکر آئیگا لیکن آپ اُسکی طرف بالکل توجہ ہی نہ کرین خواہ کتنی دیر کھڑا رہے حتی کہ مجبور ہوکر وہ خود ہی اُسے زمین پر رکھدیگا اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ بقیہ رات وہ آپ کے پاس بالکل نہ آئے گا -

مُنیر کا بیان ہے کہ اس گفتگو کے بعد مین بلاخطر جید اکے گھر جاکر اُسکی خوابگاہ مین لیٹ گیا جیسا کہ اُسنے کہا تھا اُسکا خاوند میرے پاس آیا اور (اپنی بیوی سمجھکر) مجھسے دودھ مانگنے لگا لیکن مین نے وہی کیا جسکی مجھے نصیحت کی گئی تھی البتہ بعد مین مجھسے ایک سخت غلطی ہوگئی جسکا خمیازہ مجھے بُری طرح بھگتنا پڑا - یعنی جب وہ خود میرے پاس دودھ لیکر آیا اور میری خاموشی پر بہت دیر تک کھڑا رہنے کے بعد دودھ زمین پر رکھنے لگا تو مین نے پیالہ لینے کیلیے بے اختیار ہاتھ بڑھا دیا - اس کشمکش مین پیالہ چھوٹ کر زمین پر آرہا - یہ دیکھکر جید اکے شوہر نے یہ کہکر کہ "یہ بڑی سرکش عورت ہے" مجھے بُری طرح مارنا شروع کردیا - مین نے اس ناگہانی آفت سے بچنے کا کوئی چارہ نہ دیکھکر اپنے آپ کو نیچے گرا دیا اُسوقت میرے خون مین جوش آگیا - مین نے تہیہ کرلیا کہ تلوار کے ذریعہ اس ظلم کا مزہ چکھاؤن گا لیکن حیران ہوئی کہ چند عورتین مجھے اُس ظالم کے پنجہ سے چھڑا کر دوسری جگہ لے گئین وہان جید اکی جان میرے پاس آئی اور مجھے بُرا بھلا کہا اور نصیحت کی کہ اپنے خاوند کی خلاف ورزی نہ کرون وہ بھی بشیر کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے اپنے شوہر سے مجھے تنفر ہے چنانچہ اُسنے کہا تمھین اُسی سے واسطہ رکھنا چاہیے جسکے پلے سے بندھی ہو - بشیر کا تو خیال تک دل مین لانا تمھارے لیے نامناسب ہے" یہ کہکر وہ چلی گئی اور میرے پاس اپنی دوسری بیٹی کو بھیج دیا کہ مجھے اچھی طرح سمجھا بجھا کر راضی کرے -

وہ میرے پاس آئی اور میرے جسم پر نازیانون کے نشان دیکھکر بے اختیار رونے لگی مگر جب

وہ میرے سینہ سے لپٹ گئی تو مجھے خوف ہوا کہ کہین راز فاش نہو جائے اسلیے قبل اسکے کہ وہ مجھے کچھ کہے مین نے اُسکے مُنھ پر ہاتھ رکھکر آہستہ سے کہا "واقعہ یہ ہے کہ مین بشیر کا دوست ہون تمھاری بہن بشیر کے پاس ہے اُسنے اپنے کپڑے پہنا کر مجھے اپنے بجائے بھیجدیا ہے تاکہ کسی کو شبہ نہو کہ جید اکہان ہے یہ راز مین نے صرف آپ کو بتایا ہے کہ حقیقی بہن ہونیکی وجہ سے آپ اسکی زیادہ اہل ہین

یہ وحشت اثر خبر سُنکر وہ کانپ اُٹھی لیکن واقعہ کی اہمیت کا خیال کرکے میرے ساتھ اُسنے ہمدردی کا برتاؤ کیا اور اپنے گھر بیجا کر میرے سونے کا انتظام کردیا اور بقیہ رات مین نے نہایت آرام و اطمینان سے بسر کی۔

صبح کو جید البشیر کے پاس سے واپس آئی مین نے اُس سے تبدیل لباس کرکے کہا مین جلد رخصت ہونا چاہتا ہون رات کی سرگذشت آپ کی بہن کو معلوم ہے وہ آپ کو سنائینگی یہ کہکر مین اُسی وقت بشیر کے پاس آیا رات کا تمام واقعہ سُنایا اور کوڑے کے اُبھرے ہوے نشانات دکھائے۔ بشیر نے اسکے جواب مین کہا "میرے دوست آپ نے جو مجھ پر احسان کیا ہے اُسکا شکریہ نہین ادا کرسکتا آپ اپنی دوستی کے امتحان مین واقعی پورے اُتر گئے"

(۳)

ایک دن بشیر مسرت و انبساط کے ساتھ ایک نہایت پُرفضا باغ مین بیٹھا ہوا شراب و کباب کے مزے لے رہا تھا کہ ایک شخص نے اُسے یہ غلط خبر دی کہ

"(افسوس!) آپ اسطرح زندگی کے مزے لے رہے ہین اور جید اکا ابھی ابھی انتقال ہوگیا"

یہ سُنکر دنیا اُسکی آنکھون مین تاریک ہوگئی، ہوش و حواس غائب ہوگئے مُنھ سے بے اختیار ایک دردناک چیخ نکلی اور روح پرواز کرگئی۔

جید اکو اپنے عاشق کی اسطرح ناگہانی موت کی خبر ملی تو جذب عشق سے مجبور ہوکر اُسنے اپنے کپڑے چاک چاک کردیے، بال نوچ ڈالے اور خود کو کنوئین مین گراکر جان دیدی۔

حسین پیلی بھیتی

ایک طرف ہو جاؤ

(۱)

جون جولائی کے دن آپہونچے۔ موسم گرما اپنے شباب پر آگیا۔ آفتاب نے وہ گرمائی دکھائی کہ معاذ اللہ۔ گورے رنگ والون کا میدانون مین رہنا دشوار ہو گیا۔ جس کی ٹٹیون بجلی کے پنکھون، لیمونیڈ، برف وغیرہ سے بھی کچھ نہ بن پڑا۔

اسپشلین چھوٹنے لگین۔ گورنمنٹ کا سارا عملہ لدلدا کر شملہ جا پہونچا۔ گویا اپنی نیک کمائی کے بدلے ان پاک ہستیون کو قالب خاکی سمیت جنت نصیب ہو گئی!

بابو رام لال بھی دو ڈھائی سال ولایت مین رہ کر کافی ثواب حاصل کر چکے تھے۔ اس موسم مین کیسے لاہور رہ سکتے تھے۔ سرکاری افسرون کی تقلید مین ڈلہوزی روانہ ہو گئے۔

بابو رام لال کے والد بڑے امیر آدمی تھے۔ بیٹے سے آپ کی بہت کچھ امیدین وابستہ تھین۔ ہونہار لڑکے نے بی، اے کا امتحان پاس کر لیا۔ تو آپ نے اُسے ولایت روانہ کر دیا وہان پہونچ کر پانچ چھ مہینہ تک تو بابو رام لال آ سوچتے رہے کہ کونسا مضمون پڑھنا چاہیے۔ کبھی بیرسٹر بننے کی خواہش ہوتی تو کبھی انجینیرنگ کے میدان مین گام زن ہونے کو طبیعت چاہتی کبھی ایم اے ہونے کو دل چاہتا۔ کبھی ڈاکٹری کی طرف رجحان ہوتا۔ آخر مریضون کے نصیب جاگے اور بابو رام لال نے ڈاکٹری پڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔

اب ایک نیا سوال درپیش ہوا۔ پڑھنا کون سے کالج مین چاہیے۔ کنگز کالج۔ سینٹ برتھا بو کالج۔ ڈرہم کالج۔ رائل وکٹوریا کالج۔ اور سینٹ جارج اسکول وغیرہ سے پراسپکٹس دو تین مہینے زیر غور رہے لیکن نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ دل کا تقاضا تھا سینٹ جارج اسکول مین داخل ہو جاؤ۔ لیکن دماغ کا مشورہ تھا کہ دیکھنا کہین جلدی مین کوئی ایسی غلطی

نہ ہو جائے جسکی پھر تلافی نہو سکے کسی ذمہ دار شخص سے بھی تو پوچھ لینا چاہیے۔

آپ نے انڈیا ایسوسی ایشن کے سکریٹری اور لندن کے چند مشہور ڈاکٹروں سے ملکر مشورہ کیا۔ سب نے بالاتفاق سینٹ برتھالمو کالج مین داخلے کی صلاح دی اور اس فیصلے کو بابو رام لال نے منظور کر لیا۔ لیکن کالج کے پرنسپل نے انکی عرضی پر لکھ بھیجا کہ مجھے بڑا افسوس ہے کہ اس سال میرے کالج مین کوئی جگہ نہین ہے۔ اگلے سال شاید آپکو موقع ملسکے

مجبوراً رام لال کو بھی پرنسپل صاحب کی بات ماننی پڑی اور بہرحال اُنھون نے ایک سال تک آرام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اس عرصے مین آپ بیکار نہین بیٹھے۔ خوب عیش و عشرت مین مشغول رہے۔ روپیہ کافی تھا۔ جوانی کی اُمنگین اور ہر طرف پریون کا جھرمٹ تھا۔ ایسی حالت مین اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا ذرا دشوار ہوتا ہے۔

دو سال بات کہتے گزر گئے۔ تیسرے سال کے شروع مین آپ میڈیکل کالج مین داخل ہو گئے۔ لیکن تقدیر کی خوبی دیکھئے اس سال والد کا انتقال ہو گیا اور جائداد کی بابت کچھ جھگڑے پیدا ہو گئے۔ گھر سے خرچ آنا بند ہو گیا اور آپ زیادہ دیر تک انگلینڈ نہ ٹھہر سکے۔

جب کوئی یورپین اپنے گرہ کے دام خرچ کر کے ایشیا مین آتا ہے تو جاتے وقت کوئی گائڈ بک یا سفرنامہ لکھکر اُس سے دُگنا کما بھی لیتا ہے۔ لیکن بابو رام لال تجارت کے خیال سے تو ولایت گئے نہین تھے۔ آپ تین چار ہزار پاؤنڈ کے قریب جان بل کے خزانہ مین داخل کر کے اور اپنا نشان مردانگی یعنی مونچھین بھی وہین چھوڑ کر بیک بینی و دو گوش ہندوستان لوٹ آئے۔

لیکن یہان واپس آکر آپ کے مزاج کی کایا پلٹ ہو گئی۔ سیر و تفریح مین یہان تک کمی ہو گئی کہ آپ بالکل تنہائی پسند ہو گئے۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ پڑھتے رہتے تھے، طبیعت کی جولانی سے بہت جلد اقتصادیات اور سیاسیات پر عبور حاصل کر لیا۔ اور عملی سیاسیات کے رموز و باریکیون کو جاننے کے لیے بڑے بڑے لیڈرون کی صحبتون سے فیض اُٹھانے لگے۔ غرض تین سال کے عرصہ مین آپ ملکی رہنماؤن مین شمار کیے جانے لگے۔ ابھی آپ کی عمر صرف ۲۶-۲۷ سال کی تھی۔ شہرت اور تجربہ نے کہین سے کہین پہونچا دیا۔ سرکاری حلقون مین بھی

خاصی عزت حاصل ہوگئی۔ لاہور کا کوئی جلسۂ عام یا کارڈن پارٹی کامیاب نہیں سمجھی جاتی تھی جسمیں آپ شامل نہ ہوں۔ انڈین ایسوسی ایشن کے آپ روح روان تھے۔ آپ کی تقریریں سحر اثر ہوتی تھیں۔ بریڈلا ہال مین بیٹھے ہوے لوگ آپ کو دیکھتے ہی آپ کی بے پکارتے فقرہ فقرہ پر تالیان بجتین۔ بات بات پر "سنو سنو" کے نعرون سے ہال گونج اٹھتا تھا۔ لیکن لیڈنگ کے معیار کے متعلق فقہا عام خیالات مین تبدیلی آگئی۔ غریبون کی خدمت غریب ہی کر سکتے ہین ایثار و قربانی کیے بغیر کوئی بڑا نہین بن سکتا۔ چارون طرف سے یہ آوازین آرہی ہین کہ فیسر فالین اور بلاغت و فصاحت کے پتلے پیچھے ہٹا دیے گئے۔

قدرتاً بابو رام لال کی ہر دلعزیزی مین بھی فرق پڑنے لگا۔

ملک مین ایک عجیب و غریب سستی رونما ہوئی۔ اہل ملک کو زنجیرون مین جکڑا ہوا دیکھکر اُسکا دل تڑپ اُٹھتا تھا۔ کمزور و فاقہ کش ہندوستانیون کے ڈھانچے دیکھکر اُنکی آنکھون سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ اُسنے اپنے ملک اور اہل ملک کی خاطر اپنا عیش و آرام ترک کر دیا۔ اور رات دن اسی دھن مین رہنے لگا کہ کسی طرح غلامی سے نجات ملے اور ملک کے دن پھرین۔

لوگ اُسے مہاتما کہتے تھے۔

آزادی کا حامی اور ملک کا رہنما اونچی میز پر بیٹھکر صاف سُتھری اور موثر آواز مین کہتا تھا۔ راستباز بنو۔ نہ کسی سے ڈرو اور نہ کسی کو ڈراؤ۔ گورنمنٹ کی امداد سے ہاتھ کھینچ لو۔ خود بخود یہ سلسلہ غلامی ناپید ہو جائے گا۔

لوگون نے اُسکی باتون کو سُنا اور دل سے اُنپر عمل پیرا ہو گئے۔

بابو رام لال نے سب کچھ دیکھا۔ پہلے تو گورنمنٹ کے ہم آواز ہو کر مذاق اُڑاتے رہے مزا امید ہو کر خاموش بیٹھ گئے۔ گورنمنٹ بھی سختی پر اُتر آئی۔

(۲)

گاڑی صبح تین بجے پٹھان کوٹ پہونچی۔ بابو رام لال قلی کے سر پر اسباب اُٹھوا کر اسٹیشن سے باہر نکلے۔ قلی نے باہر برآمدے مین زمین پر اسباب رکھدیا اور مزدوری لیکر چلا گیا۔

ڈلہوزی جانیوالے اور بہت سے مسافر بھی اسی گاڑی سے اُترے۔ انمین سے زیادہ تر انگریز تھے۔

ابھی دن نکلنے مین دو ڈھائی گھنٹے باقی تھے۔ اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ برامدہ مین ایک کشن لیمپ روشن تھا۔ موٹر ایجنسی کا ایک آدمی اُنکے نزدیک آیا جھک کر سلام کرنیکے بعد (کیونکہ بابو رام لال صاحب بنے ہوے تھے) بولا "حضور ڈلہوزی تشریف لیجائینگے"

بابو رام لال نے سر ہلایا۔

وہ کہنے لگا تو حضور آپ اپنے لیے موٹر مین ابھی سیٹ ریزرو کرالین۔ مسافر بہت آے ہین۔ کہین جگہ کی تنگی نہو جائے۔

بابو رام لال نے اسپر رضامندی ظاہر کی اور موٹر والے نے جھٹ جیب سے ایک کتاب نکال کر بابو صاحب کا نام لکھا اور پرچہ کاٹ کر اُنھین دیدیا۔ بابو صاحب نے کرایہ ادا کر دیا۔ اور پوچھا "موٹر کب روانہ ہوگی؟

"اندھیرے مین چلنا مشکل ہے۔ ساڑھے پانچ بجے سے پہلے نہین چل سکتے۔ آپ تب تک ویٹنگ روم مین تشریف رکھین۔ اسباب مین موٹر مین رکھوائے لیتا ہون"

بابو رام لال بہت اچھا کہکر ویٹنگ روم مین داخل ہو گئے۔ اور موٹر والے نے اسباب موٹر مین رکھوا لیا۔

آفتاب نکلنے کے قریب تھا۔ موٹر ایجنسی کی تمام موٹرین اسٹیشن کے باہر آکھڑی ہوئین مسافر اپنے اپنے پرچے دکھا کر موٹرون مین بیٹھ گئے اور موٹرین اپنے سفر پر روانہ ہو گئین لیکن بابو رام لال والی موٹر وہین کھڑی رہی۔ کیونکہ اُسکے دوسرے مسافر ویٹنگ روم سے نہ نکلے تھے۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد آخر وہ بھی باہر نکل آئے۔ چار سواریان تھین۔ تین صاحب اور ایک میم۔ تینون صاحب فوجی وردی مین تھے۔ اُنمین سے ایک کیپٹن تھا اور باقی دو معمولی سپاہی۔ میم صاحبہ کیپٹن کی بیوی تھین کیپٹن پچیس تیس سپاہیون کے ساتھ سرکاری خرچ سے گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے ڈلہوزی جا رہے تھے۔ سپاہی آگے

چلے گئے تھے۔ یہ تینوں بریک فاسٹ کھانے کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔

ڈرائیور نے بڑھکر سلام کیا۔ کیپٹن نے پوچھا "کس موٹر مین بیٹھنا ہے؟"

موٹر کی طرف اشارہ کرکے ڈرائیور بولا "حضور اسمین"

کیپٹن نے موٹر مین بیٹھے ہوئے بابو رام کو دیکھکر ناک بھوں چڑھائی۔ موٹر کی طرف چھڑی سے اشارہ کرکے بولا "اسمین وہ بیٹھا ہے"

"ہان۔ حضور بھی اُسی مین تشریف رکھین"

اوہ نہین! ہم کالا آدمی کے ساتھ (ساتھ) نہین بیٹھے گا"

لیکن حضور اور کوئی موٹر نہین ہے۔

تو پھر اُسے نکال کر ہمارے واسطے (واسطے) موٹر خالی کرواؤ"

ڈرائیور ہاتھ جوڑکر گڑگڑانے لگا "حضور ہمارے مائی باپ ہین۔ لیکن وہ بھی کوئی معمولی"

کیپٹن زور سے بولا۔ بکو مٹ! ہم کہتا ہے فوراً اُسے جاکر موٹر سے باہر نکالو

ڈرائیور کے ہوش اڑ گئے۔ تھر تھر کانپنے لگا۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والا معاملہ ہوگیا۔ چپ چاپ کھڑا رہا۔ منہ سے کچھ نہ بول سکا۔ صاحب کا غصہ اور بھی تیز ہوگیا۔ بڑھکر اُسنے ڈرائیور کو بوٹ کی ٹھوکر لگائی۔ اور دوڑتا ہوا موٹر کے قریب چلا گیا۔ موٹر کا دروازہ کھول کر بابو رام لال کے بیگ وغیرہ اُٹھا اُٹھا کر باہر پھینکنے لگا۔

بابو رام ولایت ہو آئے تھے۔ وہ صاحب کے جوش، غصہ اور پاگلپن سے ڈرے یا گھبرائے نہین۔ ماتھے پر تیوری چڑھاکر انگریزی مین پوچھنے لگے "کیون؟ کیا ہوا؟ کچھ پاگل تو نہین ہوگئے۔

کیپٹن اول انگریز۔ دوسرے فوجی افسر۔ اور اُسپر طرہ یہ کہ نشے کے گھوڑون پر سوار۔ وہ ایک ہندوستانی کے منہ سے ایسا ہتک آمیز کلمہ کب سُن سکتا تھا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ زور سے ایک چھڑی بابو رام کے سر پر رسید کردی۔ اور دوسرے ہاتھ سے اُنکا بازو پکڑکر باہر کی طرف گھسیٹنے لگا۔ اور بولا۔ پاگل کے بچے! ہم کہتا (کہتا) ہے موٹر فوراً خالی کرو"

بابو رام خود بھی باہر نکل آئے۔ اُنھین بیحد غصہ آیا۔ پہلے تو اینٹ کا جواب

پتھر سے دبنے کو تیار ہو گئے۔ لیکن سامنے دیوزاد کیپٹن اور اُسکے دو ساتھیوں کو دیکھکر رک گئے۔ دانت پیسکر بولے۔ بیوقوف! تمیز سے گفتگو کرنی بھی نہیں آتی۔

"تمیز" کیپٹن زور سے چیخا۔ آؤ (تھین) تمیز سکھا دوں۔ اور زور سے اُسنے بابو رام لال کے گھٹنے پر بوٹ کی ٹھوکر لگائی۔ بابو رام لال سنبھل نہ سکے۔ گر پڑے۔ میم صاحبہ یہ دیکھکر اُچھل پڑیں اور تالیاں بجا کر فرمانے لگیں۔ جیک ایک اور۔ ایک اور!!

پولیس کی چوکی اسٹیشن کے قریب ہی تھی۔ شورِ شنکر چند سپاہی اور ریلوے کے کچھ بابو وغیرہ آ گئے لیکن اس جھگڑے مین کسی کو دخل دینے کی ہمت نہ پڑی۔

میدان جنگ مین سپاہی کا جوش جنگی باجہ سُنکر دُگنا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کیپٹن میم صاحبہ کی آواز ایک اور ایک اور سُنکر اپنے آپے مین نہین رہ سکا۔ اپنی محبوبہ کو رجھانے کے لیے اُسنے بابو رام لال پر ٹھڈون کی بوچھار کر دی۔ بابو صاحب کچھ ہمت کر کے کھڑے ہو گئے اور اُٹھ بھاگے۔ میم صاحبہ خوشی سے ایک دفع پھر اُچھل پڑیں۔ کیپٹن کے دونون ساتھیون نے نعرۂ تحسین بلند کیا۔ ایک نے آگے بڑھکر کیپٹن کی پیٹھ ٹھونکی۔

کیپٹن حریف پر فتح پاتے ہوئے مرغ کی طرح گردن اکڑائے۔ سینہ تانے ڈرایور کی طرف مڑا۔ خوف کے مارے اس بیچارے کے بھی اوسان خطا تھے۔ تھر تھر کانپتا ہوا ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا حضور... حضور... مین تو...

کیپٹن اُسکی ہیئت کذائی کو دیکھکر ہنس پڑا۔ اردگرد کھڑے سپاہیون۔ بابوؤن، قلیون وغیرہ نے بھی قہقہہ لگایا۔ کیپٹن بولا "ویل۔ اُسکا سب اسباب موٹر سے باہر پھینکو اور ہمارا اسباب ویٹنگ روم سے لاکر اسمین رکھو"

جان بچی لاکھون پائے۔ ڈرایور فوراً صاحب بہادر کے حکم کی تعمیل مین مشغول ہو گیا اُسکی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بابو رام لال کا اسباب موٹر سے نکال کر زور زور سے باہر پٹکنے لگا۔ اس سے فارغ ہو کر ویٹنگ روم سے اسباب اُٹھا لایا۔ تینون صاحب اور میم موٹر مین بیٹھ گئے اور موٹر روانہ ہو گئی۔

بابو رام لال بھاگ کر نزدیک ہی ایک درخت کے پیچھے چھپ گئے تھے۔ جب موٹر

نظر سے اوجھل ہو گئی تو وہ نیچا کیے ہوئے کپڑے جھاڑتے اپنے اسباب کے نزدیک آ گئے۔ اب سپاہیون، بابوؤن اور قلیون کی رگ حمیت نے بھی جوش مارا۔ اب انھین کوئی ڈر نہین تھا کوئی خوف دلانیوالا پاس نہ تھا۔ بابو رام لال سے بھی ہمدردی جتانے لگے۔ انگریزون کو برا بھلا کہنے مین لغت ختم کر ڈالی گئی۔

ایک بابو نے آگے بڑھکر کپڑے جھاڑنے مین مدد دی۔ دوسرے نے ٹوپ (جو لڑائی جھگڑے مین نیچے گر گیا تھا) اٹھایا۔ اور جھاڑ پونچھکر بابو رام کو دیدیا۔ انھون نے شکریہ ادا کیا اور ایک قلی کو پاس بلا کر کہنے لگے "یہ اسباب ویٹنگ روم مین لے آؤ"، یہ کہکر آپ ویٹنگ روم مین چلے گئے۔ سبھی بابو قلی سپاہی وغیرہ اپنے اپنے کام مین لگ گئے اور وہ قلی جسے بابو رام لال اسباب اٹھانے کو کہہ گئے تھے۔ اسباب ویٹنگ روم مین لیجانے لگا۔

غنڈے اور بدمعاش پولیس یا اپنے ساتھیون کی گالیون کو شیر مادر کی طرح پی جاتے ہین لیکن شریفون کا دل معمولی انگلی کے اشارہ کو بھی اپنی ہتک سمجھتا ہے اور آج بابو رام لال کے ساتھ تو بہت ہی برا سلوک ہوا تھا انھون نے واقعے کی اہمیت کو محسوس کیا اسوقت وہ خیال کر رہے تھے کہ اب مین دنیا مین کسی کو منھ دکھانے لائق نہین رہا۔ حالانکہ موقعہ پر جتنے آدمی موجود تھے بظاہر سب انسے ہمدردی کرتے تھے، اور سب کے سب کیپٹن اور اور اسکے ساتھیون کو سخت برا بھلا کہہ رہے تھے۔ عزت اور بیعزتی ماننے یا نہ ماننے پر منحصر ہے دنیا کا فیصلہ اسمین کوئی تبدیلی نہین کر سکتا۔

بابو رام لال شرم سے پانی پانی ہوے جاتے تھے۔ لیکن یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہین رہی۔ تھوڑی دیر بعد دل مین ایک جوش پیدا ہوا "ہین! میری بیعزتی! مین اس سے کس بات مین کم تھا جو اسنے یہ جرأت کی؟ . . . مین اس بدذات کپتان کو ٹھیک کر دونگا مین اسپر ہتک عزت کا دعوی دائر کرون گا"

لیکن تھوڑی دیر بعد دور اندیشی نے انھین اس فیصلہ کو بدلنے پر مجبور کر دیا۔ انھون نے سوچا کہ ابھی تو بیعزتی صرف پندرہ بیس ناواقف اشخاص کے سامنے ہوئی ہے لیکن اگر معاملہ عدالت تک گیا۔ تو تمام ہندوستان مین تشہیر ہو جائیگی۔ اسلیے اس معاملہ کو یہین

ختم کر دینا چاہیے۔

بہرحال شام کو موٹر مین بیٹھکر ڈلہوزی روانہ ہوگئے۔

دو دن پہلے ہی اُنکے چار نوکر ڈلہوزی پہونچ چکے تھے۔ اُنھون نے ایک عالیشان مکان کرایہ پر لیکر سارا انتظام ٹھیک کر رکھا تھا۔ بابو صاحب موٹر سے اُتر کر مکان کے اندر چلے گئے۔ نوکرون نے اسباب رکھوالیا۔

(۳)

ڈلہوزی مین دو ٹینس کلب تھے۔ ایک ہندوستانیون کا۔ دوسرا انگریزون کا۔ انگریزی کلب کے ٹینس کورٹ بارکون کے قریب بنے ہوئے تھے۔ ہندوستانی شہر کے نزدیک ہی ایک سبزہ زار کے ٹکڑے پر کھیل لیتے تھے۔ ہندوستانی کلب کے پندرہ بیس ممبر تھے۔ وہ سب تقریباً ہر سال وسط جون سے وسط ستمبر تک ڈلہوزی آیا کرتے تھے۔ اُنمین زیادہ تر وکلا اور بیرسٹر صاحبان تھے۔ کچھ تعلیمیافتہ مستورات بھی تھین۔

بابو رام لال بھی اُسی کلب مین کھیلا کرتے تھے۔ ڈلہوزی پہونچنے کے دوسرے ہی دن آپ شام کو کلب مین حاضر ہوگئے۔ اُنکے چہرے سے اُسوقت پہلے روز کے وقوعہ کا کوئی اثر باقی نہ تھا۔ آپ مُسکرا مُسکرا کر سب دوستون سے ملے۔ اور پھر ٹینس کھیلنے مین مشغول ہوگئے آپ کے مقابلہ مین ایک لڑکی تھی۔ اُسکا نام مس سُبھدرا تھا۔ وہ پنجاب یونیورسٹی کی گریجویٹ تھی اور کھدر پہنے ہوئے تھی۔ تمام کلب مین صرف وہ اور اُسکے بھائی مسٹر بشمبر داس ہی اس لباس مین تھے باقی اور سب صاحبی ٹھاٹھ مین تھے۔ مسٹر بشمبر داس گوجرانوالہ کے نہایت کامیاب بیرسٹر تھے۔ بہت معقول آمدنی تھی۔ لیکن تحریک عدم تعاون کے زیر اثر اپنی بیرسٹری ترک کر دی تھی۔ اور کانگریس کے کام مین مشغول ہوگئے تھے۔ آپکا ارادہ ڈلہوزی آنے کا نہ تھا۔ لیکن بدقسمتی سے زیادہ کام کرنے کے سبب آپ کی صحت بگڑ گئی اور ڈاکٹری مشورہ کے مطابق آپ کو اپنی بہن کے ساتھ ڈلہوزی آنا پڑا۔

مس سُبھدرا کی نسبت بابو رام لال کے ساتھ طے ہو چکی تھی۔ اسی لیے کھیل مین ان دونون کا مقابلہ دیگر ممبرون کی نگاہ مین نہایت ہی دلچسپ تھا۔ سب لوگ اِرد گرد کی کرسیون

بیٹھکر کھیل دیکھنے لگے۔ بابو رام لال نہایت چالاکی سے گیند پھینکتے تھے۔ سبھی سمجھتے کہ ضرور مس سبھدرا کو پوائنٹ ہو جائے گا۔ لیکن وہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ گیند کو روک لیتیں اور اس ترکیب سے بابو صاحب کی طرف پھینکتیں کہ پوائنٹ اُلٹا اُنھیں کو ہو جاتا اسی طرح ہوتے ہوتے کھیل ختم ہو گیا جیت مس سبھدرا کی رہی اور یار دوستوں کو بابو رام لال پر خوب پھبتیاں کسنے کا موقعہ ہاتھ آیا۔

سب لوگ اپنے اپنے مکان یا ہوٹل کو روانہ ہو گئے۔ بابو رام لال نے چرٹ سلگایا اور گراونڈ سے باہر نکل کر گھر کی طرف جانے لگے۔ کہ مسٹر بشمبر داس نے پیچھے سے آکر کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگے۔ یار ایک بات بتاؤ! پھر جانا!!

"کہو کل کیا معاملہ ہو گیا تھا؟ اسٹیشن پر کس سے جھپٹ ہو گئی تھی؟"

بابو رام لال نے گھبرا کر پوچھا۔ "تمھیں کس سے معلوم ہوا؟"

اُنھوں نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ صرف اخبار "قوم پرست" کا تازہ پرچہ آگے کر دیا۔ واقعات اور رائین والے کالم مین درج تھا۔

لارڈ ریڈنگ کا دعوی

ناظرین آج کی تار کی خبرون مین ایک گورہ کیپٹن کے ہاتھون لاہور کے بابو رام لال کی بیعزتی اور مار پیٹ کے حالات پڑھین گے۔ انھین پڑھکر کیا کوئی شخص ہندوستان مین نسلی مساوات کی موجودگی کا خیال تک بھی دل مین لا سکتا ہے؟ آنجہانی ملکہ وکٹوریہ۔ اُنکے فرزند جناب ایڈورڈ ہفتم مرحوم موجودہ شہنشاہ معظم جارج پنجم اور مسٹر نائیگو و دیگر کئی مدبران انگلستان بڑے زور دار الفاظ مین کئی موقعون پر اعلان کر چکے ہین کہ ہندوستان مین مساوات کے اصول پر حکومت کی جائیگی۔ گورے کالے سب ایک نظر سے دیکھے جائینگے۔ یہی نہین بلکہ یہان ہندوستان مین ہارڈنگ سے لیکر ریڈنگ تک کسی ویسرائے نے بھی ڈنر پارٹی، گارڈن پارٹی اوڈریس، غرضکہ کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہین جانے دیا جسپر اُسنے بڑے طمطراق سے انگریزی راج کی برکت مساوات کے گیت نہ گائے ہون۔ ایک موقع پر موجودہ

دیسرے جناب لارڈ ریڈنگ صاحب نے بڑے دعوے سے فرمایا تھا کہ ہندوستان مین نسلی امتیاز نہ ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے لیکن ہم دیکھتے کیا ہین؟ ایک معمولی گورہ کیپٹن اُٹھتا ہے اور ایک رئیس پولیٹکل لیڈر کو (جو اگر انگلستان مین ہوتا تو لارڈ کے نام سے نامزد کیا جاتا اور شاید مجلس وزارت کا ممبر ہوتا) کو بیعزت کرتا ہے۔ مارتا ہے پیٹتا ہے۔ بوٹ کی ٹھوکرون سے ٹھکراتا ہے اُسکے ساتھی اُسے شاباش دیتے ہین۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے کیپٹن سے کوئی باز پرس نہین کیجاتی۔ پولیس خاموشی سے تماشہ دیکھتی رہتی ہے۔

یہ نسلی مساوات کا نمونہ ہے۔

کالے حیوان ہین اُنکے ساتھ مساوات کیسی؟ اُنکے ساتھ ایک ہی گاڑی یا موٹر مین کیسے سفر کرین؟ گورے رنگ والے اپنی فضیلت و حکومت کی عطا کردہ طاقت کو حرکت مین لاتے ہین۔ اور صرف اپنی سہولت اور آرام کا سامان مہیا کر لیتے ہین۔ ایسا کرتے ہوے انھین یقین ہوتا ہے کہ اُنسے کوئی کچھ پوچھنے والا نہین۔

لیکن آخر یہ حالت کب تک رہ سکتی ہے؟ اگر حکومت اسکے دور کرنے مین قاصر ہے تو رہے۔ لیکن غیرت مند ہندوستانی اس بیعزتی کو زیادہ دیر تک نہین دیکھ سکتے۔ اسی لیے وہ عدم تعاون پر کاربند ہو گئے ہین۔ اور یقین کامل ہے کہ اگر خداوند کریم کی مدد شامل حال رہی تو بہت جلد سوراج حاصل ہو کر نسلی مساوات اور قومی عزت کا معیار قائم ہو جائے گا۔ اور ایسے ایسے واقعات اُسے جلد عالم وجود مین لانے والے ثابت ہونگے۔

بابو رام لال کے حواس تو مسٹر بشمبر داس کی بات ہی سنکر باختہ ہو گئے تھے مشکل سے اخبار کی دو ایک سطرین پڑھین۔ لیکن سر اوپر اُٹھانا بھی محال ہو گیا۔ اخبار کی طرف ہی دیکھتے رہے۔ وہ تشہیر سے ڈرتے تھے۔ اسی لیے اُنھون نے کوئی استغاثہ دائر نہ کیا تھا لیکن افسوس معاملہ اخبار مین نکل گیا۔ یار دوستون کے سامنے ہیٹی ہوگی۔ یہ سوچ کر

آسکا دل آپ ہی آپ بیٹھا جاتا تھا۔

مسٹر بشمبر داس کچھ دیر انکی طرف دیکھتے رہے۔ آخر پوچھنے لگے۔ مقدمہ دائر کر دیا؟

بابو رام لال سوچنے لگے بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ اخبار والوں کا ستیاناس ہو۔ ہر ایک خبر کو شایع کر دیتے ہیں۔ مفت میں بدنام کر دیا۔ اب سولے مقدمہ دائر کرنیکے چارہ ہی کیا تھا۔ دھیمی آواز سے بولے نہیں ابھی نہیں مقدمہ دائر کرنیکی ہدایات میں نے مسٹر سٹینلے بارایٹ لا کو لاہور بھیجدی ہیں۔ آجکل میں مقدمہ دائر ہو جائیگا،

مسٹر بشمبر داس نے کہا استغاثہ دائر کرنا محض فضول ہے۔ عدالت سے آپ انگریز کے مقابلے میں انصاف حاصل نہیں کر سکتے۔

خیر جو ہوگا دیکھا جائیگا

تھوڑی دیر بعد آپنے اخبار واپس دیدیا اور شب بخیر کہکر گھر کی طرف چلدیے۔ مسٹر بشمبر داس اپنے ہوٹل کیطرف ہو گئے گھر پہونچکر اسی وقت مقدمہ دائر کرنیکی ہدایات مسٹر سٹینلے کے نام لاہور لکھکر بھیجیں اگلے دن پٹھان کوٹ جاکر کوتوالی میں رپورٹ بھی لکھوا آئے۔

ڈیمن چوراہا بابو رام لال دوستوں کے سامنے جاتے ہوئے گھبرانے لگے۔ آپنے ٹینس کھیلنا چھوڑ دیا۔ اور یہ کہکر اپنے دل کو تسلی دے لی کہ ٹینس بالکل فضول کھیل ہے۔ نہ ورزش نہ تفریح، اس سے تو بہتر ہی کہ صبح و شام مناظر قدرت کی سیر کیا کروں۔ مزاج کو فرحت ہوگی طبیعت بھی بشاش رہیگی۔ اسی خیال پر آپ عمل پیرا ہو گئے اور صبح و شام ادھر ادھر سیالکوٹ کی طرف سیر کرنے لگے۔

شام کے وقت صاف شفاف نیلے آسمان پر چاند نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ چاروں طرف دور تک سبزہ ہی سبزہ نظر آتا تھا جگہ جگہ پر چھوٹی چھوٹی آبشاروں کا بلور سا پانی نہایت تیزی سے بہہ رہا تھا۔ بابو صاحب کا دل بھی خوش تھا لیکن کبھی کبھی مس سعدا کی یاد آجاتی تھی مگر پھر خیال دلمیں نالہ انشین اے دامنہ کے متعلق وہ کہینگی یہ خیال انکو کاٹ کھاتا تھا۔ جہاں یکہ پر دور دور آپ ادھر ادھر کی چیزیں دیکھتے تھے کبھی مس سعدا کے متعلق خیالات میں مشغول ہو جاتے اسی طرح کئی دن گزر گئے۔ اب سیر میں بھی کچھ لطف نہ آتا تھا۔ ہر وقت دل و دماغ کی جنگ چھڑی رہتی تھی دل مس سعدا کو دیکھنے کو چاہتا تھا لیکن تخیل کو یہ کمیٹن کی شکل سامنے لاکر کھڑی کر دیتا۔

آخر ایک دن تنگ آکر آپنے فیصلہ کرنا چاہا کہ یا تو دل پر جبر کرکے کلب جایا کریں یار دست کیا کہتے ہونگے یا لاہور واپس جائیں کہ روز کی بیچینی سے چھٹکارا ہو۔

آپ اسی سوچ مین تھے اور ابھی کسی نتیجے پر نہ پہونچے تھے کہ بلا کسی اطلاع کے مسٹر بشمبر داس آپہونچے - بابو رام لال انھین دیکھکر گھبرا سے گئے - سلسلۂ خیالات منقطع ہو گیا - لیکن چند منٹ بعد سنبھل گئے - اور سوچنے لگے کہ اب تو خود بخود فیصلہ ہو جاتا ہے

مسٹر بشمبر داس نے آتے ہی کہا - واہ ! بھئی واہ ! احد کر دی - اب تو نظر بھی نہین آتے پورا ایک ہفتہ ہو گیا تمھاری شکل دکھائی نہین دی تمھارا ذکر اکثر ہوتا رہتا ہے - کل مسٹر آتمارام کہتے تھے کہ بابو رام لال کے بغیر تو یہ صحبت بے لطف ہے پچھلے چار پانچ روز سے بہن سبھدرا کو بھی تمھاری بابت بہت فکر رہی کہ کہین خدانخواستہ بیمار نہ پڑ گئے ہون

مسٹر بشمبر داس اسی طرح بہت کچھ کہتے رہے - بابو رام لال اب بہت کچھ سنبھل چکے تھے انھون نے اپنے چہرہ پر مصنوعی ہنسی بھی پیدا کر لی - مسٹر بشمبر داس کا سلسلۂ تقریر تو کر کہنے لگے "بھائی ٹینس سے کچھ اکتا گیا تھا بس سیر کرنے کو ۔ ۔ ۔ ۔ "

"اکتا گئے تھے ؟ ٹینس سے یا ہم سے ؟"

صبح کی سیر سے کچھ تھک جاتا تھا - اسلیے دوپہر کو نیند آ ۔ ۔ ۔ ۔ "

"رہنے دو - رہنے دو - اب بہانہ سازی نہ کرو - آج شام کو ہمارے گھر آنا - سبھدرا کہتی تھی کھانا بھی وہین کھانا ہوگا ! اور ہان بھلا اُس مقدمے کا کیا ہوا ؟ ابھی تک وارنٹ کی تعمیل ہی نہین ہوئی "

"ارے بھائی دیسی اور انگریز کا معاملہ ہے - پولیس ٹوپ سے ڈرتی ہوگی "

یہ کہکر جسطرح جلدی جلدی باتین کر رہے تھے - اسی طرح تیزی سے باہر نکل گئے

. . . . . .

بابو رام لال کے تمام پولیٹکل خیالات اس بنیادی اصول پر کھڑے تھے کہ سوراج ہندوستان کا پیدائشی حق تو ہے لیکن اس بات کا فیصلہ کرنیکے اہل صرف انگریز ہی ہین کہ آیا ہم اپنا انتظام آپ کرنیکے قابل ہو گئے ہین یا نہین - ہمارا فرض تو گورنمنٹ کا ہاتھ بٹانا اور اپنے حقوق جتاتے رہنا ہے - تاکہ وہ مبارک دن جلدی سے جلدی ظہور پذیر ہو - جس دن ہمارا ملک خود ہمارے ہاتھ مین ہو -

نئی نئی سیاسی زندگی ہے، آجکل ہر شخص فرصت کے وقت معاملات حاضرہ پر سوچا کرتا ہے۔ بار روم مین وکیل، خالی گھنٹے مین کالج کے طالبعلم شام کو اخبار پڑھتے وقت دفتر کے بابو، نوکری ڈھونے کے بعد، قلی ہل چلاکر کسان، غرضیکہ کہین بھی دو ہندوستانی اکٹھے ہوجائین تو گفتگو سیاسیات پر ہی ہوگی۔ اور بابو رام لال تو کچھ عرصہ تک پولیٹکل لیڈری بھی کرچکے تھے۔ وہ نئے حالات سے متاثر ہوئے بغیر کیسے رہتے۔ یار دوستون مین بیٹھکر خوب بحث ومباحثہ کیا کرتے۔

آج شام کو جب تینون یعنی بابو رام لال، مسٹر بشمبر داس اور مس سبھدرا ایک ساتھ میز پر کھانا کھانے بیٹھے۔ تو گفتگو پولیٹکل معاملات پر ہی چھڑ گئی۔ بابو بشمبر داس بولے "میری سمجھ مین نہین آتا کہ تم موجودہ تحریک آزادی سے اتنا الگ تھلگ کیون رہتے ہو۔ اب تک ہمیشہ آزادی کے راگ الاپتے رہے ہو۔ اور اب جبکہ آزادی حاصل کرنے کا اصلی موقعہ آیا تم بان پرست لیکر الگ ہوگئے ہو۔

بابو رام لال بولے "تو کیا تم خیال کرتے ہو کہ مجھے گورنمنٹ سے کچھ حاصل کرنیکی خواہش ہے۔ یا مین اُس سے ڈرتا ہون؟"

مسٹر بشمبر داس نے کہا "نہین نہین یہ نہین۔ مجھے یہی تو حیرت ہے کہ نہ تو تمھین کچھ لالچ ہے اور نہ تم ڈرنے والے ہو۔ پھر تم قوم کا ساتھ کیون نہین دیتے"

بابو رام لال "دیکھو بھائی۔ اتنے سال کوشش کرکرکے ہمنے انگریزون کو منایا ہے کہ ہم گورنمنٹ مین اصلاحات حاصل کرنے کے قابل ہوگئے ہین۔ اتنے سال لڑبھگڑ کر ہمنے کچھ اصلاحات حاصل کی ہین۔ اب بجاے اسکے کہ ہم گورنمنٹ کے ممد ومعاون بنکر اصلاحات کو کامیاب ثابت کرنے کی کوشش کرین۔ ہم گورنمنٹ سے روٹھکر اُلٹے اُسی کو مفلوج بنانے مین سرگرم ہون۔ بھلا یہ کہان کی عقلمندی ہے؟ اس سے تو ہمین جو کچھ ملا ہے وہ بھی چھن جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم دل وجان سے گورنمنٹ کا ہاتھ بٹائین تو ہمین دس سال کے اندر اندر سوراج مل جائے گا"

مسٹر بشمبر داس نے قہقہہ لگایا۔ سبھدرا بھی مسکرائی۔

سسٹر ستمبر داس نے ہنستے ہنستے پوچھا۔ کیا مل جائیگا؟ سوراج؟ انگریز دینگے؟

بابو رام لال نے سنجیدگی سے جواب دیا "ہاں"

"تب تو بھائی تم بڑے ہی بھولے ہو تمھین انگریزون کی سرشت سے واقفیت نہین ہزار سال تک خوشامدین کرتے رہو کبھی بھی آزادی نصیب نہوگی۔ اگر آزادی ملے گی تو اپنی ہی کوشش سے۔ انگریزون کی بخشش کے بھروسے بیٹھکر اپنی ہستی بھی مٹا بیٹھوگے

"نہین نہین تم انگریزون کے دل کو نہین جانتے۔ وہ آزادی پسند ہین۔ وہ دنیا کی ہر ایک قوم کو آزاد دیکھنا چاہتے ہین وہ دنیا مین امن وچین کے خواہان ہین۔ یہ اصول ڈھکوسلے نہین عمل کرنیکے وقت یاد نہین رکھے جاتے۔ یہ تو فقط تم جیسے سادے عرب ملکو کو پھانسنے کیلیے جال کا کام دیتے ہین

اسی طرح کھانا کھاتے کھاتے باتین ہوتی رہین اتنے مین نوکر تازہ پرچہ لاکر میز پر رکھ گیا۔ مس سبھدرا اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ پہلے ہی صفحہ پر ہندوستان کے دو نہایت ہی با اقتدار لیڈرون کی گرفتاری کی خبر تھی۔

سبھدرا بابو رام سے کہنے لگی "یہ دیکھو آپ کی گورنمنٹ مین اتنے اتنے بڑے آدمیون پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت ہوگئی"

بابو رام لال نے اخبار ہاتھ مین لیکر خبر پڑھی طبیعت کو کچھ تھوڑا سا رنج پہونچا پھر سنبھلکر بولے "گورنمنٹ بیچاری بھی کیا کرے؟ قانون پر اسکی ہستی کا دارومدار ہے۔ اسکی مٹی پلید ہوتی کیسے دیکھے؟

"قانون؟" سبھدرا کچھ جوش مین آگئی۔ کیا قانون؟ بغیر رعایا کی مرضی کے بنایا ہوا قانون وقعت ہی کیا رکھتا ہے؟ ہمارا اپنا ملک ہے۔ اس سے ہم محبت کرتے ہین لیکن ایک سات سمندر پار سے آئی ہوئی گورنمنٹ اسکی پاداش مین ہمین قانون کے نام پر جیل مین ڈال دیتی ہے کیسا اعلیٰ قانون ہے!

بابو رام لال نے مسکرا کر کہا "جوش مین کیون آگئین؟"

سبھدرا کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ دھیمے سے بولی۔ نہین۔ جوش مین نہین مین نے سرسری طور پر ایک بات کہی ہے۔

بابو رام لال مذاقاً وطنزاً کہنے لگے "آپ کا مہاتما تو کہتا ہے۔ کہ جیل سوراجیہ آشرم ہین۔ اسیران حریت کے لیے شاہی ہوٹل ہین۔ آپ کو گورنمنٹ کا مشکور ہونا چاہیے کہ وہ آپ کی خواہش پوری کر رہی ہے۔ اب تو شکایت کیسی؟"

ہیڈ ماسٹر بشمبر داس بولے "ٹھیک ہے۔ اور شکوہ شکایت کون کرتا ہے؟ اب تو ہر شخص دوسرون سے پہلے سوراجیہ آشرم مین پہونچنے کی کوششون مین ہے" کچھ دیر کے لیے آپ رکے پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر آہستگی سے کہنے لگے۔ "مین بھی کیسے بُرے وقت مین بیمار پڑ گیا۔ اب تک کبھی کا شاہی مہمان نوازی کا لطف اُٹھا رہا ہوتا"

بھدرا فخر سے اپنے بھائی کی طرف دیکھنے لگی۔

کھانا ختم ہو گیا۔ ہاتھ وغیرہ دھو کر تینون بیٹھنے والے کمرہ مین چلے گئے۔

(۵)

اگلے دن بابو رام لال کو مسٹر سٹینلے بیرسٹر کی طرف سے اطلاع ملی کہ وارنٹ گرفتاری کی تعمیل کرا کر کیپٹن کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہے۔ اور مقدمہ فلان تاریخ کو گورداسپور کی ضلع عدالت مین پیش ہوگا۔ بابو رام لال مقررہ تاریخ پر گورداسپور پہونچ گئے۔ بیرسٹر صاحب بھی آئے ہوئے تھے۔ ملزم بھی حاضر عدالت تھا۔ کارروائی مقدمہ گیارہ بجے شروع ہوئی۔ مجسٹریٹ صاحب نے کرسی پر بیٹھتے ہی بابو رام لال سے دوستانہ گفتگو شروع کر دی۔ پہلے گرمی کی شکایت ہونے لگی۔ پھر تازہ گرفتاریون پر اظہار خیالات ہوا آتے چلکر گورنمنٹ کی مشکلات کا تذکرہ آگیا۔ اور آخر مین مجسٹریٹ نے بابو جی سے اپیل کی کہ آپ مقدمہ واپس لے لین۔ آپس مین صلح کر لین۔ بابو رام لال مجسٹریٹ کی بات سُنکر تذبذب مین پھنس گئے۔ ابھی جواب نہین دینے پائے تھے کہ مجسٹریٹ پھر بولا "مجھے نہایت افسوس ہے کہ یہ وقوعہ ظہور پذیر ہوا۔ ملزم غیر مشروط طور پر آپ سے معافی مانگنے کو تیار ہے۔ وہ آپ کو جانتا نہین تھا۔ اسی لیے اُس سے یہ خطا ہو گئی۔ ورنہ وہ آپ جیسے معزز ہندوستانیون کی دل سے عزت کرتا ہے"

بابو صاحب کو مجسٹریٹ کی بات سُنکر مقدمہ مین کامیابی حاصل کرنیکے بارے مین کچھ

شکوک پیدا ہو گئے۔ جب انصاف کرنے والا ہی ملزم کی سفارش کرنے لگے تو انصاف کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ مسٹر بشمبر داس نے پہلے ہی کہا تھا کہ مقدمہ دائر کرنا فضول ہے انگریزی عدالتوں سے کوئی ہندوستانی کسی انگریز کے مقابلہ میں انصاف حاصل نہیں کر سکتا تو اب کیا کیا جائے؟

مجسٹریٹ پھر بولا "اس مقدمہ سے بڑی سنسنی پھیلے گی۔ نسلی جذبات بھڑک اٹھیں گے آپ جانتے ہیں آجکل گورنمنٹ اور رعایا کے تعلقات کیسے کشیدہ ہو رہے ہیں۔ اس مقدمہ سے دونوں کے دلوں میں کدورت اور بھی بڑھ جائیگی۔ کیا آپ اپنے ملک کے فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مقدمہ کو واپس نہ لیں گے

اب بابو صاحب اڑ نہ سکے۔ ملک کے فائدہ کے سامنے وہ اپنی عزت کو بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اور ساتھ ہی ملزم معافی بھی مانگتا تھا۔ آپنے فوراً کہا۔ اگر ملزم غیر مشروط طور پر معافی مانگ لے تو مجھے مقدمہ واپس لینے میں کوئی اعتراض نہیں۔

اُسی وقت معافی نامہ تحریر کیا گیا اور کیپٹن نے دستخط کر دیے۔

بابو صاحب اور بیرسٹر لاہور چلے آئے۔

. . . . . .

ایک ماہ بعد بابو رام لال اور سبھدرا کی شادی ہو گئی۔ مسٹر بشمبر داس اور سبھدرا کی کوششوں سے تمام جہیز کھدر کا تیار ہوا۔ تمام براتی کھدر میں ملبوس تھے۔ بابو صاحب نے بھی سبھدرا کو خوش کرنے کے لیے کھدر پہن لیا

تمام شہر میں دھوم مچ گئی۔

(۶)

سختی کا دور شروع ہو گیا۔ گرفتاریاں زور شور سے ہونے لگیں۔ ہر گرفتاری پر بابو رام لال کو سخت صدمہ پہنچتا تھا۔ لیکن خاموش رہتے تھے۔ کرتے کیا؟

آخر ایک دن سخت تنگ آکر آپ نے ایک لمبا چوڑا آرٹیکل تحریر کیا۔ اور لیڈر الہ آباد میں شائع ہونے کے لیے بھیج دیا۔ اسمیں لکھا تھا "ناڈریٹ ملک میں امن و امان

کے ویسے ہی خواہشمند ہین جیسی کہ گورنمنٹ - وہ بھی گورنمنٹ کی طرح قانون کی عزت دیکھنا چاہتے ہین - لیکن اسوقت ایک طرف جبریہ قوانین ہین اور دوسری طرف گورنمنٹ کی ہستی کا سوال - روز بروز لوگون کے دل گورنمنٹ سے متنفر ہوتے جاتے ہین لیکن اسکا علاج سختی نہین بلکہ نرمی ہے - ہمارے خیال مین اسوقت بہتر یہی ہے کہ گورنمنٹ تمام جبریہ قوانین و اعلانون کو واپس لے لے - اور اُنکے تحت مین سزا پائے ہوئے لوگون کو فوراً رہا کردے - جھوٹے وقار کے خیال مین پھنس کر گورنمنٹ کی ہستی کو خطرہ مین نہین ڈالنا چاہیے وغیرہ وغیرہ -

اسی مضمون کے اور بھی کئی آرٹیکل دوسرے ماڈریٹون نے اخبارون مین نکلوائے لیکن گورنمنٹ کی پالیسی پر اُنکا کوئی اثر نہ پڑا - گرفتاریان اُسی طرح ہوتی رہین پرامن ہجوم پر پولیس کے ڈنڈے برستے ہی رہے -

اب مجھے مین چارون طرف سے مطالبہ ہونے لگا "ایک طرف ہوجاؤ"

گورنمنٹ نے کہا - وفادار ثبوت وفاداری دین - باغی میدان مین نکل آئین - قوم پرستون نے کہا ہمین چمکاڈرون کی ضرورت نہین - اب وقت امتحان آگیا ہے یا تو ہماری طرف سے قربانی کرو - میدان مین سینہ سپر ہوکر ڈٹ جاؤ - گولیان کھانے کے لیے چھاتیان ننگی کردو - یا دلیری کے ساتھ گورنمنٹ کی مدد کرو - خاموش بیٹھے رہنا یا چھپکر وار کرنا انسانیت سے بعید ہے -

بابو رام لال اپنے آپ کو عجیب مشکل مین پھنسا پاتے تھے - انکی نہ گورنمنٹ سُنتی تھی نہ قوم - گورنمنٹ طاقت سے جبریہ قوانین منوانے پر اُتر آئی تھی اور قوم پرست ہر ناواجب قانون کو نہ ماننے پر تُلے بیٹھے تھے - گورنمنٹ جوش اور گھبراہٹ مین فرمانون کو جیل مین بھیج رہی تھی - اور لوگ بندے ماترم اور مہاتما جی کی جے کے نعرے لگاتے ہوئے خالی جگہون کو پُر کر رہے تھے -

"ایک طرف ہوجاؤ - ایک طرف ہوجاؤ - ہر طرف سے یہی مطالبہ ہو رہا تھا!

اب کیا کرون؟ ایک طرف ہوجاؤ؟ ایک طرف ہوجاؤ! کدھر ہوجاؤن؟ کسکا

ساتھ دوں؟ گورنمنٹ تو آجکل صرف انکو اپنے ساتھ ملانے کو تیار ہے جو اُس کی ہان مین ہان ملاوین۔ جو اُسکی ہر بات پر صاد کرین ... تو پھر مین کیا کروں؟ ..."

سبھدرا نے کہا: "قوم کا ساتھ دو"

قوم کا ساتھ دوں؟ تمھارا مطلب یہ کہ عدم تعاون کا حامی ہو جاؤں؟

"ہان"

لیکن اگر عدم تعاون سے ملک مین بدامنی پھیل گئی؟ اگر فساد کی آگ مشتعل ہو گئی اور اگر بالکل امن وامان رہا؟

تب البتہ کچھ ہو سکتا ہے۔ پر امن خاموشی سے ظلم سہنے والے مظلوم پر ظالم کب تک ظلم روا رکھے گا؟ آخر کو اُسے اپنا ہاتھ روکنا پڑے گا۔ لیکن یہ ہونا مشکل ہے بدامنی کی تمام طاقتوں کو قابو مین رکھنا ناممکن ہے"

لیکن اپنی طرف سے کوشش تو کرنی چاہیے۔ اور کچھ نہین تو آپ ملک مین پر امن اور بلا تشدد رہنے کا ہی پرچار کرین۔ شراب اور غیر ملکی کپڑے کے برخلاف کام کرین۔ آپ کی تقریرین پر اثر ہوتی ہین۔ آپ کے الفاظ مین جادو بھرا ہوتا ہے"

"مگر میری سنے گا کون؟"

سبھی سنین گے۔ قربانی کرنیوالے کی کون نہین سنتا؟ امیرانہ طرز معاشرت آپ کو اُنسے جدا رکھے ہوے ہے۔ آپ کوشش کرکے اپنے آپ کو اُنمین سے ایک ثابت کرین تب آپ کی بات بھی سنین گے"

(نہ ہان اور نہ انکار) اچھا سوچون گا یہ کہکر آپ خاموش ہو گئے۔

اور پھر چند روز بعد ڈلہوزی سے سر شیمبر داس کا تار آیا جسنے جلتے پر تیل کا کام دیا۔ صبر کا پیمانہ آگے ہی لبریز ہو چکا تھا۔ تار نے ٹھوکر لگا کر چھلکا دیا۔ تار مین لکھا تھا میرا ارادہ یہان کوئی لیکچر دینے کا نہین تھا۔ لیکن گورنمنٹ کو خدا جانے کہان سے خبر مل گئی کہ مین لیکچر دینے والا ہون۔ میرے نام زیر دفعہ ۱۴۴ حکم جاری کیا گیا ہے کہ مین کوئی لیکچر نہ دون۔ مین بیمار ہون لیکن مجھے جسمانی صحت سے انسانی حقوق زیا

عزیز ہیں۔ میں انسان کے پیدائشی حق یعنی آزادی کی تقریر کو پامال ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ میں آج شام کو ایک جلسہ میں لیکچر دونگا۔ اور اُمید ہے کہ جس چیز کی مجھے مدت سے تمنا تھی۔ وہ آج مل جائے گی۔

سبھدرا کا چہرہ جوشِ مسرت سے چمک اُٹھا۔ بابو رام سے پوچھنے لگی "اب آپ بتائیں۔ آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

کیا بتاؤں؟ میری طبیعت بہت پریشان ہے۔ اب میں خاموش نہیں رہ سکتا۔ مجھے اب مجبوراً میدانِ عمل میں اُترنا پڑے گا۔ مجھے بھی اب وہی کام کرنا پڑے گا جسکے سبب ہندوستان کے تقریباً تمام برگزیدہ رہنما شاہی ہوٹلوں میں قیام کر رہے ہیں لیکن مجھے تمہارا خیال ہے"

"میرا خیال" سبھدرا کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ بابو جی کے قدموں پر گر پڑی اور خوشی کے آنسو اُسکی آنکھوں سے جاری تھے

اس طرح گورنمنٹ کا ایک بڑا زبردست خیر خواہ اُسکا مخالف ہو گیا۔

گوپال کرشن یاس

نتیجۂ فکر جناب جگر مرادآبادی

بربادیِ ما پرسِ ازان سینہ فگارے — درعینِ بہارے کہ جدا شد ز بہارے
دیدم بہ درِ میکدہ شعبدہ کارے — میخانہ بدوشے و گلستان بکنارے
یک دانۂ زنّارِ تپِ عشق بہ سینہ — این ہست خزانے و ہم این ہست بہارے
بلبل ہمہ تن خون شد و گل شد ہمہ تن چاک — اے وائے بہارے اگر این ہست بہارے
اغیار بہ دل خندہ زن و دل بتو مشغول — خلقے پسِ دیوانہ و دیوانہ بکارے

اے خسروِ خوبان نظرے کن ز سرِ مہر
افتادہ بکوہت جگر سینہ فگارے

سرلا

(از کالی شنکر بھٹناگر پروفیسر ڈی اے وی کالج کانپور)

سرلا کو جب مین نے پہلی بار دیکھا تھا وہ ایک سیدھی سادی اٹھارہ برس کی لڑکی تھی۔ اُسکی شادی ایک برس پہلے ہو چکی تھی، اُسمین وہ متانت بخیدگی اور خودداری نہ تھی جو شادی ہو جانیکے بعد عموماً لڑکیون مین پیدا ہو جاتی ہے بدرجۂ غائت موجود تھی، مین نہین کہہ سکتا کہ اُسوقت سرلا کی برق خرامی کا مجھ پر کیا اثر ہوا، وہ گھر بھر کا کھلونہ تھی، ماں باپ اُنسے نور نظر اور زندگی کی سب سے بڑی خوشی سمجھتے تھے اور بھائی اور بھابیان اُسکو گھر کا اُجالا جانتے تھے، غیر ممکن تھا کہ مین اس سحر عام سے محفوظ رہتا۔ ابھی تک سرلا کی محبت کا جادو ایسا نہ تھا جو سر پر چڑھکر بولے، وہ شراب ناب کے جام اولین سے پیدا ہونیوالے سُرور کی طرح تھا جو خود تو زیادہ پُرکیف نہین لیکن آیندہ کے لیے تمہید مستی ہوتا ہے۔ اُسکا حُسن عشق کے جوش وخروش سے بالکل بیگانہ تھا مگر قوس قزح کی رنگا رنگ نمود کی طرح اسقدر دلکش تھا کہ اُسکا اثر دل و دماغ پر چاندکی روشنی کی طرح متانت بخش اور روح افزا ہوتا تھا۔ وہ مہر نیمروز کی طرح آنکھون کو چوندھیاتا نہ تھا نہ شاعرون کی مشہور شراب عشق کی طرح پاگل بناتا تھا۔

دو برس بعد سرلا کو مین نے پھر دیکھا، وہ زمانہ بھی ایک یادگار ہے، موت کا بازار گرم تھا فرشتۂ اجل نے ایسے ایسے خوبصورت نقشے مٹا دئے جو صناع ازل کے بہترین نمونے تھے اور جسے دُنیا دیکھکر خوش ہو رہی تھی۔ اسی ہنگامۂ وبا نے سرلا کی زندگی کا بھی ستیاناس کر دیا۔ وہ اب بیوہ ہو گئی تھی۔ سسرال مین بیوہ ساس کے سوا اور میکے مین بہن کے سوا اُسکی دلجوئی کرنیوالا کوئی نہ تھا۔ بھابھی نے اُسکو اپنے پاس بُلا لیا۔ اور وہ ہمارے گھر رہنے لگی۔ اب اُسکی اگلی زندہ دلی خواب وخیال معلوم ہوتی تھی۔ سموم قضا نے اُسکی جوانی کے لہلہاتے ہوئے سبزہ زار کو خس وخاشاک بنا دیا تھا۔ جن لبون پر ہنسی آٹھون پہر

بجلی کی طرح چمکا کرتی تھی وہ اب شاید خواب مین بھی تبسم سے نا آشنا ہوتے تھے۔ وہ مخملین جو ایک خوشی کا نغمہ ہر وقت الاپتا رہتا تھا اب نہ معلوم کہان چلا گیا تھا۔ سرلا کا ہنس مکھ چہرہ کبھی جلوہ گاہ مسرت تھا لیکن اب حادثات زمانہ نے اُسے رنج و غم کا مرقع بنا دیا تھا۔

اُسکو بیوگی کی سفید ساری پہنے دیکھکر میرے دل کو ایک دھکا سا لگا۔ آنکھین اسکو دیکھتے ہی رہگئین جو چہرہ پہلے دلی جذبات کا ایک آئینہ تھا وہ اب رنج و افسوس صبر و توکل کی ایک تصویر بنگیا تھا۔ مین سوچنے لگا کہ یا الٰہی اس نازک کلی پر یہ ستم؟ دماغ بار بار اسی خیال کو دہراتا لیکن کوئی کافی جواب نہ پاتا۔ ایسے وقتون مین فلسفہ کام نہین دیتا۔ ممکن ہے کہ کرم کی فلاسفی شکایت کا دروازہ بند کردے لیکن ہماری تکلیفون کا کوئی کافی و شافی جواب نہین دیتی۔ اب سرلا کی موجودگی مین مجھے اور کسی بات کا دھیان ہی نہ آتا۔ مکان مین اگر میرے لیے کوئی تھا تو وہ سرلا کی ہستی تھی۔ گھر مین جاتا تو آنکھین اُسی کو تلاش کرتین اور باہر ہوتا تو اُسی کا خیال دامنگیر رہتا۔ مین سوچتا تھا کہ سرلا کی زندگی مین اب خوشی کی کوئی چمکدار کرن بیکسی کی عمیق تاریکی کو روشن کرسکتی ہے؟ کیا اب کسی طرح بھی اُسکی طمانیت قلب اور بیفکری اُسے واپس مل سکتی ہے؟ یہی خیالات میرے دماغ مین چکر لگاتے لیکن اس اہم سوال کا حل کرنا دشوار تھا۔ ایک راستہ نظر آتا تھا لیکن سوسائٹی نے مدت دراز سے اُسکا سد باب کر رکھا تھا۔ بیوہ کی شادی سوسائٹی کی نظرون مین گناہ کبیرہ سے بھی بڑھکر تھی ایسا نہ بھی ہوتا تو بھی کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ سرلا خود ابھی تک اپنی مٹی ہوئی اُمیدون کے منظر کو تازہ غم کی لکیرون کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

زمانہ گزر گیا اور رفتہ رفتہ سرلا کی یاد میری زندگی کا ایک جزو بنگئی۔ وہ ایک مقناطیس تھی جس سے میری زندگی کی ہر حرکت متعلق تھی۔ مین نے کسی پر جتی کہ خود اپنے آپ پر بھی، کبھی یہ نہ ظاہر ہونے دیا کہ میرے دل کا کیا حال ہے لیکن مثل ہے کہ ہانسی اور کھانسی چھپتی نہین۔ سرلا کو میرے جذبات کا علم ہو جانا کچھ تعجب کی بات نہ تھی، کیونکہ مجھے یقین تھا کہ بھابی کو بھی ان باتون کا علم ہے، بہرحال مین نے کسی کو شکایت یا ناراضگی یا انگشت نمائی کا موقع نہین دیا گھر مین آنا جانا صرف اشد ضرورت پر منحصر رکھا۔ سرلا سے بات چیت بھی کم کرتا حالانکہ دل و دماغ مین ہر وقت اُسی کی آواز گونجا کرتی۔ اس محبت مین اخلاقی کمزوریون کا شائبہ بھی نہ تھا

لیکن میرا خیال تھا کہ جو مجھے زندگی اور زندگی بھر کی تمام خوشی سے بھی زیادہ عزیز ہے اُسے کسی طرح کا الزام یا بدنامی نہ پہونچے۔ ہم دونون سوسائٹی کے توہمات اور خود ساختہ قانون سے مجبور تھے۔

مین نے ابھی تک یہ نہین کہا کہ سرلا کا برتاؤ میرے ساتھ کیا تھا۔ ہان اُسکچھ تبدیلی تھی مگر اتنی ہی کہ اب میرے ساتھ اُسکے تعلقات اتنے آزادانہ نہ تھے جیسے کہ پہلے۔ اسکے لیے مین ہی ذمہ دار تھا کیونکہ اپنا راز چھپانے کے لیے مین نے اپنے اور اُسکے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کرلی تھی۔ کچھ مین جھجکتا تھا اور مجھ سے زیادہ وہ۔ کھانا کھانیکے بعد مجھے اور بھائی صاحب دونون کو وہی اب بھی پان دیتی لیکن نہ میری طرف آنکھ اُٹھاکر دیکھتی اور نہ کوئی بات کہتی، اس تبدیلی کا بھی میرے اوپر عجیب اثر ہوا، اسکو دیکھکر میرے دل مین ایک خلش ہوئی لیکن پھر مین اُسے غنیمت سمجھتا۔ ناکامی محبت ہی میرا حصول مدعا تھی۔ جو آگ میرے دل مین لگی ہوئی تھی اُس سے مین سرلا کی معصوم ہستی کو ہر طرح محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ اور باہمی تعلقات مین اُسکی سرد مہری ہی مجھے اپنی سب سے زبردست معاون معلوم ہوتی تھی۔ عورتون کو ان جذبات و احساسات کا مجموعہ کہا گیا ہے لیکن جہان مرد جذبات کے اثر سے پاگل ہو جاتے ہین عورتین شاذ ہی عنان عقل کو ہاتھ سے چھوڑتی ہین۔ یہ سب کچھ درست لیکن سرلا کو اپنی طرف سے کھنچا ہوا دیکھکر میرے دل مین ایک درد پیدا ہو جاتا اور مایوسیون کی ایک دُنیا میرے سامنے آجاتی۔

رفتار زمانہ رفتار وقت کی رنگینیون سے بے نیاز رہتی ہے۔ اُسکو کیا اگر سرلا غم سے پامال اور مین ایک نا اُمیدی کے سمندر مین غوطہ زن تھا۔ مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ سرلا کی ظاہری خاموشی اور بیرحمی جوش محبت کا ایک سمندر چھپائے ہوئے ہے۔ اُسکی افسردگی پہاڑون کی اُن برفیلی چوٹیون کی طرح ہے جنکے نیچے زمین کی قدرتی اور ازلی حرارت پوشیدہ ہے۔ اسلیے مجھے یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ جس کشمکس نے میرے دل و جگر کو ہلا دیا تھا اُسکا سرلا کے نازک جسم پر کیا اثر ہوگا۔ سرلا کی بیماری نے میری آنکھین کھولدین۔ وہ دن بدن نحیف و لاغر ہونے لگی، تیسرے پہر پہلے ذرا تیز پھر ذرا تیز بخار رہنے لگا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ تپ دق کا نامراد حملہ اب اس مرجھائے ہوئے

پھول کی ناکام ہستی کا بھی شاید خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔ پنڈت دوارکا ناتھ ہمارے خاندانی حکیم تھے۔ تقریباً ایک ماہ انکا علاج رہا۔ لیکن کہان اس جسم خاکی کے معمولی مصائب اور کہان مرض الموت! ڈاکٹر بلائے گئے اور انجام کار میرا اندیشہ ٹھیک نکلا۔ سرلا کو پہاڑ بھیجنے کی تجویزین ہونے لگین اور یہ خدمت میرے سپرد ہوئی۔

اپریل کا مہینہ تھا جب ہم کاٹھ گودام اسٹیشن پر بھوالی جانے کیلیے پہونچے۔ پہاڑیون کے دامن مین قدرت اپنی فرطنمود سے بدمست ہو رہی تھی۔ پہاڑی چشمون کا دلکش راگ اور نمین سورج کا عکس اُس ازلی خوشی کا پیغام دے رہے تھے جو انسان کا حصہ نہین۔ انکی ہستی خوشگوار تھی جسمین پھول۔ پہاڑ۔ بادل چشمہ سب ہی شامل تھے۔ سرلا کی آنکھون مین بھی اس منظر کی تھوڑی سی جھلک دکھلائی دی لیکن عارضی طور سے۔ وہ حسرت دیاس کا آئینہ تھین۔ اُنمین قدرت کے ہنگامۂ شادی کے منعکس ہونے کی جگہ کہان؟ چشمۂ آبحیات شاید کسی کو مل بھی جائے مگر سرچشمہ مسرت نہ معلوم کہان پنہان ہے؛ ساری دُنیا اسکی جستجو مین پریشان ہے۔ سرلا نے اُس سے نا اُمید ہو کر دُنیائے فانی کی مٹ جانیوالی دلچسپیون سے منھ موڑ لیا تھا۔ مین نے بھی اُسکی تلاش سے ہاتھ اُٹھا لیا تھا اور نا اُمیدی کی رہی سہی لذت بھی میری آنکھون کے سامنے سرلا کی زندگی کے ساتھ تتر بتر ہو رہی تھی۔ مگر ہمارے چارون طرف بیفکری، مسرت اور زندگی کا ایک طوفان برپا تھا!۔

ہم بھوالی پہونچے اور تجویز شدہ بنگلہ مین قیام کیا۔ سرلا کی تیمارداری مین مجھے آٹھون پہر اُسی کے پاس رہنا پڑتا۔ تھوڑے دن تک اُسکی حالت روبصحت معلوم ہوئی لیکن ہفتہ عشرہ کے بعد ہی منھ سے خون آنے لگا۔ نقاہت بڑھ گئی۔ بخار تیز رہنے لگا۔ ڈاکٹر دو ایک دن تو مجھسے ان نئی علامات کے معنی چھپاتے رہے مگر آخر کار اُنھون نے کہدیا کہ مریضہ کو فائدہ ہونا ممکن نہین البتہ بھوالی کی آب وہوا مین زندگی زیادہ دنون تک قائم رہ سکتی ہے۔

سرلا کی نامراد زندگی کا خاتمہ عجیب حیرت انگیز تھا۔ آہ! وہ آخری سین بھی میری نظرون کے سامنے ہے۔ مین اُسکے کمرہ مین بیٹھا ہوا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا اور وہ حسب معمول کرسی پر لیٹی ہوئی تھی۔ نیچے کے کسی بنگلہ مین ہارمونیم پر کوئی گا رہا تھا۔

میرے من اتنی شوُل رہی -

دے بتیان چھتیان لکھ راکھین - جے نندلال کہی - میرے من .....

سورداس پربھو کے بچھڑے تین، بتھا نجات سہی - میرے من .....

الاپ نہایت دلکش تھی - مضمون بہت پُرسوز - مین بالکل راگ مین ہی کھو گیا - سرلا بھی خاموش سُن رہی تھی کہ یکایک ایک سسکی کی آواز آئی - مین نے مُنھ پھیر کر دیکھا تو سرلا زار زار رو رہی تھی! موسیقی نے اُسکے کمزور دل کو پگھلا دیا تھا - میرے دیکھتے ہی دیکھتے اُسکا سر سینہ پر آرہا - مین نے دوڑکر اُسکا سر سیدھا کیا لیکن وہ بالکل غش کی حالت مین تھی - گود مین اُٹھا کر اُسے پلنگ پر لٹا دیا اور دو ایک دوائیان جو ایسی حالت مین دینے کیلیے بتلائی گئی تھین اُسکے مُنھ مین ڈال دین، تھوڑی دیر بعد اُسنے ایک دفع آنکھین کھولین - بصرائن - بہری وغیرہ کو (جو خاموش فرش پر بیٹھی تھین) دیکھا اور مجھ سے یہ کہکر "ننھے بابو! مجھے یاد رکھنا، اور جیا سے پالاگن کہنا، ہمیشہ کے لیے آنکھین بند کرلین -

اسطرح میری پہلی اور آخری محبت ہمیشہ کیلیے چتا کے پاک کرنیوالے شعلون کے سپرد ہوئی لیکن کیا ہماری زندگی کے ارمان و مدعا اسی طرح ہمارے ہاتھون سے نکل جاتے ہین؟ کون جانے مگر محبت کی آگ ہماری گناہ آلودہ زندگی کو پاک کرکے دقیق سے دقیق مسئلون کو حل کردیتی ہے - سرلا میری زندگی کی روح روان تھی اور اُمید ہے کہ آیندہ بھی وہی اُسکی سب سے پاک اور سب سے مُنوّر خوشی ہوگی -

کالی شنکر بھٹناگر

آزادانہ خصلت کے لیے دماغی دلیری کی سخت ضرورت ہے - ہر شخص مین جو اپنے آپکو تابع مین رکھنا چاہے کافی جرأت ہونا چاہیے - یہ نہین کہ وہ دوسرون کی آواز اور سایہ بنکر رہے - اُسے اپنے ہی قوے اور خیالات سے کام لینا چاہیے - اپنی ہی رائے کا اظہار کرنا چاہیے اور اُنھین کے بموجب عمل کرنا چاہیے -

فطرتِ حسن

حسن کیا ہے ہستیٔ کونین کا آئینہ ہے
معدن جذبات ہے اور عشق کا گنجینہ ہے

قلبِ عالم پر نہو کیونکر حکومت حسن کی
جذب مقناطیس سے بڑھکر ہے فطرت حسن کی

زندگی ہے حکم اسکا موت ہے اسکی رضا
اسکے اطمینان کو عالم ہوا آسپر فدا

سادگی کے ساتھ آرایش ہے جانِ دلبری
اسکا ہر انداز ہے فرمانِ شانِ دلبری

بادۂ عیش اسکا پانی خوشدلی اسکی غذا
بیرخی اسکا لباس اور عاشقی اسکی ہوا

جستجو مین یون نگاہِ عشق کی بیتاب ہے
مضطرب دل کی طرح اِک معدنِ سیماب ہے

شوخی و اندازِ رعنائی ہے چہرے سے عیان
برق جذباتِ نہان کی روح رگ رگ مین دوان

ذرۂ احساس ہین اسکے لہو مین اسقدر
قوتِ تخئیل سے بھی کھینچ لیتے ہین اثر

روح صافی سے ہو اسکے جسم کی نشو ونما
زہر قاتل کیا ہے اسکے واسطے؟ غم کی ہوا

حسن کی فطرت مین ہو رنج و محن سے احتراز
اسکی ہستی کو مجرد روح سے ہے سازباز

حسن کا جلوہ ہے ہر جا دیکھنے والا تو ہو
پردہ پوشی قابل نفرت ہے طبعِ حسن کو

سینۂ بیتاب عاشق بھی ہو اِک ابر لطیف
جذب ہونیکے لیے تاثیرِ حسن آبِ لطیف

عشق ہے اسکا خدا اور دہر ہے اسکا غلام
جنبشِ ہستی بغیر اسکی رضا کے ناتمام

جذبِ ہستی کیا ہو؟ اِک برقی اثر ہے حسن کا
ارتقائے دہر منظورِ نظر ہے حسن کا

علم کی بنیاد بھی اِک حسن کی بنیاد ہے
جہل کی حالت مین مٹی حسن کی برباد ہے

کیمیا و ریمیا و ہیمیا و سیمیا
انفعالِ حسن کے سب ہین یہ جلوے جابجا

آگ مین ہو آگ اور پانی مین پانی حسن ہو
عالمِ حیرانی بہزاد و مانی حسن ہے

حسن کی فطرت ہو جو کچھ ہستیٔ عالم مین ہے
رازِ ایجادِ جہان مضمر اسی کے دم مین ہو

رحم علی الہاشمی، سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر اندپندنٹ الہ آباد

آنسو

جب سہتے سہتے رنج و غم انسان کا جی بھر آتا ہے
تب اُن کا خون اور جوشِ الم ہوتا ہے نمایاں آنسو میں
گو دیکھنے میں اِک قطرہ ہے اِک بوند ہے پانی کی لیکن
جذبات کی دنیا رکھتا ہے پوشیدہ اپنے پہلو میں

جو لب پر نہ لا سکے وہ آنکھوں سے بہ نکلے ہیں
جو درد نہیں ممنونِ طبیبِ یہ اشک ہی اُسکی دوا ہے
یہ سوز و گداز و درد و اثر حرماں یاس و رنج و الم
تم چشمِ حقیقت بیں سے اگر دیکھو تو سب آنسو میں مخفی ہے

مظلوم تھا یا بیکس کوئی، یا کوئی مصیبت کا مارا
مغلوب ہوا تھا جوش سے وہ لیکن نہ زباں نے کام دیا
تھی لب پہ مہرِ سکوت لگی، وہ جوش کو ظاہر کر نہ سکا
لیکن اک آنسو بہ نکلا اور اُسنے یہ کام انجام دیا

دیکھ درد کسے اپنا جو کوئی جھٹلانا اسکو ممکن ہے
ہاں آنکھ سے ٹپکے جو قطرہ تصدیق میں اُسکے کافی ہے
ملزم کو مجرم باور کر لینے میں تردد ہوگا اگر
تو شاہد اُسکے صفائے دل کی یہ چھوٹی سی مُتی ہے

بے وجہ کسی نے پہنچے صدمہ و نقصان مجھے گر پہونچایا
اور اُسکے طرزِ عمل نے مجھکو بدلے پر مجبور کیا
پھر طالب عفو ہوا جب وہ اور آنکھ سے آنسو بہ نکلے
تو میں نے اُسکی بیخ دہی کو اپنے دل سے دور کیا

برسوں سے عداوت تھی جس سے مدت سے کاوش تھی جس سے
جب آنکھ سے اسکی آنسو نکلے میں نے اُسکو معاف کیا
آپس میں کچھ جھگڑے تھے اور باہم جو کچھ شکوے تھے
اِس آنسو کے اِک قطرے نے اُن سب کو دھو کر صاف کیا

میں جسکی اُلفت کا بندہ اور جسکے حکم کا تابع ہوں
غمنامۂ اُلفت میں نے اُسے جب جوشِ جنوں میں لکھا تھا
تھا شوق کا دفتر لمبا میں نہ اور دریا دیدۂ تر سے رواں
جو آنسو خط پہ ٹپکتا تھا، بن جاتا تھا اک مہرِ وفا

یہ کاشفِ کیفیاتِ دل، یہ جوہرِ حسیاتِ درون
یہ ریزہ اک الماس کا ہے، دل جس سے ٹوٹ ہوتا ہے
ہاں فتح ممالک ممکن ہے تیروں سے اور تلوار سے
مسحور مگر دل ہوتا ہے جب کوئی بیکس رقت ہے

سید محمود اعظم فہمی ترمذی (بھوپال)

لطف سخن

جناب مرزا جعفر علیخاں صاحب اثر لکھنوی

جذبۂ الفت میں کیسا یہ اثر پیدا ہوا
ایک عالم دیکھکر مجھکو ترا شیدا ہوا

قطرہ قطرہ ایک بحر بیکران عشق ہے
ذرہ ذرہ دیدۂ مشتاق میں صحرا ہوا

اِک نگاہِ مست ساقی میں وہ چکنا چور تھا
دل کا پیمانہ شرابِ شوق سے چھلکا ہوا

تجھسے کہتے تھے کہ اے دل ہجر میں آنسو نہ پی
قطرہ قطرہ جمع ہوکر موجزن دریا ہوا

کم نگاہی سے تری اب سرد ہی بے تو ہے
ورنہ دل تھا آفتابِ حشر سے ملتا ہوا

اِک زمانہ تھا کہ پھولوں سے ہیں سرگوشیاں
خشک پتی کی طرح اب دل ہی مرجھایا ہوا

بات کی نالہ ہوا، گرچپ رہا رنگ اڑگیا
جسقدر میں نے چھپایا راز دل افشا ہوا

گو بظاہر فرق ہو لیکن حقیقت ایک ہے
حسن بھی رسوا ہوا جب عشق کا چرچا ہوا

مسجدوں اور خانقاہوں کا تماشا دیکھکر
میں پھرا دل کی طرف شکرِ خدا کرتا ہوا

کھینچ لا منزل کو اے دل جذب کامل ہو اگر
راستہ دیکھا نہیں کبتک پھروں بھٹکا ہوا

اشک آنکھوں میں بھرے تکتے ہیں منھ سب کا اثر
کوئی پوچھے تو سہی حضرت یہ آخر کیا ہوا

جناب محشر لکھنوی

یہ کہنے سے مرے وہ کسقدر مسرور ہوتا ہے
پکار اٹھتا ہوں تجھکو دل اگر مجبور ہوتا ہے

حقیقت مختصر سن لیجئے رازِ محبت کی
چھپایا جائے جتنا اُتنا ہی مشہور ہوتا ہے

ہمارے ولولے کیا اور ہماری حسرتین کیا ہین — وہی ہوتا ہے جو کچھ آپ کو منظور ہوتا ہے
کہین کن لفظون نہین جس قبول اسکی ادا ؤ ناز کا — ستم بھی جبکا اہل شوق مین مشکور ہوتا ہے
تعجب کیون ہو رد ہو کر اگر مین نے قیامت کی — بشر سے کیا نہین ہوتا ہے جب مجبور ہوتا ہے
نگاہ ناز کے پھرنے مین بھی کیا کیا خوشی دیکھی — ہنسی آتی ہو دل مین جب کوئی ناسور ہوتا ہے
فروغ جذب باطن کی اثر کی حد نہین باقی — خدائی بھر مین اب تک ذکر کوہ طور ہوتا ہے
خنا سائے ادا ہو کر اٹھائین راحتین کیا کیا — سمجھ جاتا ہون نہین جو کچھ تجھے منظور ہوتا ہے
الٰہی خیر اُس سے حال غم کہنے کو جاتا ہون — مجھے رونا ہوا جو دیکھکر مسرور ہوتا ہے
مریض غم کے تیور وقت آخر دیکھتے رہنا — تمہارا ظلم تھوڑی دیر مین مشہور ہوتا ہے

شہیدان وفا کی خوش نصیبی دیکھنا محشر
زمانے بھر مین شور "سعیکم مشکورا" ہوتا ہے

جناب مرزا احسان احمد صاحب صفا بی اے ایل ایل بی

نہ کوئی آرزو اپنی نہ کوئی مدعا اپنا — بس اک ذوق جنون ہے اور دل شورش ادا اپنا
منور کر دیا ہے یون تری شمع تجلی نے — دل پر داغ ہے گویا خبستان حرا اپنا
ہزارون نغمہ ہائے آرزو تھے موجزن اسمین — جو سن لیتا کوئی یہ نالۂ بے مدعا اپنا
رگون مین دوڑتی پھرتی ہی برق وادی ایمن — ضیا گستر ہے یون سوز دل درد آشنا اپنا
انھین کے اب لب ناز ک سے شاید یہ ادا ہوگا — عجب اک کیف مین ڈوبا ہوا ہے مدعا اپنا
فقط اک ذوق نظارہ لیے پھرتا ہی عالم مین — نہ کوئی اپنی منزل ہے نہ کوئی رہنما اپنا
زمین سے آسمان تک ہو نہ کیونکر رقص کا عالم — ترنم ریز ہے ساز دل شورش ادا اپنا
سناؤن تجھکو کیا اے ہمنشین راز محبت مین — حدود لفظ معنی سے ہے باہر مدعا اپنا
لگی ہر سمت ہونے رحمت حق کی گہر باری — اٹھا کچھ اس ادا سے حشر مین دست دعا اپنا

عجب اک راز سربستہ ہی کار حسن و الفت بھی
یہ انداز ستم انکا یہ آئین وفا اپنا

جناب جگر مرادآبادی

وہ بزم تماشا بھی کیا بزم تماشا ہے — جو جلوہ ہے پردا ہے جو پردہ ہے جلوا ہے
آغاز محبت کا انجام بس اتنا ہے — جب دل میں تمنا تھی، اب دل ہی تمنا ہے
دنیا یہ اسی کی ہے عالم یہ اسی کا ہے — جو آپ ہی مجنوں ہے۔ جو آپ ہی لیلا ہے
ہم خاک کے پتلوں نے جو کچھ تجھے سمجھا ہے — تو اس سے بھی برتر ہے، تو اس سے بھی بالا ہے
بھر دو انھیں جذبوں سے، یا آگ لگا دو تم — آنکھیں بھی تمھاری ہیں، سینہ بھی تمھارا ہے
بیکار ہے اے مجنوں، یہ پردۂ آب و گل — اس چیز کا طالب بن جو اصل میں لیلا ہے
کیوں حسن کا افسانہ محدود ہو لفظوں میں — آنکھیں ہی کہیں اسکو، آنکھوں نے جو دیکھا ہے
کہنے کیلیے کہ لیں سب کچھ اسے اہلِ دل — خود دور نہ محبت بھی اک طرح کا پردا ہے
اس دور میں مجنوں ہی کوئی نہ ہا ورنہ، — اب تک، وہی محمل ہے اب تک وہی لیلا ہے

جناب تسکین سورونی

دفن کرنے چلے تھے جب مرے گھر سے مجھے — کاش تم بھی جھانک لیتے روزنِ در سے مجھے
کچھ نہیں اسکے سوا شکوہ مقدر سے مجھے — موت آخر کیوں نہ آئی چھٹکے دلبر سے مجھے
سانس پوری ہو چکی دنیا سے رخصت ہو چکا — تم اب آئے ہو اٹھانے میرے بستر سے مجھے
آگے آگے میں مرے پیچھے بگولے گرد کے — یوں نکالا تھا جنوں نے کوئے دلبر سے مجھے
کیوں اٹھاتا ہے مجھے میری تمنا کو نکال — تیرے در تک کھینچ لائی تھی یہی گھر سے مجھے
دیکھ لی میں نے شبِ غم کی درازی دیکھ لی — اب نہیں کچھ خوفِ طولِ روزِ محشر سے مجھے
ہجر کی شب کچھ یہی مونس تھا میرا اے قضا — اک ذرا رو لینے دے دل کھول کے بستر سے مجھے

یاد ہے تسکین اب تک وہ زمانہ یاد ہے
جب چھڑایا تھا فلک نے میرے دلبر سے مجھے

زمانہ

جلد ۳۸ جون ۱۹۲۲ء نمبر ۶

میزنی اور اُسکی تعلیم

(ایک مسلم گریجوایٹ کے قلم سے)

مثل مشہور ہے کہ انسان کی قدر مرنے کے بعد ہوتی ہے۔ بعینہٖ یہی حالت اٹلی کے مشہور و معروف قوم پرست جوزف میزنی کے ساتھ گزری۔ جب تک زندہ رہا حکمران جماعت اُسے سانپ اور باغی کے القاب سے یاد کرتی رہی۔ لیکن وفات کے بعد دنیا کے بہترین آدمیوں میں اس کو جگہ دی گئی ہے۔ اس وقت لوگ اسکے مضامین پڑھنے سے ڈرتے تھے مگر مسٹر جونز (جنھوں نے میزنی کے مضامین کی تمہید لکھی ہے) اب یہ نصیحت کرتے ہیں کہ "بزدل سے بزدل اور وفادار سے وفادار شہری کو اس کے مضامین پڑھنے سے خوف زدہ نہ ہونا چاہیئے"۔ میزنی زمانہ طالب علمی ہی سے غور و خوض کرنیکا عادی تھا اور اُس زمانہ کی حکومت ایسے نوجوانوں کو نفرت اور دہشت کی نظر سے دیکھتی تھی۔ میزنی اس جرم میں گرفتار کیا گیا تھا کہ وہ اپنے دماغ سے کام لیتا ہے۔ جنوا کے گورنر نے اس کے باپ سے صاف صاف کہدیا تھا کہ "آپ کا لڑکا غور و فکر کرتا ہے اور رات کے وقت تنہا ہوا خوری کرنے کا عادی ہے"۔ درحقیقت وہ اطالویوں کو متحد کرنے کی تدابیر سوچا کرتا تھا۔ اُسکی خواہش تھی کہ ملک میں ایک ایسا سیاسی اور اخلاقی اتحاد پیدا ہو جائے جسکی بنیاد کسی بڑے مرکزی خیال پر ہو، ملک کی محبت لوگوں کے دلوں میں موجزن ہو، سب کے سب روما مستہ الکبریٰ کی پرستش کرنے لگیں۔ اور اس "دورِ نشاط افزا

کا مطمح نظر اپنے سامنے رکھین جو بالآخر اُنکے لیئے آنیوالا ہے" وہ اپنی زندگی کو مقدس مشن سمجھتا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے فرائض کی ادائیگی کو سب سے ضروری شے خیال کرتا تھا۔ وہ سازشی نہ تھا اس لیئے کہ سازش کرنیکے لیئے جس قسم کی قابلیت اور دماغ کی ضرورت ہوا کرتی ہے وہ اُسمین بہت کم تھی۔ اسے علم ادب سے قلبی محبت تھی۔ اُس نے ڈینٹے، شیکسپیر، بائرن، گیٹے اور شلر کی تصنیفات کا نہایت غور سے مطالعہ کیا تھا۔ اُسکا طرز گفتگو زوردار تھا۔ اسکی تحریر و تقریر مین سوامی ویویکانند اور سید جمال الدین افغانی کی طرح کوٹ کوٹ کر جوش بھرا ہوا تھا۔ جس کا اثر عوام پر پڑتا تھا اور لوگ سمجھتے تھے کہ وہ جادو کرتا ہے۔ کارلائل اس کا دوست تھا اور وہ میزنی کی قابلیتون کا حسب ذیل الفاظ مین اعتراف کرتا ہے:" وہ قابل اور نیک آدمی ہے۔ وہ نہایت سچا ہے۔ شرافت قلب اور بنی نوع انسان کی محبت اسکے دلمین بدرجہ اتم موجود ہے۔ وہ ان عجیب و غریب آدمیون مین سے ہے جو شہید روحون کے القاب سے یاد کیئے جانے کے قابل ہین" اسے پورا یقین تھا کہ کوئی قوم آزادی کے ثمرات سے اُسوقت تک بہرہ مند نہین ہوسکتی جب تک کہ وہ خود اپنی کوششون سے اُسے حاصل نکرے وہ آسٹریا کی طرز حکومت کی خرابیون کا آخر وقت تک مقابلہ کرتا رہا۔ لیکن سب سے بڑھکر اُسے اس بات کا افسوس تھا کہ" میری قوم اسقدر جاہل اور بے پروا ہے۔ جو اپنی قوت باہمی لڑائی جھگڑون مین صرف کرتی ہے گویا وہ نامرد بن گئی ہے" وہ کہا کرتا تھا کہ اگر میری قوم کو قوم بننے کی آرزو ہے تو اسے سب سے پہلے اپنے تئین اخلاقی برائیون سے پاک وصاف کرلینا چاہیئے" اسکے بغیر اسکا مشن ہرگز پورا نہوگا۔ قیدخانہ سے وہ مبسوط پروگرام مرتب کرکے نکلا تھا اور مرتے وقت بھی اسکے ذہن مین اپنے ملک کو ترقی دینے کی اسکیمین تھین۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ" تم کہتے ہو کہ مین بیمار ہون ایسے زمانہ مین جبکہ قوم حصول آزادی کی کشمکش مین مبتلا ہو تمہین بیمار ہونے کی فرصت کس طرح سے مل گئی؟" واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے ملک کا نہایت ہی خیرخواہ تھا۔ اور اگرچہ ڈینٹے وغیرہ نے بھی حب الوطنی کے خیالات ظاہر کیئے ہین۔ مگر میزنی کی حب الوطنی مین سیاسی جھلک تھی اور یہی امتیاز ہے ان دونون مین۔ میزنی کی حالت یہ تھی کہ تم سرے قلب کو چیرو تو تمہین اسکے اندر اٹلی ہی" اٹلی" لکھا ہوا نظر آئیگا"

میزنی کی تعلیمات عجیب و غریب ہین۔ جس شد و مد سے اس نے اُن امور پر زور دیا ہے جو

خود ہمین بجالانے چاہئین وہ حیرت انگیز ہے - انسان قدرتی طور پر یہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ تو اپنے فرائض بجالاتے رہین لیکن وہ خود اپنے فرائض کی ذمہ داری سے بچا رہے - یہ حالت اسوقت اور زیادہ نمایان ہوجاتی ہے جبکہ ایک قوم کسی دوسری قوم کی غلامی مین اپنی زندگی بسر کر رہی ہو اپنے زمانہ کی بداخلاقیون کی جڑ کاٹنے اور خود کو آسٹریون سے بڑھ چڑھکر ثابت کرنے مین جو عظیم الشان کام اُس نے انجام دیا ہے وہ اسی کے شایان شان تھا - حضرت مسیحؑ نے اپنے زمانہ کی برائیون کے خلاف جس بیباکی سے نکتہ چینی کی تھی وہ صفت عیسائیت کے اس فرزند مین بدرجۂ اتم موجود تھی اس نے جو کچھ کہا، علانیہ اور نہایت صاف گوئی سے کہا - اسنے حقوق کا ذکر نہین جو بطور انسان ہمین حاصل ہونے چاہئین، بلکہ اس نے ان فرائض کا ذکر کیا ہے جو انسان ہونیکی حیثیت سے ہمین بجالانے چاہئین - وہ کہتا ہے :-

"جب مین یہ کہتا ہون کہ محض اپنے حقوق کی واقفیت بنی نوع انسان مین نمایان یا دیرپا ترقی پیدا کرنے کے لیئے کفایت نہین کرتی تو اسوقت مین تم سے یہ کہنا نہین چاہتا کہ تم ان سے دست بردار ہوجاؤ - مین صرف یہ کہنا چاہتا ہون کہ بذات خود ان کا کوئی وجود نہین - اور اگر وہ قائم رہ سکتے ہین تو محض فرائض کی بجاآوری کے نتیجہ کی حیثیت سے - اور اسلیئے قبل الذکر چیز کو حاصل کرنے کی غرض سے مؤخرالذکر شئے کو حاصل کرنے کا کام شروع کر دینا چاہیئے - اور جب مین یہ کہتا ہون کہ خوشی راحت اور مادی فوائد کو زندگی کا مقصد قرار دینے مین یہ خطرہ ہے کہ لوگ خود غرض بن جائینگے تو اسوقت میرا مطلب یہ نہین ہے کہ تم ان کے لیئے جد وجہد کرنا چھوڑ دو - میرا خیال یہ ہے کہ اگر محض مادی فوائد کے حصول کی کوشش کیجائیگی اور انہین ذریعہ قرار دینے کی بجائے مقصد شمار کر لیا جائیگا تو اس کا نتیجہ نہایت تباہ کن نکلے گا ..... مادی ترقی ضروری ہے اور ہم اسکے حصول کی کوشش کرینگے لیکن اسلیئے نہین کہ انسان کی ضرورت صرف یہ ہے کہ اسے اچھا کھانا مل جائے یا رہنے کو اچھا مکان میسّر آجائے بلکہ اس لیئے کہ جب تک تم موجودہ زمانہ کی طرح ضروریات زندگی کے حاصل کرنے کی کشمکش مین لگے رہوگے اسوقت تک تم کو اپنی شان اپنے وقار اور اپنی عظمت یا کسی اخلاقی نشوونما کا علم نہین ہو سکتا .... اخلاقی حیثیت سے ترقی کرنے کے لیئے مادی حالات مین تبدیلی کرنے کی سخت ضرورت ہے ..... تمہین اس تبدیلی کے لیئے کوشش کرنی چاہیئے اور تم بالضرور اُسے حاصل کروگے لیکن نہین اس کے

حصول کی ذریعہ کے طور پر کوشش کرنی چاہیئے نہ کہ اصلی مقصد کی حیثیت سے فرض کے نقطۂ خیال سے اسکے لیئے سعی کرو۔ مادّی طور پر خود کو خوشحال بنانے کے بجائے اپنے تئین بہتر بنانے کے خیال سے اسکے حصول کی کوشش کرو۔..... اپنے تئین اخلاقی حیثیت سے بہتر بنانا انسانی ہستی کا مقصد اولین ہونا چاہیئے۔..... جو لوگ تم سے اونچے ہین ان کے روبرو اپنے فرائض ادا کرنے کا وعظ کہو اور حتی الامکان اپنے فرایض بھی ادا کرتے رہو۔ نیکی، ایثار اور محبّت کا وعظ کہو اور ساتھ ہی خود بھی نیک، بے غرض اور ہمدرد بن جاؤ۔"

فرض کے متعلق میزنی کا جو تخیّل ہے وہ نہایت مقدّس ہے۔ تہذیب اسلام کی طرح جو فرائض منصبی کے متعلق تیرہ سو سال سے یہ وعظ کر رہا ہے کہ اسلامی احکام خدائی ہین اور انکی بجا آوری اور عدم بجا آوری کے لیئے سب خدا کے روبرو جوابدہ ہین، میزنی بھی ادائیگی۔ فرائض مین خدائی عظمت کے خیال کو اپنے پیش نظر رکھتا ہے کیونکہ "اسکے بغیر احساس فرایض کس طرح سے ہو سکتا ہے؟" ایسی ہی قوت کے ماتحت رہ کر ہم نیک اور رعایا کے غمگسار بن سکتے ہین اور بجائے حاکم کے اسکے خادم رہ سکتے ہین۔ وہ لکھتا ہے:-

"خدا کے بغیر ہم کہان سے احساس فرض حاصل کر سکتے ہین؟ خدا کے بغیر تم دیکھوگے کہ (خواہ شہری حکومت کے کسی نظام سے بھی تم اپنا تعلق وابستہ کرلو) اسکی بنیاد اندھی، وحشیانہ اور ظالمانہ قوت کی نمایش پر ہوگی۔ اس کلیہ سے تمھارے لیئے بچ کر جانا ناممکن ہے۔..... یا تو ہمین خدا کی اطاعت کرنی چاہیئے یا بنی نوع انسان کی (خواہ وہ ایک شخص ہو یا ایک سے زائد، اسکا کچھ مضائقہ نہین) لیکن اگر تمام بنی نوع انسان کے دماغون پر ایک اعلیٰ داغ حکومت کرنے کے لیئے موجود نہو تو کون ہمین اپنے ہم جنسون کے مظالم سے نجات دلا سکتا ہے؟..... مین اپنے گہرے عقیدہ کی بنا پر تم سے کہتا ہون کہ خدا کے بغیر کسی قانون پر اعتماد کیئے بغیر اور اخلاق کے بغیر اور ایثار کا اظہار کیئے بغیر تم کبھی کامیاب نہین ہو سکتے۔"

مزدوری پیشہ طبقہ کی مشکلات و مصائب کا حال بیان کرتا ہوا کہتا ہے:-

"مزدورون کی فلاکش حالت مین کوئی تبدیلی پیدا نہین ہوئی وہ جنکے پاس کچھ بھی سرمایہ موجود نہین، وہ جو اپنی روز کی کمائی مین سے کچھ بھی پس انداز نہین کر سکتے اور اسلیئے کسی تجارتی کاروبار کی ابتدا کرنیسے قاصر رہتے ہین، ایسے لوگون کے لیئے مقابلہ کی آزادی ان لوگون کے لیئے جھوٹ سے زیادہ وقعت نہین

رکھتی جو تعلیم و تربیت، مواقع اور وقت کے نہ ہونے کے باعث اپنے حقوق کا استعمال نہیں کر سکتے۔"

میزنی کا خیال ہے کہ "اس قسم کی زندگی (بشرطیکہ وہ ممکن ہو) بجوؤن کی زندگی ہوگی نہ کہ آدمیون کی۔..... ممکن ہے کہ جسمانی زندگی کو اس سے اطمینان حاصل ہو جائے لیکن اخلاقی اور ذہنی زندگی تباہ و برباد ہو جائیگی اور اسکے ساتھ ترقی، آزاد کاروبار، آزاد تعلقات، پیداوار کی بینی، خوشحالی کی لذت فہمی اور ترقی کی تمام تحریکیں خود بخود مردہ ہو جائینگی۔" وہ کہتا ہے کہ اسکا علاج یہ ہے کہ مزدور اور کارخانہ دار دونون متفق ہو کر کام کرین اور محنت کے ثمرات باہم تقسیم کر لیئے جائین اور برادرانہ زندگی بسر کیجائے۔

میزنی کے متعلق اسکی زندگی مین اکثر اشخاص کا یہ خیال رہا ہے کہ وہ صرف قیاسات سے کام لیتا ہے اور موہوم باتون کا خواب دیکھتا رہتا ہے اور یہ کہ عملیات اور حقایقِ زندگی سے اسکو کچھ تعلق نہین وہ اپنے مخالفین کو۔ الزام ثابت کرنے کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ "ہر انقلاب خواہ معاشرتی ہو یا سیاسی یا کسی اور قسم کا (یہ ضروری نہین کہ وہ اپنے مین شورش کا پہلو ہی رکھتا ہو) تخریب و تعمیر پر مشتمل ہوتا ہے۔ تخریب مروجہ نظام کی اور تعمیر جدید نظام کی جو پہلے کا نعم البدل ہونیوالا ہے۔" اسکا مقصد صرف یہ نہین کہ محض تباہ کن نکتہ چینی کی جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ عوام کے سامنے جدید نصب العین پیش کیا جائے۔ وہ اخلاقی قوت کو ترقی کا غالب عنصر قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اسی روح کے ذریعہ ہم جس اصول کو جس قالب مین ڈھالنا چاہین ڈھال سکتے ہین:-

"اصولون کے مرد میدان بنو۔ لوگون کو جو اسوقت تاریکی مین مبتلا ہین، ترقی انسانیت اور خدا کے قانون کی دعوت دو۔ ان مین اخلاقی حس پیدا کردو۔ اُن مین فرض شناسی کا جذبہ ابھارو۔ :..... نوجوانون کے سامنے جدید مطمح نظر پیش کرو اسلیئے کہ وہ شک و شبہہ اور ناکامی سے جلد بدل ہو جاتے ہین۔ جوش، مذہب اور محبت کے ذریعہ لوگون مین نئی اخلاقی زندگی پھونکدو۔"

ہمارے ملک مین کیا ہر سرزمین مین ایسے اشخاص ملینگے جو دنیا کو عارضی شئے سمجھ کر اُن چیزون اور ترقیون کی جانب متوجہ ہونا گناہ سمجھتے ہین۔ وہ کہتے ہین کہ یہ زندگی صرف آزمائشی ہے ہم یہان جلاوطن ہو کر آئے ہین اور اسلیئے ہمین اسکو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے اور تمام خیالات کو خدائے برتر کی جانب منعطف کر دینا چاہیئے۔ میزنی ایسے مایوس اشخاص کو جو خواہ

نخواہ اپنے تئین قید خانہ مین دیکھتے ہین، نہایت سختی سے یہ جواب دیتا ہے:-

"جو لوگ تم سے دوسری دنیا کا ذکر کرتے ہین اور بتاتے ہین کہ وہ اِس زمین سے الگ کوئی مقام ہے تو اُن سے تمہین یہ کہنا چاہیئے کہ راستہ اور منزل کی مانند وہ دونون ایک ہی شے ہین۔ زمین خدا تعالیٰ کی ہے۔ خدا نے اسے اسلیئے پیدا کیا تھا کہ ہم اسکے ذریعہ اس تک پہنچین۔ یہ جگہ ہماری ترقی کے لیئے مقرر کی گئی ہے اور نیز اس لیئے کہ ہم زندگی کے اعلیٰ مدارج تک پہونچ جائین۔ خدا نے ہمین عبادت کرنے کیلیئے پیدا نہین کیا بلکہ عمل کے لیئے۔ ..... تیری بادشاہت زمین پر بھی قائم ہو جیسی کہ آسمان مین ہے"۔ اے مرے بھائیو! تمھارا عقیدہ ان الفاظ پر مبنی ہونا چاہیئے۔ ان الفاظ کو بار بار دہراؤ۔ اُن لوگون کی باتون پر دھیان مت دو جو تمہین ترک دنیا سکھاتے ہین، دنیاوی حکومت کی اطاعت کرنے کی تلقین کرتے ہین جبکہ وہ آمادۂ ظلم ہو اور تم سے یہ کہتے ہین کہ 'جو حق بادشاہ کا ہے وہ بادشاہ کو ادا کرو اور جو حق خدا کا ہے وہ خدا کو ادا کرو'۔ بادشاہ کا کوئی حق نہین ہے سوائے اس حق کے جو قانونِ الٰہی کے مطابق ہو۔ شہری حکومت ایک خاص مدت کیلیئے مشیت ایزدی کی حکمبرداری کی نااہل ثابت ہو تو مین یہ نہین کہونگا کہ تمھارا حق ہے بلکہ تمھارا فرض ہے کہ تم اسے تبدیل کر دو"۔

ہمیشہ ہمیشہ ماضی پر نظر رکھنا اور مستقبل کی طرف سے بے پرواہ رہنا۔ میزنی کے نزدیک ایک طفلانہ حرکت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ماضی سے ہمین اپنے مستقبل کی ترقی کے لیے مواد حاصل کرنا چاہیئے اور یہی ایک طریقہ ہے جس سے حال کے جمود کو رفع کیا جا سکتا ہے۔ بقول مسٹر ایسکوتھ کوئی قوم محض اپنی شاندار روایات کی یاد پر زندگی نہین بسر کر سکتی۔ یہ زرین مقولہ کم سے کم مسلمانون کی تمام سرگرمیون کا رہنما ہونا چاہیئے اسلیئے کہ اُن مین اب بھی بہت سے اشخاص ایسے ہین جو یہ سمجھتے ہین کہ مسلمانون نے جسقدر ترقیان کی تھین، اُن سے زیادہ ممکن نہین اور یہ کہ کسی مسئلہ پر جو کچھ وہ لکھ گئے ہین یا کہ گئے ہین اسمین سرمو فرق نہین آسکتا۔ اگر مسلمان اپنی ضرورت سے زیادہ خوش عقیدگی کو بالائے طاق رکھدین تو وہ دیکھ لینگے کہ موجودہ علوم وفنون کی اب وہ حالت نہین جو سولھوین اور سترھوین صدی عیسوی مین تھی۔ اِس امر سے کوئی انکار نہین کرتا کہ یورپ نے زانوئے شاگردی مسلمانون کے سامنے طے کیا تھا لیکن بقول مسٹر ہٹونگ اس نے یہ کام بے فائدہ نہین کیا کیونکہ ہم اپنی آنکھون سے

دیکھ رہے ہین کہ آج اسکے علوم وفنون حیرت انگیز درجہ تک ترقی کرگئے ہین - اس قسم کے تنگ خیالات مسلمانون کو موجودہ علوم وفنون سیکھنے مین سخت مانع آرہے ہین - اسکے علاوہ ہم مین ایک اور گروہ ہے جو سرے سے اپنے بزرگون کے کارنامون کو جھٹلاتا ہے اور انہین بیوقوف بناتا ہے - ہر جدید شئے کا اچھا ہونا اور ہر قدیم شئے کا برا ہونا ان کے نزدیک مسلمہ حقیقت ہے - اس قسم کی افراط وتفریط قوم کے نوجوانون مین غلط خیالات پیدا کرنے کا سبب ہوگی جو بجائے خود خوشگوار نہین کہلائی جاسکتی - میزنی کے ارشادات سے ہمین اپنے مستقبل کو ماضی سے زیادہ شاندار بنانے مین تقویت حاصل کرنی چاہیئے اور ساتھ ہی اپنے بزرگون کی جائز عظمت کو بھی نظرانداز نہ کرنا چاہیئے - وہ لکھتا ہے :-

" اپنے بزرگون کی تقلید کرتے وقت ہم یہ بات فراموش کرجاتے ہین کہ ہمارے بزرگون نے کسی کی تقلید نہین کی تھی - اور اسی مین ان کی عظمت مضمر ہے - انھون نے جو کچھ کیا، عوام کی ضروریات یا اپنے گرد وپیش کے حالات واثرات کو مدنظر رکھکر کیا - اور صرف اسوجہ سے کہ اُنکے کارنامے انکے مطمح نظر کے مطابق تھے - اُنھون نے درحقیقت اعجاز کر دکھایا - کیا وجہ ہے کہ ہم بھی ان کی طرح سے کام نہ کرین ؟ کیا وجہ ہے کہ گزشتہ روایات کا مطالعہ اور احترام کرتے ہوئے ہم آگے کی جانب نہ بڑھین ؟ ہمین اپنے بزرگون کی عظمت کی پرستش کرنی چاہیئے - ہمین ان کے مقبرون مین مستقبل کے لیئے راہ ہدایت ڈھونڈنے کی کوشش کرنی چاہیئے - مستقبل ہمارے سامنے موجود ہے اور صرف خدا تعالیٰ ہی جو تمام الہامون اور زمانون کا سرچشمہ ہے، نہ ختم ہونیوالے راستہ کی جانب ہماری رہنمائی کرسکتا ہے - لہذا تم آگے بڑھو اور اپنی باری سے بڑا بننے کی کوشش کرو..... ہمارے بزرگ مقبرون مین اپنے کارنامون پر جائز فخر کرتے ہوئے آرام کی نیند سو رہے ہین - وہ جنگ کے بعد سپاہیون کی مانند خواب استراحت مین ہین جو اپنے جھنڈے کے سایہ مین لیٹے پڑے ہین - ..... لیکن اب اندر کا نام لیکر ہمین آگے قدم بڑھانا چاہیئے - اسکے بعد ہم واپس ہونگے اور اُن قبرون پر جہان ہمارے آباواجداد خواب شیرین مین لیٹے پڑے ہین، کامیابی کے پھول چڑھائین گے جنھین ہم نے اپنی محنت سے حاصل کیا ہے - ..... دَورِ قدیم اپنے اصل مقصد کو صرف دورِ جدید ہی کے بپتسمہ سے حاصل کرسکتا ہے "

میزنی کہتا ہے کہ "سیاسیات کی غایت یہ ہے کہ قوم کے سول نظام پر اخلاقی قانون حاوی ہو، یعنی اسکے داخلی اور خارجی دونون معاملات پر" یہی تعلیم موجودہ زمانہ مین ہندوستانی کا سب سے بڑا فرزند گاندھی دے رہا ہے۔ مہاتما کی تلقین یہ ہے کہ سیاسیات کو روحانی بناؤ اسلیئے کہ اسکے بغیر سچی ترقی ناممکن ہے۔ میزنی کا قول ہے کہ ہم اسوقت تک کوئی فرض بھی سچائی کے ساتھ ادا نہین کرسکتے۔ جب تک کہ ہم اخلاقی زیور سے مزین نہ ہونگے۔

میزنی خاندان کو بنی نوع انسان کا گہوارہ کہتا ہے۔ اسکے بعد ملک کا درجہ ہے۔ عورت کو گھر کا فرشتہ قرار دیتا ہوا لکھتا ہے:-

عورت سے محبت کرو۔ عورت کا ادب کرو۔ اس سے صرف تسکین ہی حاصل نہ کرو بلکہ اپنی ذہن اور اخلاقی قوتون کے لیئے طاقت بھی۔ صدیون کے تعصبات نے غیر مساوی تعلیم اور خود ساختہ قوانین کے ذریعہ عورتون مین جو ذہنی کمی پیدا کردی ہے، اسے تم آج اپنے ظلم کو برقرار رکھنے کے لیئے دلیل کے طور پر استعمال کررہے ہو۔ لیکن کیا تمام جور و تشدد کی تاریخ تمہین یہ سبق نہین سکھاتی کہ ظالم اپنے تشدد کو حق بجانب ثابت کرنے کی غرض سے ہمیشہ اپنے ہی قائم کردہ قوانین کو پیش کیا کرتے ہین؟..... پچاس سال سے موجودہ حکمران خاندان کے مویدین یہ کہہ رہے ہین کہ ہم (یعنی اطالوی) آزادی حاصل کرنے کے قابل نہین ہین اور اس اثنا مین وہ قوانین اور کرایہ کے سپاہیون کی وحشیانہ طاقت کے ذریعہ ہر ایک دروازہ اسلیئے بند کررہے ہین کہ شاید ہم (بشرطیکہ ہم مین مفروضہ نااہلیت کا وجود ہو) خود بخود اسکو مغلوب نہ کرلین، گویا کہ ظلم و تشدد کبھی آزادی کی تعلیم بھی قرار دیا جا سکتا ہے..... آج نصف انسانی آبادی (وہ نصف جس سے ہم طاقت اور خیالات حاصل کرتے ہین، وہ نصف جو ہمارے بچون کی ابتدائی تعلیم کی نگہبان ہے) عجیب و غریب تناقص کے باعث تمدنی سیاسی اور معاشرتی حیثیت سے مردون سے ہر حیثیت مین کم قرار دی گئی ہے اور سررشتۂ وحدت سے علیحدہ کردی گئی۔۔۔۔

.....

عورت کی آزادی مردون کی آزادی کے ساتھ عمل مین آنی چاہیئے"

خاندان کے بعد ملک کا درجہ ہے:-

"ملک سے محض ارضی رقبہ مراد نہیں، مخصوص زمین صرف اسکی بنیاد ہے۔ ملک سے مراد محبت اور ہمدردی کے جذبات ہیں جو اس علاقہ کے رہنے والوں کو ایک زندگی میں مربوط کیے رہتے ہیں..... ملک تعلقات کا نام ہے۔ مساوات کے بغیر کوئی ملک سچے معنوں میں ملک نہیں بن سکتا۔ جہاں ذات پات، خاص حقوق اور عدم مساوات کے وجود نے مساوات کا خاتمہ کر دیا ہو، جہاں بہت سے افراد کی طاقتیں یا تو دبائی جاری ہوں یا خوابیدہ پڑی ہوں، اس پر سچے معنوں میں ملک کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ ..... ان حالات میں افراد قوم نہیں بن سکتے بلکہ انھیں بھیڑ بھاڑ اور اژدحام یا مجمع کے لقب سے پکارا جائیگا جو بعض موافق حالات کے سبب ایک جگہ جمع ہو گیا ہے اور مختلف حالات کے پیدا ہوتے ہی ایک دوسرے سے جدا ہو جائیگا۔ ..... تمہارا ملک تمہاری عبادتگاہ ہونا چاہیئے جبکا کلس خدا ہو اور جہاں سب آدمیوں کا درجہ برابر ہو،

لیکن دوسری اقوام سے تعلقات قائم کرنے اور ان سے رشتۂ اتحاد پیدا کرنے سے پیشتر ہمیں قوم بن جانا چاہیئے۔ میزنی کہتا ہے کہ:-

"مساوی درجہ کے آدمیوں کے سوائے اور کسی سے تعلقات قائم نہیں ہو سکتے۔ ملک کے بغیر تم بے نام و نشان ہو، تمہاری کوئی آواز نہیں ہے، تمہارے حقوق صفر کے برابر ہیں اور تم بنی نوع انسان کی برادری میں داخل نہیں ہو سکتے۔ تم بنی نوع انسان کے نزدیک راندۂ درگاہ ہو..... تم ایسے سپاہی ہو جسکے پاس کوئی جھنڈا نہیں۔ تم یہودیوں کی مانند ہو[1]۔ تمہارے دھرم کی عزت ہو سکتی ہے اور نہ تمہیں کہیں پناہ مل سکتی ہے۔ تمہاری ضمانت کوئی نہیں کرے گا"

میزنی لوگوں کو بنی نوع انسان کا خدمت گذار بننے کی تعلیم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ "ان کا مذہب اقوام کی برادری اور بنی نوع انسان کا اتحاد" ہونا چاہیئے۔ اسکی رائے میں "یہ اصول وہ ہے جسے اگرچہ نظریہ کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے مگر عملی طور پر اسکی تکذیب کی جاتی ہے"

---

[1] یہ الفاظ پچاس ساٹھ سال پیشتر لکھے گئے ہیں لیکن موجودہ حالات میں دیہودیوں کے لئے یہ دیلون پر منطبق نہیں ہو سکتے۔ اب اگر یرد کی فیاضی (جسمیں ترکی حکومت کی شکست کو بہت بڑا دخل ہے) کے سبب نہیں فلسطین میں بنا گھر پانے کی اجازت ملگئی ہے۔ مالدار یہودی غریب یہودیوں کو وہ سے نکلوا کر اگر فلسطین میں لا رہے ہیں تاکہ جلد سے جلد یہودیوں کی آبادی اس ملک کی عربی آبادی پر غالب آجائے امید ہے کہ رفتہ رفتہ یہود لوگ ہندوستان کی کسی ریاست کی یاد شاہت بھی نصیب ہو جائے گی۔

میزنی انسان کے چند بنیادی حقوق کی تشریح کرتا ہے اور اُن میں سب سے بلند درجہ دماغ پر آزادی کو دیتا ہے:-

"بغیر آزادی کے اخلاق قائم نہیں رہ سکتے ..... بغیر آزادی کے کوئی جماعت بھی معمون میں زندہ نہیں رہ سکتی اسلیئے کہ آزاد آدمیوں اور غلاموں میں باہمی تعلقات قائم نہیں ہو سکتے بلکہ چند اشخاص کی حکومت دوسروں پر ہوگی۔ آزادی ہر تنفس کے واسطے ایک مقدس شے ہے اسلیئے کہ وہ اسی کی زندگی کی نمایندگی کرتی ہے۔ جہاں آزادی موجود نہیں ہوتی وہاں زندگی محض مادی مشین بن کے رہ جاتی ہے۔ جو آدمی اپنی آزادی کی توہین کرتا ہے وہ اپنی فطرت سے دغا کرتا ہے اور وہ خدائی فرمان کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔ ..... شخصی آزادی، نقل و حرکت کی آزادی مذہبی اعتقادات کی آزادی، ہر مسئلہ پر رائے دہی کی آزادی، ملنے جلنے کی آزادی، تاکہ تم دوسروں سے مل جل کر اپنے خیالات کو نشو و نما دیتے رہو، اُن تمام چیزوں کی تجدید کرنے کی آزادی جنھیں تمہارے دماغوں یا ہاتھوں نے پیدا کیا ہے۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جنھیں کوئی شخص بھی تمھارے ہاتھ سے نہیں چھین سکتا۔ ..... خدائے برتر نے تمہیں خیالات دیئے ہیں۔ کوئی شخص ان پر قابو نہیں پا سکتا اور خیالات کا مطلب یہ ہے کہ تمھاری روحیں اپنے بھائیوں سے بات چیت کر رہی ہیں اور یہی ترقی کا ایسا ذریعہ ہے جس سے ہم واقف ہیں۔ پریس کلیتہً آزاد ہونا چاہیئے۔ دماغی حقوق میں کوئی قوت مداخلت نہیں کر سکتی۔ ہر قسم کی سنسر شپ (احتساب) ظلم ہے۔ سوسائٹی صرف ان لوگوں کو سزا دے سکتی ہے جنھوں نے اپنے قلم کے ذریعہ جرائم کا ارتکاب کیا ہے، مثلاً خلاف اخلاق لٹریچر کی کھلم کھلا تعلیم دینا۔ اور اس کے لیئے ویسی ہی سزا مقرر ہونی چاہیے جیسی کہ دوسرے جرموں کے لیئے مقرر ہے۔ جو سزا سنجیدہ رائے عامہ کے ذریعہ دی جائے وہ انسانی ذمہ داری کا بہترین نتیجہ ہے اور ہر مداخلت جو پیشتر سے کیجائے وہ آزادی کی نفی پر دلالت کرتی ہے"

دوسرا بنیادی حق تعلیم کا حق ہے میزنی کے خیالات ملاحظہ ہوں:-

"تعلیم کے بغیر تم ٹھیک طور سے نیکی اور بدی میں تمیز نہیں کر سکتے تم ایسے حقوق کا بھی صحیح طریقہ سے اندازہ نہیں لگا سکتے۔ تم سیاسی زندگی میں وہ حصہ حاصل نہیں کر سکتے۔ جسکے بغیر تم حصول آزادی میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اسکے بغیر تمہاری دماغی اور جسمانی قوتیں خوابیدہ اور بیکار رہیں گی۔

اسلیئے تمہارا حق ہے کہ تم لازمی اور مفت قومی تعلیم کے نظام کے قیام کا مطالبہ کرو اور بالآخر اسے زبردستی حاصل کرلو۔"

الحاصل اسکی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی کے تمام افعال و اقوال خدائی قانون کے ماتحت ہونے چاہئیں۔ دنیاوی نظام روحانی اور اخلاقی قوت کے ماتحت رہنا چاہیئے اور یہ کہ جب کبھی کوئی حکومت اس نظام کو توڑنے یا اسکی خلاف ورزی کرنے کی کوشش کرے تو جماعت کا حق ہے کہ وہ اسکی مدافعت مین سینہ سپر ہوکر لڑے۔ وہ انسان کی آزادی پر بیحد زور دیتا ہے اور چونکہ وہ خود غلامی کے مزے لے چکا ہے اسلیے وہ نہایت شد و مد سے غیر ملکی حکومت کے خلاف یہ کہکر آواز بلند کرتا ہے کہ آقا اور غلام مین مساوی تعلقات قائم نہین ہوسکتے۔ وہ عورتون کو مساوی حقوق دینے کی تائید کرتا ہے اور ان کے موجودہ دماغی نقائص اور ذہنی جمود کو مردون کے تعصب اور ظلم کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ وہ بنی نوع انسان کو ایک خاندان تصور کرنے اور برادرانہ زندگی بسر کرنے کا مشورہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ کسی قوم کو کسی دوسری قوم پر ظلم کرنے یا اسے اپنے سے کمتر سمجھنے کا کوئی حق نہین اسکی خواہش ہے کہ دنیا مین تعلیم عام ہوجائے تاکہ سب لوگ نیک و بد مین تمیز کرسکین۔ وہ مزدورون کا حقیقی رفیق تھا اور ان کی جماعت کے متعلق اسکے خیالات نہایت اعلیٰ اور شریفانہ تھے۔

ہمدردی

"پیاری ماں" اگر مین تمہارا بچہ نہوتا، بلکہ ایک پرند ہوتا، اور اگر مین تمہارے کھانے مین حصّہ لینے کی کوشش کرتا، تو تم کیا منع کرتین اور کیا تم یہ کہکر ہٹا دیتین،

بھاگ جا! اے شریر پرند!!

پھر امان جان، مین تمہارے پاس کبھی واپس نہ آتا اور تمکو آرام سے کھانے کی اجازت دیتا

پیاری ماں، اگر مین تمہارا بچہ نہوتا بلکہ ایک سبز پوش طوطا ہوتا، تو کیا تم مجکو محفوظ رکھنے کے لیے قفس مین بند رکھتین، کیا تم اپنی انگلی سے اشارہ کرتی ہوئی کہتین "کمبخت ناشکرگزار پرندے، شب و روز قفس کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے،

پھر "اماجان، مین جنگل مین اڑ جاتا اور تمہاری آغوش مین ہرگز واپس نہ آتا۔

ترجمہ از ٹیگور — تماشائی بریلوی

میر مونس و سلطان عالیہ

محاکمہ

جناب افضل حسین ثابت لکھنوی نے حیات و میر من میر مونس اور سلطان عالیہ کے دو ہمطرح سلامون کا تقابل کرکے میر مونس کے سلام پر چند اعتراضات وارد کردیے ہین۔ سلطان عالیہ مرزا دبیر مرحوم کی شاگرد تھین اسلیے پروان انیس و مونس اس ادبی حملے کو برداشت نہ کرسکے۔ چنانچہ اُسکے جواب مین عبدالرسول صاحب شاکی نے ایک رسالہ شائع کیا جسمین میر مونس کے سلام کی بیحد تعریف و توصیف کی اور سلطان عالیہ کے کلام مین جا و بیجا نقائص نکالے، کچھ دنون بعد جناب محمد حسین صاحب خبیر شاگرد مرزا اوج لکھنوی نے جواب الجواب مین سلطان عالیہ کے کلام کو ترجیح دی اور میر مونس کے سلام پر از سر نو حملے کردیے،

اول اول تو یہ ادبی بحث تھی لیکن آخر مین صرف سخن پروری اور تعصب کی شان باقی رہ گئی، یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ اس قسم کی بحثین کبھی ختم نہین ہوتین لیکن جناب اثر نے ان تمام مباحث پر جو محاکمہ کیا ہے وہ درحقیقت قابل قدر ہے، ناظرین نامہ مضمون پڑھین اور فاضل انشا پرداز کے منصفانہ طرز تحریر اور بے لاگ فیصلے کی داد دین۔

ایڈیٹر

پہلے جناب شاکی نے ایک مضمون لکھا جسمین مونس مرحوم و سلطان عالیہ مرحومہ کے ہمطرح سلامون کا موازنہ کیا ہے اور بالعموم جناب مونس کو ترجیح دی ہے، اسکا جواب جناب خبیر نے تحریر فرمایا ہے۔ جناب شاکی کے برخلاف آنھون نے سلطان عالیہ کے کلام کو مجموعہ محاسن قرار دیا ہے اور کلام مونس کے معائب دکھانے کی کوشش کی ہے۔ جناب شاکی و جناب خبیر دونون نے

ذاتیات پر بھی حملے کیے ہین جنسے مجھے کوئی غرض نہین - میری یہ کوشش ہوگی کہ مونس و سلطان عالیہ کے سلامون پر نیک نیتی سے تنقید کرون اور اپنی راے ظاہر کرون کہ جناب شاکی و جناب خبیر کے کون کون اعتراضات بجا ہین اور کون بیجا - جو مزید محاسن یا معائب دونون شاعرون کے کلام مین نظر آئینگے وہ بھی درج کرون گا اس قلم فرسائی سے میرا منشا صرف ادبی دلچسپی ہے - مین جناب شاکی کا طرفدار یا جناب خبیر کا مخالف نہین -

سلطان - اب ہمارے لیے بیک ہوئی اے سلطان کربلا ہند سے جاتے ہین خراسان ہوکر

اس مقطع پر جناب شاکی کو یہ اعتراض ہے کہ (۱) اسوقت یا کسی وقت کربلا جانے کا وہی ایک راستہ نہ تھا جو بتایا گیا - اسلیے غلط اور ایسی تخصیص فضول ہے (۲) اگر اس مصرع (کربلا ہند سے جاتے ہین خراسان ہوکر) کا یہ ظاہر مطلب لیا جائے کہ بیک ہوئی اور اب ہم جاتے ہین یعنی عنقریب جانیوالے ہین یا بس اب جائین گے تو ہر موقع پر نظر کرکے ہند کا لفظ خلاف بلاغت یعنی بے محل سمجھا جائیگا - سلطان عالیہ ہند مین تو بیٹھی ہی ہوئی ہین - ظاہر ہے کہ یہین سے جائینگی - اسلیے ہند کا نام و ذکر بر محل نہین -

مونس - رہبری کی جو مقدر نے تو ہم لے مونس روضۂ شاہ پہ جائین گے خراسان ہوکر

جناب خبیر کا پہلا اعتراض لفظ رہبری پر ہے - آپ کے نزدیک اسکے بجاے یاوری مناسب تھا - دوسرا اعتراض لفظ "اُسے" پر ہے - فرماتے ہین کہ اسکے بجاے "بھی" زیادہ چست تھا - نیز یہ کہ شعرا اکثر تخلص بغیر لفظ "اُسے" کے مقطع مین لاتے ہین - ہان کبھی کبھی ضرورت شعری سے "اُسے" کا استعمال کرتے ہین - "بھی" سے ایک شان غیبت کی اس مقطع مین پیدا ہو جاتی یعنی اور تو جا رہے ہین ہم بھی جائینگے -

جن لوگون کے کان سدھے ہوے ہین اور ذوق سلیم رکھتے ہین وہ فوراً محسوس کرینگے کہ جو شکوہ الفاظ - جوش و خروش مونس کے مقطع مین ہے سلطان کے مقطع مین نہین پایا جاتا وہ پست اور بھدا ہے - یہ سوال انتخاب و تناسب و نشست الفاظ کا ہے اور اسکا تعلق دونون اشعار کی ظاہری خوبیون سے ہے - مونس کے شعر مین یہ راز پہلے مصرع کے لفظ ہم اور دوسرے مصرع کے لفظ خراسان مین سربستہ ہے کیونکہ یہی الفاظ اہمیت رکھتے ہین اور پڑھنے مین اسپر زور دیا جاتا ہے - جسکے سبب سے لفظ "ہم" مین معنوی پر تکلم نیان پیدا ہو گئین - استعجاب ظاہر ہونے لگا یعنی ہم جو مفلس ہین

ناوارہین، محتاج ہین، ہمارا منھ نہین جو ایسے عالی دربار مین گذر ہو۔ جناب خبیر فرماتے ہین کہ لفظ بھی سے شان غبطہ پیدا ہو جاتی ہین عرض کرتا ہون کہ شعر کی خوبیان خاک مین مل جاتین اور یہ زور جاتا رہتا۔ اور لوگ کربلا جاتے ہین ہم بھی جائینگے اسمین کیا خوبی ہے۔ چونکہ سفر کی اہمیت اور اسی کے ساتھ اسکی ممنون اور مشکلون کا دکھانا مقصود تھا اسلیئے ہمبری ہی مقدر کے ساتھ اس موقع پر مناسب ہے نہ کہ یاوری۔ ایک خوبی لفظ ہمبری سے یہ بھی پیدا ہوئی کہ مقدر جسکی برگشتگی مشہور ہے اگر مولا کا حکم ہوا تو ہمبر ہو جائیگا۔

سلطان عالیہ کے شعر مین لفظ اب وغیرہ کی جو خوبیان جناب خبیر نے بیان کین اُنسے مجھے انکار نہین۔ مگر اُنکا یہ فرمانا کہ میر مونس مقام بیم و رجا مین ہین اور سلطان عالیہ مقام قرب مین یہ انکی بزرگی ہے۔ اگر دونون شاعرون نے کیفیت حال بیان کی تو یہ ماننا پڑے گا کہ سلطان عالیہ مفر کربلائے معلی کی تیاریان کر رہی تھین اور میر مونس کو اُسوقت سفر کا مقدور نہین تھا یا اور موانع احق تھے۔ شوق زیارت دونون کو تھا۔ اگر یہ بات نہین تھی بلکہ محض ارادہ و اشتیاق کا اظہار ہے تو سلطان عالیہ کے شعر مین امر خلاف واقع بیان کیا گیا جو اشتیاق کو دیکھتے ہوے شاعرانہ حیثیت سے مذموم نہین اگرچہ تصنع ہے۔ میر مونس نے واقعیت کو ترک نہین کیا۔ لفظ لبیک کی بڑی استعمال پر جناب خبیر نے بہت زور دیا ہے۔ اسمین کلام نہین کہ برجستہ صرف ہوا مگر اُنکا یہ فرمانا صحیح نہین کہ اس لفظ نے میر مونس اور سلطان عالیہ کے مقطع مین زمین آسمان کا فرق پیدا کر دیا ہے میر مونس کا مضمون پامالی کا نمونہ ہے تو یہ مضمون جدت و معنویت کی بے نظیر مثال ہے۔ سلطان عالیہ کے شعر سے صرف اشتیاق زیارت ظاہر ہوتا ہے۔ میر مونس کے شعر سے اسکے علاوہ اپنی بے سر سامانی سے کی مشکلین۔ روضۂ اقدس کی عظمت بھی ٹپکتی ہے۔ اگرچہ سلطان عالیہ کے شعر مین بھی لفظ ہند کے مقابل سے کربلا کی عظمت ظاہر ہوتی ہے مگر اس خوبی اور قوت سے نہین جسمین میر مونس کے شعر سے۔ نہ یہ امر ضروری تھا کہ ہند سے نفرت کا اظہار کیا جائے۔ جب منزل مقصود کربلا ہے تو وہی مناسب ہوگا خواہ انسان ہند مین ہو یا کعبہ مین مگر اس سے یہ نتیجہ مستنبط نہین ہوتا کہ ہند (یا کعبہ ماذ اللہ) قید خانہ ہے۔

میری ناقص رائے مین جناب شاکی کے اعتراضات سلطان عالیہ کے شعر پر اور جناب خبیر کے

موئس کے شعر پر ہیجا ہین۔ دونون شعر معائب سے پاک ہین۔ اگرچہ موئس کے شعر کو اُن وجوہ سے مین نے عرض کیے ترجیح ہے۔

سلطان عالیہ لبِ دندان پہ سرِ شاہ کے دیکھی جو چھڑی بیبیان رنگین انگشت بدندان ہو کر

جناب شا کی اس شعر کے متعلق فرماتے ہین:۔ اول تو اس مصرعے (لب و دندان پہ سرِ شاہ کے دیکھی چھڑی) سے وہ کیفیت ظاہر نہین ہوتی جو قابل (شاعر) کا اصل مقصد ہے جب تک قبل سے علم نہو محض یہ مصرع مین بتا سکتا کہ کسنے چھڑی رکھی۔ وہ تماکون اور اُسکا یہ فعل کیسا تھا جب تک اُس بے ادب کا کنایتہً شارۃً ہی سہی نام و نشان نہ بتایا جائے دل پر اثر نہین پڑتا اور اسلیے مقصد پورا نہین ہو سکتا ایسے موقع پر شاعر کا تخاطب عام ہونا چاہیے یعنی وہ خواہ مخواہ یہ فرض نہ کرے کہ ہمارے مخاطب صرف وہ خواص ہین جو ہمارے بیان کردہ واقعے کا قبل سے اتنا علم رکھتے ہین کہ المعنی فی بطن الشاعر کو فوراً سمجھ لین۔ اگر کوئی کلام عام دلون کو بھی فوراً متوجہ نہ کر سکتا تو مطلب بھی فوت ہوا اور وہ اپنے رتبہ سے گر کر بلاغت سے بہت دور جا پڑا اس مصرع (لب و دندان پہ سرِ شاہ کے دیکھی جو چھڑی) مین اسی بلاغت کی وہ کمی ہے جسنے اس شعر کو ردی کر دیا۔ یہ مصرعہ اول ہے جسکے دندان ظاہر ہین اب دوسرے مصرعے (بیبیان رنگین انگشت بدندان ہو کر) مین پھر وہی دندان نمایان ہو گئے یہ بھونڈی صورت ہمارے قبلہ کو مرغوب ہو تو مبارک مگر ہمارا مذاق تو یہ دیکھتے ہی اسطرف سے منھ پھروا دے گا۔

لب و دندان اول تو ان دو لفظون (لب و دندان) مین سے کوئی ایک لفظ دونون معنی پر حاوی ہوتا اور مطلب و مفہوم کو روشن کر سکتا ہے یعنی اگر صرف لب کی لفظ لیجائے جیسے لب پر چھڑی رکھی تو مطلب ادا ہو جائے گا اسی طرح اگر خالی دندان بیان مین آئے یعنی دندان پر چھڑی رکھی تو مطلب پورا ہو جاتا ہے اسلیے لب اور دندان دونون کا بہ یک وقت اجماع بیکار اور کمزوری کلام کی دلیل ہے۔

لب و دندان پہ سرِ شاہ کے۔ یعنی شاہ کے سر کے لب و دندان پر۔ معنی کیا ہوئے۔ شاہ کے سر کا لب و دندان۔ شاید ذہن مین ہے کہ لب و دندان مجسم انسان کے کسی اور مقام پر بھی نمایان ہین جب تو سر کی قید کی جاتی ہے افسوس پھر زبان اور اردو کس درجہ درست ہے۔ لب و دندان

سرشاہ بھی کہا ہوتا تو خیز زبان ہی فصیح ہو جاتی۔

لب و دندان پہ سرشاہ کے دیکھی جو چھڑی

اس لفظ دیکھی سے واقعہ کا وقت معلوم نہیں ہوتا۔ یعنی چھڑی کس گھڑی رکھی گئی۔ آیا اہل حرم کے دربار (یزید) میں آنیکے قبل سے وہ چھڑی لب و دندان پر تھی اور ان مخدرات نے وہاں پہونچکر یہ سماں دیکھا یا ان بزرگوار کے دربار میں تشریف لانے پر انکے چھیڑنے کے لیے ایسی بے ادبی کی گئی۔ واقعہ تو یہ ہے۔ اسلیے شاعر کو واقعہ کے لحاظ کے علاوہ ایسے احساس کی تمیز ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن بیان کی کمزوری اور عجز طبیعت کے سبب اور اس لفظ دیکھی کے گرے ہوئے انداز کی وجہ سے اصل واقعہ کا پتہ نہیں چلتا۔

اسکے متعلق جناب خیر فرماتے ہیں۔

صرف لب کہنے سے وہ معنی ادا نہ ہوتے جو لب و دندان کہنے سے ادا ہو گئے۔ ایک تو روانی بغیر مسخ ہوئے نظم ہوئی دوسرے ایک لطیف اشارہ اہل نظر کے لیے اور پیدا ہوا اور وہ یہ کہ نقاد معترض بھی جانتا ہے کہ حسینؑ پر تین دن آب و دانہ بند رہا۔ آلات دغا کے چرکے دیتی ہوئی گرمی اثر کر چکی تھی۔ . . . مجھے تو صاف نظر آتا ہے کہ ایسی حالت میں سوکھے ہوئے ہونٹ بند نہ رہ سکے ہونگے چھڑی رکھی گئی تو ایک ساتھ لب و دندان تک پہونچ گئی۔ . . . .

نقاد معترض ہے کہ لب و دندان سرشاہ، کیا معنی۔ انکو کون بتائے کہ ہاں ہاں لب و دندان حصۂ سر ہی ہوتے ہیں مگر ع سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست، سلطان عالیہ نے لب و دندان سرشاہ کہکر ذہن سامع کو دلخراش و صبر گداز منظر کی طرف متوجہ کر دیا جو حد ظلم انتہائے شقاوت کی تصویر کا آئینہ ہے۔ شاہ کے لفظ سے جلالت و قدر امام حسینؑ کی طرف اشارہ ہے۔

اب دیکھی اور رکھی کا جھگڑا یکیا۔ یہ واقعہ ہے کہ رکھی سے برجستگی بڑھ جاتی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ محل کسکا متقاضی ہے۔ اور کونسا لفظ یہاں وسیع المعنی پڑتا ہے۔ رکھی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے اسیران اہلبیت کی دل آزاری کے لیے ایسا کیا اور دیکھی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا جانے کب سے یہ حالت تھی اور اہل حرم کو دربار شام میں اپنی فطری غیرت تعلیم رسول معاشرت خانہ سیدہ کے اثر نے کب اسکا موقع دیا کہ یزید یا اور افعال یزید پر انکی نگاہیں مرتسکین

پھر سید انیون کو اپنی بلند نظری کی وجہ سے اپنے ان دشمنون سے بھی یہ توقع نہ تھی کہ رسول اللہ کی بوسہ گاہ کے ساتھ ایسی سخت بے ادبی کرینگے جب خلاف امید ذرا طوق سنبھال کر ذرا گردن اُٹھا کر یہ ظلم دیکھا تو ع

بیبیان رگہیں انگشت بدندان ہوکر

رگہیں کا لفظ فصاحت کی جان بلاغت کا ایمان ہے۔

تکرار لفظ دندان کے جواب مین جناب خیبر نے خود میر مونس اور مرزا غالب کے اشعار پیش کیے ہین جناب شاکی کی اصلاح "لب و دندان سرشاہ پہ دیکھی جو چھری" مین جو زخم کا پہلو (پہلے) پیدا ہوتا ہے اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔

میر مونس نے اسی مضمون اور اسی قافیہ کو یون کہا ہے۔

لب شیر پہ رکھی جو چھری حاکم نے لوگ رونے لگے انگشت بدندان ہوکر

(مگر جناب شاکی نے دوسرا مصرع لفظ بلفظ وہی رکھا ہے جو سلطان عالیہ کا ہے۔ یعنے "بیبیان رگہیں انگشت بدندان ہوکر" اور پہلے مصرع مین بجاے حاکم کے ظالم لکھا ہے۔ چونکہ شعر جسطرح اوپر نقل ہوا مطبوعہ ہے لہذا مین فرض کرتا ہون کہ میر مونس نے (اسی طرح کہا)

جناب خیبر کا یہ اعتراض ہے کہ اگرچہ مصرع ثانی مین دو کیفیتین دکھائی ہین مگر خلاف واقع ضرور ہے۔ ابن زیاد یزید کے دربار مین رونے والے کون تھے، ایک بیچارے ابو برزہ اسلمی نے یزید کو اور زید ابن ارقم نے ابن زیاد کو منع کرنا چاہا تھا تو اُن دونون صحابیون کو مجلس سے بُری طرح نکلوا دیا۔

اب پہلے مصرع کی طرف آیئے۔ لب شیر کہدینے سے جلالت قدر امام حسین کی طرف کوئی اشارہ نہین۔ قیامت یہ ہے کہ لفظ حاکم سے (معاذ اللہ) یزید کے جبروت پر نگاہین پڑنے لگتی ہین جو کسی طرح میر مونس (مرحوم) کا مقصود نہین ہوسکتا۔ مگر بشریت کا کیا علاج آخر خدا اور بندے مین کوئی امتیاز چاہیے یا نہین۔

میری راے مین دونون صاحبون نے دونون اشعار کو بلا رورعایت سمجھنے کی کوشش نہین کی۔ دونون شاعرون نے ایک خاص واقعہ کو نظم کیا ہے اور جیسا جناب خیبر نے فرمایا

یہ دیکھنا چاہیے کہ روایت کے کن اجزا کو جو اہمیت ۔ کہتے ہین اور جن سے اصل واقعہ پیش نظر ہو جاتا ہے ۔ شاعر نے منتخب کیا اور کسنے نظر انداز کیا ۔

سُلطان عالیہ کہتی ہین

لب و دندان پہ سرشاہ کے دیکھی جو چھڑی ۔۔۔ بیبیان رگہیں انگشت بدندان ہو کر

میر مونس کہتے ہین

لب شبیر پہ رکھی جو چھڑی حاکم نے ۔۔۔ لوگ رونے لگے انگشت بدندان ہو کر

دونون اشعار کی تخئیل مین اتنا فرق ہے کہ سُلطان عالیہ نے یہ دکھا کر اثر پیدا کرنا چاہا کہ یزید کی اس شقاوت و بے ادبی سے اہلبیت اطہار کو کیا صدمہ پہونچا ۔ میر مونس نے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ یہ اس حد کی بے ادبی تھی کہ تمام حاضرین دربار باوجود یزید کے رعب کے اُسکے اس فعل سے اسقدر متاثر ہوے کہ عارضی طور پر اُسکا خوف دلون سے جاتا رہا بے اختیار رونے لگے اور حیرت و اظہار تنفر مین دانتون کے تلے اُنگلی دبالی ۔ ظاہر ہے کہ جب مخالفین کا یہ حال ہوا تو اہلبیت اطہار کی کیا حالت ہوئی ہوگی ۔ جب اُنھون نے اپنے والی کے سر پر یدہ کے ساتھ یزید کو ایسی گستاخی کرتے ہوئے دیکھا ہوگا ۔

میرے نزدیک تو یہ شعر جسطرح سُلطان عالیہ نے ادا جسطرح میر مونس نے کہا خوب کہا ۔ ایسے موقع پر اہلبیت اطہار کے دل کو وہ صدمۂ عظیم پہونچا کہ وہ انگشت بدندان رگہیں ۔ رقت سلب ہوگئی جو اپنے نہین ہین اُنھین بھی صدمہ ہوا ۔ لیکن اسقدر گہرا نہین لہذا وہ انگشت بدندان ہو کر رونے لگے ۔

دونون اشعار فلسفۂ جذبات کی بے نظیر مثال ہین ۔ نہایت سچی مصوری ہے ۔ البتہ سلطان عالیہ کے شعر مین ردیف کمزور ہے ۔ بیبیان انگشت بدندان رگہیں سے پورا مطلب ادا ہو جاتا ہے ہو کر کی ضرورت نہین رہتی ۔

جناب شاکی کے اعتراض کو مین نے بغور پڑھا ۔ کسی مین قوت نہین (۱) لب و دندان حسین پر چھڑی رکھنے والا کوئی بھی ہو یہ بے ادبی ایسی ہے کہ جو اُنکے رتبے سے واقف ہے متاثر ہوگا ۔ بے ادبی کرنے والے کی تخصیص سے سامع کے دل پر اثر مین کمی بیشی نہین ہو سکتی ۔ علاوہ برین

جسے اس واقعہ کا علم ہے فوراً سمجھ جائے گا کہ بے ادبی کرنے والا کون ہے۔

(۲) دوسرا اعتراض لفظ دندان کی تکرار پر ہے۔ ایسی تکرار بعض موقعوں پر کلام کی زینت کو بڑھا دیتی ہے اور بعض جگہ مانع فصاحت ہے۔ اسکے فیصلے کا اُصول یہ ہے کہ شعر کی نثر کی جائے اگر اُس لفظ کا خاص دُہرانا ضروری ہو تو درست ہے ورنہ غلط۔ اب سلطان عالیہ کے شعر کی نثر کیجئے تو معلوم ہوگا کہ لفظ دندان کی تکرار بُری نہین معلوم ہوتی۔

سرشاہ کے لب و دندان پہ جو چھڑی دیکھی بیبیان انگشت بدندان (ہوکر) رہگئین۔

اگر کہین سے لفظ دندان نکال دیجئے تو لطف جاتا رہتا ہے۔ بلکہ اگر صرف سرشاہ کے لب یا سرشاہ کے دندان کہیے تو کانون کو بُرا معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح جناب شاکی کا یہ اعتراض بیجا ہے کہ سر کی تخصیص کی کیا ضرورت تھی کیونکہ لب و دندان سوا سر کے اور کسی حصہ جسم مین نہین ہوتے۔ سرشاہ کہنے سے سلطان عالیہ نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سر پر نور جسم مطہر سے جدا ہو چکا تھا اس سے ایک دنیا جگر گداز واقعات کی پیش نظر ہوگئی۔ جناب خیر نے اس خوبی کی طرف اپنے جواب مین توجہ دلائی ہے مگر ضمناً۔

جناب شاکی کا یہ اعتراض بھی درست نہین کہ لفظ رکھی دیکھی سے بہتر ہے شعر جسطرح نظم ہوا دیکھی ہی چاہیے تھا۔ واقعہ کا وقت ایسی صورت مین معلوم کرنے کی ضرورت نہین نہ کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ جسوقت بھی مخدرات عظمیٰ نے لب و دندان مبارک پر چھڑی دیکھی دل پاش پاش ہوگیا تلمیح مین سب اجزا ظاہر نہین کیے جاتے نہ کیے جاسکتے ہین بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کی قوت تخیلہ پوری کرتی ہے۔

جناب خیر کے جو اعتراضات میر مونس کے شعر پر ہین وہ بھی میرے نزدیک درست نہین۔ دوسرے مصرع کے متعلق فرماتے ہین (لوگ رونے لگے انگشت بدندان ہوکر) گو اگرچہ دو کیفیتین دکھائی ہین مگر خلاف واقع ضرور ہین کیونکہ اُس دربار مین اہلبیت اطہار کا کوئی دوست ہی نہین تھا جو روتا۔ مگر میر مونس مرحوم نے یہ دکھایا ہے کہ اہلبیت رسول کی بیکسی کی یہ حالت تھی اور انپر ایسے ایسے مظالم ہوے کہ دشمن تک روئے۔ اور ظاہر ہے کہ یزید کے بھرے دربار مین دشمنون کی کمی نہین تھی۔

اُنکا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ صرف لفظ شبیر سے جلالت قدر امام حسینؓ کی طرف کوئی اشارہ نہین ہوتا مین کہتا ہون کہ کوئی ضرورت اشارہ کی نہین خود لفظ شبیر مین شان و شوکت صبر و استقلال کوٹ کوٹ کے بھرا ہے۔ اور اس خاص موقع پر امام مظلوم کی بیکسی دکھانی تھی۔ سطوت و جلالت کا محل ہی نہین تھا جناب خبیر کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ لفظ حاکم سے (معاذ اللہ) یزید کے جبروت پر نگاہین پڑتی ہین۔ اس لفظ سے دوسرے مصرعے کے اثر مین بیشی ہوتی ہے اور دونون مصرعے دست و گریبان ہو جاتے ہین۔ باوجودیکہ نعل ایسے شخص سے سرزد ہوا جو برسر حکومت تھا لوگون کے خوف کو بھول گئے اور امام مظلوم کی بیکسی پر رونے لگے۔ یزید کے قہر و غصہ کی پروا نہین کی۔ یزید کو حاکم اسوجہ سے کہا کہ امام کی مظلومی پوری قوت سے پیش نظر ہو نہ کہ معاذ اللہ یزید کا جبروت دکھانے کو۔

سُلطان عالیہ۔

بھرئی کہتے تھے انصار یہ خندان ہو کر عید قربان کی کرو، شاہ پہ قربان ہو کر

جناب شاکی کا یہ اعتراض ہے کہ عید قربان کی غلط عید قربان کہنا چاہیے

جناب خبیر اسکا یہ جواب دیتے ہین کہ مطبوعہ سلام مین دوسرا مصرع یون ہے

عید مقتل مین کرو شاہ پہ قربان ہو کر

ایسی صورت مین محض نزاع لفظی رہ جاتی ہے مگر جناب خبیر نے اسپر قناعت نہین فرمائی بلکہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عید قربان کی صحیح ہے۔ آپ فرماتے ہین کہ اگر بجائے فارسی اضافت کے ہندی اضافت دیدی تو کیا ستم ہوا۔ ایسا اکثر ہوتا ہے اور جائز ہے۔ افسوس کہ اُردو کی صرف و نحو مرتب نہین ہوئی لہذا اُصول پر بحث نہین ہو سکتی۔ مگر میری رائے مین فارسی کے ایسے الفاظ مین جو ہمارے کا حکم رکھتے ہین ردوبدل جائز نہین۔ مثلاً آفتاب لب بام۔ چراغ تہ دامن۔ کیا لب بام کا آفتاب۔ تہ دامن کا چراغ کہنا درست ہوگا۔ اسطرح اہل زبان و شعرائے عید قربان کہا ہے نہ کہ عید قربان کی۔ لہذا یہ تحریف جائز نہین۔ جب تک اسکی مثال مین کوئی شعر یا قول کسی مستند اُستاد کا پیش نہ کیا جائے۔ عید قربان کی کرو۔ اسمین کی کرو، کا قرب فصاحت مین خلل ڈالتا ہے۔ عید مقتل مین کرو شاہ پہ قربان ہو کر۔ اسطرح عید قربان کی طرف اشارہ بھی ہو گیا اور

تمام سقم دور ہو گئے۔ خواہ مصرع اس صورت مین سلطان عالیہ کا ہو یا کسی صاحب نے اصلاح دی ہو۔ عید قربان کی کروالنے سے بہتر ہے۔

یہان تک جناب شاکی کے اعتراضات اور جناب خبیر کے جوابات پر محاکمہ تھا۔

جناب خبیر نے اسکے علاوہ میر مونس و سلطان عالیہ کے پورے سلامون کی (باستثناء چند اشعار) تنقید کی ہے۔ اب مین تنقید پر ایک نظر ڈالون گا۔

سلام سلطان عالیہ مرحومہ

(۱) مجرئی کہتی تھی زینب یہی گریان ہو کر کیون بہن مر گئی بھائی پہ قربان ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ سیدھا سادہ مطلع ہے مگر سلام (اور مرثیہ) کے خصوصیات سے مالامال اسکا گریہ خیز ہونا ظاہر ہے۔

مین اس مطلع مین لفظ یہی کی خوبیون کی طرف توجہ دلاتا ہون۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ یہ صرف نہو سکا لہذا یہی موزون کر دیا مگر غور کیجئے تو "یہی" کا یہ مفہوم ہے کہ حضرت زینب بہم یہی فرماتی تھین کہ کیون بہن مر گئی بھائی پہ قربان ہو کر۔ جس سے ماتم کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ تصویر کھنچ جاتی ہے کہ حضرت زینب سر و سینہ کوٹ کر دوہتڑ مار مار کے یہ مین کر رہی ہین کہ کیون بہن مر گئی بھائی پہ قربان ہو کر مگر اُسی کے ساتھ یہ ضرور ہے کہ "مر گئی" کا مگر "یا قربان ہو کر" زائد ہے۔ نثر مین صرف اسقدر کافی ہوتا کیون بھائی پر بہن قربان نہ ہو گئی۔

(۲) مجرئی کہتے تھے انصار پہ خندان ہو کر عید مقتل مین کرو شاہ پہ قربان ہو کر

اسکے متعلق جو کچھ لکھنا تھا لکھ چکا۔ یہان صرف یہ عرض کرون گا کہ جناب خبیر کی یہ توجیہ بھی سراسر غلط ہے کہ اگر وہ عید قربان کہدیتین تو یہ مفہوم ہوتا کہ امام حسین پر قربان ہو کر عید قربان کرو حالانکہ یہ ہموقع بات تھی۔ یہ مفہوم کسی صورت مین پیدا نہین ہوتا کیونکہ عید قربان کے اہل شعور مجازی معنی لین گے یعنی خوشی نہ دراصل بقر عید منانا۔

زعفر جن نے کہا شہ سے جو قربان نثار حشر کو جاؤن مین جنت مین سلیمان ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ "معمولی شعر ہے رعایت کی جگہ جن اور سلیمان کی رعایت موجود اور واقعیت بھی تاراج نہین ہوئی۔ اس شعر مین بھی ایک لطیف معنی ہین۔ زعفر جنکے جوش خلوص کی طرف اشارہ

ہے۔ اُسے اسقدر جان نثاری کا شوق تھا کہ حضرت سے عرض کرتا تھا کہ مین آپ کی نصرت کرسکے آپ کو زیر بار احسان کرنا نہین چاہتا بلکہ اپنی عاقبت درست کرنا چاہتا ہون۔ جان نثاری مین میری غرض شامل ہے، ابتو اجازت دیدیجئے۔

(۴) لب و دندان پہ سرشاہ کے دیکھی جو چھڑی بیبیان رنگین انگشت بدندان ہوکر

اسکے متعلق لکھ چکا۔

(۵) اب تلک مرقد زینب سے یہ آتی ہے صدا ہائے مین شام گئی بے سروسامان ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ سلام کے لیے ایسے شعر سرمایۂ ناز ہوتے ہین۔ اسی شعر سے اُنکے اس اعتراض کا جواب ہوتا ہے کہ میر مونس نے امور خلاف واقع نظم کیے۔ کیا دراصل مرقد زینبؑ سے صدا آتی ہے؟ بات یہ ہے کہ شاعری مین جب تک جذبات کی چاشنی نہو وہ شاعری ہی نہین۔ البتہ جذبات صادق اور مناسب حال ہونا چاہئین۔

(۶) شمر سے کہتے تھے یہ گبر و نصارا افسوس قتل سید کو کیا تونے مسلمان ہوکر

جناب خبیر فرماتے ہین:۔ جناب فنا کی مسلمان کا قافیہ اس زمین مین یون باندھا جاتا ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۹

صفحہ ۹ مین میر مونس کا یہ شعر ملتا ہے

فوج اعدا سے کہا حُر نے زہے دینداری قتل کرتے ہو مسلمان کو مسلمان ہوکر

اسپر جناب خبیر کا اعتراض ہے کہ قاتل و مقتول ایک درجہ مین ہو گئے۔ حُر مرتبہ دان حسینؑ تھے یہ بے ادبانہ کلام اُنکے منسوب کرنا کوئی معمولی گناہ نہین۔ عجب نہین حضرت حُر قبر مین تڑپ اٹھے ہون اور یہی بحری کلام خاندان میر انیس مین مایۂ ناز ہے۔

مین نہایت ادب سے عرض کرونگا کہ یہ جناب خبیر کی سمجھ کا پھیر ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اے اہل کین تمھین مسلمان ہونے کا دعوی ہے۔ اسلام مین مسلمان کا قتل گناہ عظیم ہے اور حسینؑ تو پیشوائے اُمت ہین اگر انھین اپنا سردار نہین جانتے تو معمولی مسلمان ہی سمجھو اور اُنکے قتل سے باز آؤ۔ یہ موقع لعینون کو شرم اور غیرت دلانے کا تھا اور یہ مطلب اس اسلوب سے بہت خوب نظم ہوا سلطان عالیہ کا شعر ہرگز اس پایہ کا نہین۔ بالکل سیدھا سادہ ہے۔

(۷) لائے جبریل جو حضرت کو یہ زہرا نے کہا قتل شبیر پہ مین مہر کرون مان ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ یہ شعر جب میر مونس مرحوم کے شعر سے جسمین مان کا قافیہ بندھا ہی ملا کر دیکھے گا تو زمین آسمان کا فرق نظر آ رہا

میر مونس کا یہ شعر ہے۔

کہتی تھی بانوے بیکس کہ بتاؤ لوگو صبر کیونکر غم اکبر مین کرون مان ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہین کہ شعر معنون کے اعتبار سے اچھا ہے مگر شاعر نے لفظ بیکس سے کوئی فائدہ نہین اُٹھایا۔ سلطان عالیہ کا شعر اس سے کہین اچھا ہے۔ ارے صاحب! لفظ بیکس سے فائدہ کیون نہین اُٹھایا۔ جب شاعر اتنی صدیان گذر جانے پر بھی حضرت بانو کی مصیبت پر انھین بیکس کہکر اظہار تاسف کرتا ہے تو اُسوقت اُنکے مین سننے والون کا کلیجہ شق ہوتا ہوگا یا نہین دونون شعر اثر مین ڈوبے ہوئے ہین مگر چونکہ سلطان عالیہ کے شعر مین روایت کی طرف بھی اشارہ ہے لہذا مین اُسے ترجیح دیتا ہون مگر اس سے یہ مراد نہین کہ میر مونس کا شعر اُس سے پست ہے یا بُرا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ ہے کہ دونون مین زمین آسمان کا فرق ہے۔ دونون نے خوب کہا۔

(۸) خود غلط۔ قول پر اپنے نہ رہے ثابت آہ پرزے تن شہ کا کیا قائل قرآن ہو کر

جناب خبیر فرماتے ہین۔ قرآن کا قافیہ اس مضبوطی سے کہنا میر صاحب (مونس مرحوم) کو نصیب نہین ہوا۔

میر مونس کا شعر یہ ہے۔

سینۂ شہ پہ رکھا شمر نے زانو ہیہات پاس قرآن نہ کیا قائل قرآن ہو کر

اسکے متعلق جناب خبیر فرماتے ہین کہ سینہ، زانو، ہیہات مین رعایت ہے مگر شعر کی یہی کائنات ہے۔ مین عرض کرون گا کہ دونون "قرآن" اور قائل مین بھی رعایت ہے اور شعر کی محض یہی کائنات نہین بلکہ اسمین درد بھی ہے۔ انسان پڑھکر ہاتھ سے زانو پیٹ لیتا ہے۔ اب سلطان عالیہ کا شعر لیجئے۔ اسمین بھی رعایت لفظی کی بہتات ہے جو اُس زمانے کا رنگ تھا اور اُسی شوق مین بجاے قائم کے ثابت (پرزے کی رعایت سے) استعمال کیا گیا۔ حالانکہ قول کے ساتھ لفظ قائم بہ نسبت ثابت کے زیادہ موزون ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بھی خیال ہو کہ شعر مین صرف ق سے شروع

ہوئے دو اسے کئی الفاظ جمع ہوئے جاتے ہین جو فصاحت سے خارج ہین مگر مجھے تو یہ عیب نہین محسوس ہوتا بلکہ ایک خوبی پیدا ہو جاتی ہے پہلے مصرع مین قول پر قائم ہوا اور دوسرے مصرع مین اُسکا مقابل قائل قرآن۔

میر مونس کے دوسرے مصرع مین لفظ قرآن کی تکرار بھی کتنی پر لطف ہے۔

اسکا فیصلہ مذاق طبیعت پر منحصر ہے کہ کس شعر کو ترجیح ہے۔ مجھے میر مونس کا شعر اچھا معلوم ہوتا ہے ممکن ہے بہت میرے ہم خیال ہون بہت جناب خیر کے۔ مگر یہ ارشاد کہ میر مونس کو قرآن کا قافیہ اس خوبی سے کہنا نصیب نہین ہوا ہٹ دھرمی ہے۔

(۹) اب تلک گنج شہیدان مین کیتی ہے تبول پھر نہ آبادیہ گلشن ہوا ویران ہوکر

جناب خیر فرماتے ہین ویران کا قافیہ میر مونس مرحوم سے سنبھل نہ سکا سارے گھر ڈھیگئے کہکر ایک زبان کا خوبصورت لفظ ضرور رکھدیا مگر معنویت کا کعبہ ڈھا دیا میر مونس کا شعر یہ ہے۔

جانے خاک مین یہ کیسے بسانے والے سارے گھر ڈھیگئے سادات کے ویران ہوکر

جناب خیر فرماتے ہین "لفظ پرستی کا بھلا ہو سارے گھر ڈھیگئے فرمانے کی ضرورت نہ تھی۔ پہلا مصرعہ کڑی کمان کا تیر ہے"

جناب خیر کے مذاق سخن سے مجھے حیرت ہوتی ہے۔ اُس شعر کے متعلق جسپر زبان اُردو کو ناز ہونا چاہیے کیا فرماتے ہین۔ اور کیا قدر کرتے ہین۔ گھر ویران جب ہوئے جب مکین نہ رہے صرف یہی نہین کہ عارضی طور پر مکان خالی کیے بلکہ ہمیشہ کے لیے سدھارے۔ کسی نے مکانونکی خبر نہ لی اور مکان منہدم ہوگئے۔ پہلا مصرع بجاے خود ایک مرثیہ ہے اور تعریف سے مستغنی ہے۔ آپ فرماتے ہین کہ میر مونس سے قافیہ سنبھل نہ سکا۔ مین کہتا ہون کہ شاید اس سے بہتر اس قافیہ کو کوئی کہہ نہین سکتا۔ اسکے مقابلے مین سُلطان عالیہ کا شعر لکھتے ہوے شرم آنا چاہیے تھی جسکا پہلا مصرع تو بالکل سست ہے۔ گنج شہیدان کا گلشن سے استعارہ کیا ہے۔ گنج شہیدان کا ویران ہونا کیا اور ویران ہوکر آباد ہونا کیسا۔ گنج شہیدان کے ویران ہوکر آباد ہونے مین کون لطف اور کیا جدت ہے۔

ننگی تینین لیے خیمے مین جو آئے اعدا جا بجا چھپتے تھے اطفال ہراسان ہوکر

خوب ہے دراصل واقعہ کی تصویر کھینچی ہے۔

(۱۱) اس غریبی سے نمودقتل مسافر کوئی جیسے شہ ذبح ہوئے بے سروسامان ہوکر

بیشک گریہ خیز ہے

قطعہ

(۱۲) لاش اصغر سے پکاری یہ لپٹ کر بانو شاد مجھکو نہ کیا تمنے خرامان ہوکر

(۱۳) دودھ جو خشک ہوا ہوگئے دائی سے خفا باپ کا ساتھ دیا کشتۂ پیکان ہوکر

(۱۴) اب یہ حسرت ہے جو کوفہ کو نہ لیجائیں لعین بیٹھوں واری ترے لاشے پہ نگہبان ہوکر

جناب خیر فرماتے ہیں۔

اس قطعہ کو اہل دل سے پوچھیے۔ پہلا مصرع لاش اصغر سے پکاری یہ لپٹ کر بانو،، مان کی بیقراری کا نقشہ۔ دوسرا مصرع مان کی امیدوں اور تمناؤں کی تصویر۔ دوسرے شعر سے محلات شاہی کی زبان۔ شریف زادیوں کا طرز گفتگو چمک چمک کر نمایاں ہو رہا ہے۔ تیسرا شعر عجب حسرت بھرا ہے۔ مصرع اول غیرت داروں کے لیے نشتر۔ مصرع ثانی اولاد والوں کے لیے خنجر ہے۔"

قطعہ کے پہلے مصرع میں تعقید ہے جو یوں نکل سکتی تھی۔ لاش اصغر سے لپٹ کر یہ پکاری بانو تیسرے شعر میں یہ نہیں سمجھ میں آتا کہ کوفہ کیوں نظم کیا گیا۔ سامان تو شام لیجانے کا ہو رہا تھا مگر روایات پر مجھے عبور نہیں۔ میں نے محض اپنے شبہ کا اظہار کیا ہے۔

(۱۵) حال سادات پر بیساختہ رو دیتا تھا گر نکلتا تھا کوئی جانب زندان ہوکر

جناب خیر فرماتے ہیں۔ ایسے شعر جنت کا مول ہوا کرتے ہیں۔ لفظ نہیں رکھے ہیں انمول ہیرے جڑے ہیں۔ بیساختہ کا لفظ اس محل پر اپنا جواب ہی نہیں رکھتا۔ مجھے بالکل اتفاق ہے مگر جناب خیر لفظ گر، کی بلاغت نظر انداز کر گئے۔ ہائے لوگ زندان کی طرف سے گذرتے ہوئے عذر کرتے تھے۔ وہ ایسا وارفتہ تھا۔ اگر کوئی بھولا بھٹکا جا نکلا تو اسکے آنسو ٹپک پڑتے تھے۔

(۱۶) جو گدا بیٹھ گیا شاہ نجف کے در پر در دولت سے پھر اٹھا وہ سلیمان ہوکر

جناب خیر کہتے ہیں یہ شعر ویسا ہی معمولی ہے جیسا کہ میر مونس کا یہ شعر

دی یہ سائل نے صدا ایکے علی سے خانم لوگدا جاتا ہے مسجد سے سلیمان ہوکر

اس شعر مین لفظ "پھر" پر جناب خیر کو توجہ نہین ہوئی۔ اس سے یہ معنی پیدا ہوتے ہین کہ جو گدا اور شاہ نجف پر بیٹھ گیا وہان سے نہین اُٹھا (بے نیاز ہوگیا) اگر اُٹھا تو سلیمان ہوکر اُٹھا یعنی ایک جلیل القدر پیمبر کا رتبہ حاصل کرکے۔ جب بھی اس در کو نہ چھوڑتا اگر شان و شوکت دینوی پر مغرور نہو جاتا جیسا کہ حضرت سلیمان کے متعلق مشہور ہے کہ اپنا جاہ و حشم دیکھکر مسرور ہوے فوراً حکم خدا سے روح قبض کرلی گئی۔ لہذا یہ خوبی بھی پیدا ہوئی کہ در سے اُٹھا تو مرکر اُٹھا

(۱۷) اب ہمارے لیے لبیک ہوئی اے سلطان کربلا ہند سے جاتے ہین خراسان ہوکر

مین اسکے متعلق اپنی راے ظاہر کرچکا۔

اب وہ تنقید ملاحظہ ہو جو میر مونس کے کلام پر جناب خیر نے کی ہے۔

(۱) مجرئی بہتے ہین آنسو در غلطان ہوکر آبرو پائی ہے کیا چشم نے گریان ہوکر

جناب خیر فرماتے ہین کہ گریان اور غلطان قافیہ نہین ہوسکتے ایسا ہے آپ یہ تسلیم کرتے ہین کہ اگلے لوگ اسکا خیال کم کرتے تھے مگر جب میر مونس کے کلام مین بھی یہ عیب ہی تو دو سرون مین اور اُنمین وجہ امتیاز کیا رہی۔ یہ اعتراض صرف اُن لوگون کا منھ بند کرسکتا ہے جو میر مونس کو دنیا بھر کے شعرا سے بہتر سمجھتے یا کہتے ہون۔ مین ایسی بحث کو فضول سمجھتا ہون ایطا عیب ضرور ہے مگر شان اُستاد کی منافی نہین کیونکہ وہ بھی اُستاد مانے جاتے ہین۔ جنکے کلام مین ایطا موجود ہی

دوسرا اعتراض جناب خیر کا یہ ہے کہ در غلطان ہوکر بہنا کیا معنی۔ بہکر در غلطان ہوجاتے ہین صحیح۔ ڈھلنا۔ گرنا یا کچھ اور درست ہوسکتا ہے۔ مگر دلفریبی سے ہم آغوشی اب بھی نظر نہین آتی۔ مین عرض کرتا ہون کہ آنسو کے لیے بہنا درست ہے۔ پھر وہ در غلطان ہوکر بہے یا محقق آنسو کی شکل مین۔ اسمین کونسا زبان کا نقص پیدا ہوتا ہی بلکہ جسطرح مصرع نظم ہوا اسمین یہ خوبی پیدا ہوتی ہے کہ آنکھ سے بہنے کے بعد نہین بلکہ آنکھ ہی مین آنسو موتی بن جاتے ہین گویا آنکھون سے اشک نہین ٹپکتے موتی رستے ہین۔ (باقی آیندہ)

مرزا جعفر علیخان اثر لکھنوی

اقتصادیات مین ہندوستانی نقطۂ نظر

(گزشتہ سے پیوستہ)

ہمارے ملک اور دیگر ممالک مین فرق ہے، دوسرے ملکون مین گرانی فارغ البالی کی دلیل ہے - وہان کے ماہرین علم الاقتصاد کہتے ہین کہ گرانی نرخ سے پیداوار مین اضافہ ہوتا ہے، اسکا سبب یہ ہے کہ یہ ممالک زیادہ تر صنعتی ہین اور صنعتی پیداوار جتنی زیادہ مقدار و تعداد مین تیار کی جائے - آلہای مشینون کے استعمال کی وجہ سے صرفہ کم پڑتا ہے اور نفع کی زیادہ امید ہوتی ہے، اور مقدار و تعداد مین اضافہ کا خیال اُسوقت پیدا ہوتا ہے جب نرخ گران ہوتا ہے پس صنعتی ممالک کے لیے گرانی نرخ فائدہ مند ہے لیکن ہندوستان مین گرانی کا اثر نہایت خوفناک ہوتا ہے کیونکہ یہان صنعتی پیداوار کے بجاے زراعتی پیداوار زیادہ ہوتی ہے، اور زراعتی پیداوار مین اضافہ کرنے سے صرفہ زیادہ ہوتا ہے جسکا اثر نرخ پر پڑتا ہے، اور گرانی بڑھتی جاتی ہے، اور غلے کی گرانی کا اثر خوراک پر پڑتا ہے، خوراک کی کمی سے باشندون مین روز بروز جسمانی ضعف کے آثار نمایان ہوتے جاتے ہین -

تقسیم دولت علم الاقتصاد کے صیغہ "تقسیم دولت" پر جب ہم نظر ڈالتے ہین تو ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ یہان کی تقسیم پیداوار یا دولت کا مسئلہ دیگر ممالک کے اس قسم کے مسائل سے بالکل مختلف ہے - دیگر ممالک مین سرمایہ اور مزدوری دو متضاد چیزین ہین - وہان مسئلہ یہ درپیش ہے کہ موجودہ دولت یکسان طور پر سب مین تقسیم نہین ہے - کوئی حد سے زائد امیر ہے تو کوئی حد سے زیادہ مفلس مفلسی اور تونگری مین جو حد فاصل وہان ہے یہان نہین - اسکے کئی وجوہ ہین مگر سب سے بڑا اسکا سوشل نظام ہے جو انفرادی ہے جماعتی نہین جیسا کہ ہندوستان مین - یہان قانون وراثت اور جوائنٹ فیملی یا خاندان مشترکہ کی وجہ سے دولت کبھی چند افراد کے ہاتھون مین مجتمع نہین ہوسکتی -

بھی جمع بھی ہوئی تو خاندان مشترکہ مین جو تقسیم ہوسکتی ہے۔ پس یہان تقسیم دولت کے ضمن مین سوال صرف یہ ہے کہ جو دولت پیداوار کی شکل مین ہوتی ہے وہ کیونکر تقسیم کیجائے کہ پیداوار کا ہر فیکٹر جتنا اُسکو ملنا چاہیے حاصل کرسکے۔ اسی کے ساتھ دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیونکر تقسیم مین وہ نقصان نہ اُٹھانا پڑے جو بیشمار دلالون اور تاجرون کی تقسیم مین حصہ لینے سے سب کو اُٹھانا پڑتا ہے مبادلہ کی جو مشینری یہان ہے اور جو لاتعداد درمیانی لوگون پر مشتمل ہے وہ بہت ہی مضر و نقصان دہ ہے۔ اس معاملہ مین ہندوستانی تمنا یہ ہے کہ یہان بھی دیگر ممالک کی طرح امداد باہمی کی انجمنون کے ذریعہ مبادلہ اور تقسیم اشیا کا کام کیا جائے۔ ایک انجمن کے ممبر تھوک فروشون یا مال کے پیدا کرنیوالون سے مال خرید کر آپس مین بے سکتے ہین اور اسطرح جو بچت ہوا سکو جسطرح چاہین صرف کرسکتے ہین۔ اگر درمیانی تاجرون کا منافع مال کی بازاری قیمت سے نکال دیا جائے تو نرخ مین کماحقہ ارزانی ہوسکتی ہے۔ مگر ایسی انجمنون کے لیے ضروری ہے کہ امداد باہمی کے اصولون سے خوب واقف ہون اُنپر عمل کرنا اپنا عین فرض سمجھین اور انجمن کی ترقی مین اپنی ترقی خیال کرین۔ جو چیز خریدین وہ انجمن کے ذریعہ سے اور جو چیز فروخت کرین وہ بھی انجمن کے ذریعہ۔ اسطرح کاشتکارون کی انجمنین اُنکو بیحد فائدہ مند ثابت ہوسکتی ہین کیونکہ جہان اُنکو خرید کیا ہوا مال بازار سے ارزان قیمت پر ملے گا وہان فروخت کیے ہوے مال کی موجودہ سے زائد قیمت ملے گی کیونکہ ابھی تو اُنکو مال ایسے وقت مین ایسے لوگون کے ہاتھ فروخت کرنا پڑتا ہے جنکے وہ بے دام کے غلام سے ہوتے ہین۔

سرکار کا صنعت سے تعلق | آخری اہم مسئلہ یہ ہے کہ سرکار ہند کا صنعت سے کیا رشتہ ہونا چاہیے ہندوستانیون کا خیال ہے کہ ہندوستانی صنعتون کو جائگاہ مقابلون سے محفوظ کرنا چاہیے۔ موجودہ رائے کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ۱۹۲۰ء کی امپیریل لیجسلیٹو کونسل نے بہت زور سے یہ رائے دی تھی کہ ہندوستانی صنعتون کے بچانے کیلیے محفوظ تجارت کا اصول برتنا ضروری ہے جسمین صرف یہ استثنا ہو کہ برٹش ایمپائر کی تجارت کے ساتھ ترجیح کا اصول کام مین لایا جاوے گا۔ جدید فارم ایکسچینج سرکار ہند سے ظاہر کرتی ہے کہ ہندوستان کو مالی معاملات مین یہ خیال ہے کہ اپنا زرخانہ جنگی بحری جسطرح چاہے مرتب کرے۔ گذشتہ کونسل نے انگریزی کپڑے پر

محصول بڑھا دیا - اسپر سرکار اور پبلک کے نمایندے دونون متفق تھے مگر لنکاشائر والون نے بڑا واویلا مچایا جسپر پارلیمنٹ مین انکو یہ جواب دیا گیا کہ رفارم کی رو سے گورنمنٹ انگلستان اس معاملہ مین دخل دینے سے معذور ہے - سکریٹری آف اسٹیٹ ہند نے بھی لنکاشائر اور مینچسٹر کے وفود کو اسی طرح کے دندان شکن جواب دیے - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ہندوستان کا اسمین فائدہ ہے کہ کسی مال پر محصول لگائے اور پبلک اور گورنمنٹ دونون اس بات پر متفق ہین تو سکریٹری آف اسٹیٹ ہند یا پارلیمنٹ کسی کو دخل دینے کا حق نہین - ابھی تک لنکاشائر والون کی رائے سے سوتی کپڑے پر محصول لگایا جاتا تھا اور سرکار ہند اپنی مرضی کے خلاف بھی کارروائی کرنے پر مجبور ہوتی تھی اور کئی دفعہ ایسا ہوا مگر اب ایسا ناممکن ہوگیا ہے اور یہ رفارم کی سب سے بہتر قسط ہے -

اسکے بعد صنعتون مین سرکاری امداد کا سوال ہے ہندوستان کو جو امید ہے اسکو سکریٹری آف اسٹیٹ ہند نے اپنے مراسلہ مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۱۹ء مین بہت خوبی سے ظاہر کیا ہے - انکے الفاظ یہ ہین کہ "بلاشبہہ گورنمنٹ ہند کو ملک کی صنعتی ترقی مین پرجوش حصہ لینا چاہیے - سرکاری امداد مختلف صورتین اختیار کرسکتی ہے مثلاً تحقیق اور تجسس کا کام - فنی ذرائع و وسائل کی جانچ ٹیکنکل اور سائنس کے اصولون پر اصلاح و مشورہ - تعلیم کے وسائل بہم پہونچانا - تجارتی اور صنعتی معلومات بہم پہونچنے کا انتظام کرنا - کارخانے اس منشا سے قائم کرنا تاکہ عوام کو کسی خاص صنعت کی طرف رجحان ہو اور اسکو کامیابی کے ساتھ چلانے کا عینی ثبوت ملے

گورنمنٹ کو جن چیزون کی ضرورت ہوتی ہے انکا ہندوستان ہی مین خرید کرنا - چاہے یہ معمولی طریقہ مین ہو یا چاہے اس بات کی گارنٹی کرکے ایک مدت مقررہ تک مال لیا جاویگا - غالباً مالی تجاویز بھی مثلاً محصول درآمد و برآمد لگانا اسمین شامل ہین - اسکی کئی مثالین ابتک مل چکی ہین - ایک تو شکر پر محصول کا اضافہ - دوسرے خام چمڑے کی برآمد پر ۱۰ فیصدی کا محصول حالانکہ اسمین ایک بات یہ ہے کہ اگر چمڑا برٹش ایمپائر کے ممالک کو جائے تو ۱۰ فیصدی کی واپسی ہو - اسکے علاوہ گزشتہ بجٹ مین شکر کے محصول مین اور اضافہ ہوا ہے - اسکے علاوہ سگرٹ اور شراب وغیرہ کے محاصل پر بھی بیشی ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہمارے نمایندے

کونسلون مین اپنا فرض ادا کرین تو ہندوستان کی صنعتی ترقی مین کوئی رکاوٹ حائل نہین ہوسکتی

مغرب کی تقلید یا اپنی تائید اقتصادیات ہند کی تحت مین یہ بات بھی غور طلب ہے کہ ترقی کیونکر ہوسکتی ہے۔ مغرب کی تقلید مین یا اپنے پرانے طریقون کی تائید مین۔ ایک طرف تو یہ حال ہے کہ کام چھوٹے پیمانہ پر ہوتا ہے چھوٹے چھوٹے کارخانے ہین جسمین کہ صرف خاندان یا گھر کے آدمی اور چند مزدور پیشہ شامل ہین۔ دستکاری یعنی ہاتھ سے کام کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ سرمایہ بہت کم ہے اور کام کرنے والے خود ہی بناتے ہین اور خود ہی اسکو فروخت کرتے ہین۔ دوسری طرف یعنی مغرب مین حال یہ ہے کہ کام بہت اعلیٰ پیمانہ پر ہوتا ہے مشینری سے مدد لیجاتی ہے سرمایہ لاتعداد لگایا جاتا ہے۔ بڑے بڑے کارخانے ہین جنمین ہزارون کی تعداد مین مزدور کام کرتے ہین۔ ہر کام مشین سے ہوتا ہے اور صرف مشین کی نگرانی یا چند مختصر کام مزدوران کے ہوتے ہین۔ مہتمم کارخانہ تیار شدہ مال کو ایجنٹون کے ذریعہ سے فروخت کرتا ہے۔ انکے یہان ت نئے طریقے ایجاد ہوتے ہین اور کل دنیا کا ساز وسامان خام مال کی شکل مین انکو بہم پہونچ سکتا ہے اور انکا تیار کردہ مال دنیا کے چپے چپے مین پہونچتا ہے اسلیئے وہ مال کو بہت زیادہ مقدار مین تیار کردیتے ہین اور شرح منافع کم لگانے پر بھی لاکھون کے وارے ہارے کرتے ہین۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دولت سمٹتی چلی آتی ہے اور مفلس اور تونگر طبقہ مین ش کمش بڑھتی چلی جاتی ہے۔

ہندوستان مین ایک طبقہ کا خیال ہے کہ اگر ہندوستان صنعتی لحاظ سے ترقی کرسکتا ہے یورپ کا طریقہ اختیار کرکے جسمین کام بڑے پیمانہ پر کیا جاتا ہے۔ ایک لحاظ سے یہ خیال د رتی ہے کیونکہ جب ہم دیکھتے ہین کہ ہم مفلس ہین اور مغرب تونگر تو ہمارا یہ خیال ہونا واجبی ہے کہ اس تونگری کی کنجی کچھ انکے طریقہ کار مین ہے اور اسی اصول پر ہندوستان سے افلاس ر ہوسکتا ہے دوسرا طبقہ جس نے مغرب کے طریقون کی ٹرکو یک سے جانچ کی ہے۔ وہ کہتا ہے ودتمندی کے لحاظ سے چاہے مغرب کا طریقہ برتر ہو مگر اخلاقی خیال سے اسمین چند سخت ائیان پیدا ہوجاتی ہین۔ انکا ظہور ہندوستان مین بھی ہونا شروع ہوگیا ہے۔ یورپ اور

امریکہ مین سرمایہ دارون اور منتظمین صنعت ایک طرف اور مزدور پیشہ جماعت دوسری طرف انمین سخت ان بن ہے۔ یہی صورت یہان بھی پیدا ہوچلی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ٹھنڈے دل سے اسپر غور کرین کہ وہ کونسا طریقہ کار ہے جسکے ذریعہ سے افلاس بھی دور ہوسکے اور ہم ان برائیون سے بھی بچ سکین

یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ پرانی صنعتون کو از سر نو زندہ کرنا اور پرانے انتظام کے طریقہ کی تجدید کرنا فیکٹری سسٹم کے مقابلے مین لوہے کی دیوار سے سر ٹکرانا ہے اسکا نتیجہ سوائے ناکامیابی کے اور کچھ ہو نہین سکتا۔ اسکے جواب مین صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب تک کوئی کام سرانجام نہ پاجائے اسکو ناممکن ہی کی فہرست مین شمار کرتا رہے۔ ہندوستان سے صنعتون کے لیے بھی سرمایہ مل سکتا ہے۔ اور بیشمار کمپنیون کے اجرا نے اسکو پایۂ ثبوت تک پہونچا دیا ہے۔ اسی طرح جب تک ہمکو انگریزی مال پر چنگی لگانے کے لیے آزادی نہ تھی اُسوقت تک آزادی کا ملنا ناممکن خیال کیا جاتا تھا مگر جب سے ہمنے لنکا شائر کے مال پر اپنے یہان کے مال سے زیادہ چنگی لگادی یہ تسلیم کیا جانے لگا کہ رفارم نے ہندوستان کو مشکل آزادی عطا کردی ہے اور چنگی کے معاملہ مین دست اندازی کرنا رفارم کو رد کرنیکے برابر ہوگا۔ جبتک ہندوستانی گورنر نہین ہوا تھا اُسوقت تک کسی ہندوستانی کا اس عہدہ پر متمکن ہونا خلاف عقل معلوم ہوتا تھا پس ناممکن کا تو سوال ہی فضول ہے۔ اگر باقاعدہ اور استقلال کے ساتھ کوشش کیجائے تو کوئی وجہ نہین ہے کہ چھوٹے پیمانہ پہ کام ہوتے ہوئے بھی ہماری پرانی صنعتین از سر نو زندہ نہوجائین اور وہ اتنی مقتدر ثابت نہون کہ بڑے پیمانہ پر کام کا مقابلہ کرسکین۔ چھوٹے پیمانہ پر کام کرنیوالون کے نقائص یہ ہین۔ اول اُن کو معلومات نہین ہوتی۔ دوم انکو مناسب تربیت نہین ہوتی کہ ترقی یافتہ طریقون پر کام کرسکین یا اسطور سے کام کرین کہ محنت کم پڑے اور کام کا ماحصل زیادہ ہو۔ سوم سرمایہ کی کمی اور چہارم پریس کے اُصولون اور طریقون کی عدم موجودگی۔

یہ اوپر دکھلایا جاچکا ہے کہ گورنمنٹ ہند نے ہندوستانی صنعتی ترقی مین سرگرمی سے حصہ لینے کا فیصلہ کیا ہے یہ کیون؟ یہ ایک دوسری بحث ہے مگر مجملاً یہان پر یہ عرض

کرو نیا ضروری ہے کہ دنیا کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے دوسری جنگ ہو جسمین سرکار کو بھی حصہ لینا پڑے اور گزشتہ جنگ کی بہ نسبت ذرائع آمد و رفت مین ہندوستان اور انگلستان کے درمیان دشمنون کے بندش کامیاب ہو تو اس حالت مین ہندوستان کو ایسا ہونا چاہیے کہ کل سامان جنگ طیار کرنے کے قابل ہو تاکہ جنگ کو کامیابی کے خاتمہ پر پہونچا سکے اور بغیر صنعتی ترقی کے کسی ملک کو یہ بات حاصل نہین ہو سکتی - غرض ہندوستانی گورنمنٹ نے فیصلہ کیا ہے کہ ہندوستانی صنعتی ترقی کی نشو و نما کیجائے پس اُسکے لیئے بہت آسان ہے کہ چھوٹی صنعتون کے مالکون اور کام کرنے والونکو جدید سے جدید طریقون اور اوزارون کا علم بہم پہونچائے اور جہان ضرورت ہو اُنکی ترتیب کے لیئے سہولتین پیدا کرے - چھوٹی صنعتون کی قومی اہمیت کو دیکھتے ہوئے گورنمنٹ سے یہ امید کرنا مصلحت وقت ہے اور اسطرح پہلا اور دوسرا نقص مٹ سکتا ہے - تیسرے اور چوتھے نقص بہت آسانی سے اسطرح دور ہو سکتے ہین کہ صنعتون کو امداد باہمی کے اصول پر چلانیکا بندوبست کیا جائے - یہ اغلب ہے کہ ہندوستان مین جہان مزدوری اور ملکو نکے مقابلہ مین سستی ہے ممکن ہے کہ امداد باہمی کے اصولون پر کام کا انتظام کرنیسے چھوٹی صنعتین بڑے صنعتونکے مقابلہ مین اور انسانی طاقت بمقابلہ مشین کی طاقت کے سربرہون اگر مناسب رہبری اور گورنمنٹ کی مدد شامل حال رہے - اگر ہم بجائے انسانی طاقت کے کام کرنے کے اپنے مزدورون اور پیشہ ورونکو مناسب قیمت کے موٹر مہیا کر سکین جنمین نقصان کا کم امکان ہو تو بڑے بڑے سرمایہ دارون اور بڑے بڑے اسٹیم انجنون کا مقابلہ کر سکتے ہین اور نہ صرف ہمارے دیہی اور گھریلو صنعتین بار آور ہو سکتی ہین بلکہ ہم اس قابل ہو سکتے ہین کہ بڑے پیمانہ پر صنعتون کے بجائے چھوٹے پیمانہ پر کامیابی کے ساتھ صنعتین چلا سکین اور بڑے پیمانہ والی صنعتون کا مقابلہ کر سکین - مغرب ہی مین اس کامیابی کا راز کھلا ہے - وہان تیل یا گیس یا بجلی کے ایسے انجن موجود ہین جنکی مدد سے چھوٹی صنعتین بام کامیابی پر قدم رکھ سکتی ہین اور جو ہمارے یہان کے صنعتون کے مناسب حال کام دے سکتے ہین -

اقبال بہادر سکسینہ

روح ادب

اگر شاعر کو ہم کسی تاویل سے (اصطلاحات فلسفہ کا تمام احترام ملحوظ رکھتے ہوے) مُدرک کہہ سکتے ہین تو یقیناً شعر کو مظہر ادراک و نتیجہ احساس ماننا پڑے گا۔ یا زیادہ سے زیادہ بلیغ انداز مین یہ کہنا پڑے گا کہ شعر نام ہے "بصارت کا بصیرت مین منتقل ہو کر الفاظ سے ظاہر ہو جانے کا"، ہر چند یہ شاعر و شعر کی جامع حد نہین ہے جسے کوئی فیلسوف بغیر کسی برہمی کے سُن یا دیکھ سکے۔ لیکن محض سمجھانے کے لیے اسقدر کہدینا غالباً مفید علم و یقین ہوگا۔

بہرحال وہ شخص جو مطالعہ فطرت کا خوگر نہو، اور جس حالت انہماک و استغراق مین اپنی وجدانی کیفیت کا اظہار الفاظ کے ذریعہ سے نہ کر سکے۔ وہ یقیناً حقیقی شاعر نہین ہو سکتا۔

غرض یہی ہے وہ امر بالامتیاز جو فطرت اور فن کی شاعری کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیتا ہے اور یہی ہے معیار جسکو پیش نظر رکھکر ایک شاعر کے کلام پر تنقید کی جا سکتی ہے۔ پھر ایک شاعر جسقدر زیادہ اپنے صحیح و عمیق جذبات فطرت سے متعلق کریگا اُسی قدر وہ مدارج شاعری کے لحاظ سے کامیاب، بالغ نظر، نکتہ شناس، یا حقیقی شاعر سمجھا جائے گا۔

یہ تو بیان ہوا غیر صنعی شاعر کا جس سے شعر کی ابتدا ہوئی۔ اور غالباً اسی پر اختتام ہوگا۔ اب رہی آرٹ کی شاعری، اور اسکے اُصول، یقیناً وہ بھی بیکار چیزین نہین، البتہ صرف اُنکا حصول شاعری نہین اور نہ ایک شخص اُنکے وقوف سے شاعر بن سکتا ہے۔ جبتک قدرت خود اُسے شاعر نہین پیدا کرتی اور جب قدرت شاعر پیدا کر دیتی ہے تو اسمین شک نہین کہ پھر وہ اپنے کلام کو بہت بلند بنا سکتا ہے۔

جب انھین اصول کو پیش نظر رکھکر ہم روح ادب کا مطالعہ کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جوش واقعی فطرت کی طرف سے نہایت ذکی الحس۔ متاثر قلب اور ذہین دماغ لیکر

آئے ہین - اور انھین شاعر ہونے کی کافی اہلیت موجود ہے -

روح ادب مجموعہ ہے جناب جوش کے نظم و نثر کا - یہ کتاب حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم کی رائے سے شروع ہوئی ہے اور اسکے بعد جناب نثر کا تبصرہ ہے - میرے نزدیک اس نوع کا تبصرہ یا تقریظ و تقریظ صرف اُن کتابون کے لیے ضروری ہے - جنھین اصول تجارت پر شائع کیا جاتا ہے یا پھر اُن مصنفین کو ضرورت ہوتی ہے جنھین اپنی تصنیف پر اعتماد نہین ہوتا - اور شاید جوش صاحب کے لیے ان دونون مین سے کوئی بات اس تمہید و توصیف کی مقتضی نہ تھی - اور اگر واقعی جوش صاحب کا کلام ایسا نہین ہے تو صرف حضرت اکبر الہ آبادی یا حضرت نثر لکھنوی کی تعریف اُسے مقبول نہین بنا سکتی البتہ مقدمہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے مگر وہ بھی صرف اس حد تک کہ مصنف کی سیرۃ ضبط تحریر مین آجائے لیکن افسوس ہے کہ رفیع احمد صاحب اپنے حدود سے بہت متجاوز ہو گئے ہین اور انھون نے جناب جوش کے کلام پر تنقید کر کے مقدمہ کی حقیقی روح کو ضائع کر دیا -

اس مقدمہ کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے اور سب سے پہلے انتساب کی عبارت نظر آتی ہے جسمین جوش صاحب نے نظم کی سی نزاکت قائم رکھنے کی بہت کوشش کی ہے - الفاظ خوب چھنے ہین لیکن اظہار مطلب کے لیے موقع و محل کے لحاظ سے جن الفاظ کی ضرورت تھی وہ جوش صاحب فراہم نہین کر سکے اور نہ بیان کا وہ عجز باقی رہ سکا ہے جو اس نوع کی تحریر اور مناظر فطرت سے تخاطب کے لیے ضروری ہے -

نثر بظاہر نظم سے زیادہ وسیع ہے اور اسمین ہر طرح کے جذبات و تاثرات کا آسانی کے ساتھ بیان ہو جانا ممکن ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نثر مین شاعری کرنا نظم سے زیادہ دشوار ہے - اسکے لیے غیر معمولی کیفیت اپنے اوپر طاری کر لینے کی ضرورت ہے جو بہت مشکل سے پیدا ہو سکتی ہے - تہدیہ کی عبارت یہ ہے -

اے صبح صادق - اے عروس فطرت - مین اس ناچیز تصنیف کو تیرے نورانی قدمون سے مس کرنے لایا ہون - اسے قبول کر - اگر تو نہ مسکرائی تو کارخانۂ قدرت مین غور

کرنے والا شاعر لوح محفوظ کا مطالعہ کبھی نہ کرسکتا۔ اور نہ شاہد معنی کا رخسار ہی دیکھ سکتا۔

اسمین صادق۔ ناچیز۔ کارخانہ۔ شاہد معنی۔ رخسار۔ وہ الفاظ ہین جنھون نے بہت عمومیت پیدا کردی۔ کاش جوش صاحب اس عبارت مین اور بلندی پیدا کرتے۔

نثر کے تمام مضامین مین جوش صاحب نے ٹیگور کا تتبع کرنے کی کوشش کی ہے اور غالباً اسی اکتساب لذت کے اصول پر جو غالب کو "سعی بے حاصل" سے ہو جاتی تھی۔

کتاب کی ترتیب اسطرح کی گئی ہے کہ سب سے پہلے نثر ہے۔ اسکے بعد نظم، پھر غزلیات اسکے بعد سیر گل۔ آئینے اور ستارے کے ماتحت اشعار ہین اور پھر تازہ پھول کے عنوان سے چند اور اق نثر کے ہین اور اسکے بعد پھر پانچ نغمہ کے تحت مین اشعار ہین۔ اسپہلے یہ کہنا ذرا مشکل ہے کہ اس ترتیب مین کن اصول کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ نثر مین بیش بہا موتی خوب ہے

(۱) خوشی کے پھول کو زیادہ پیار نہ کر۔ ورنہ دب کر اسکی پنکھڑیون سے غم کا عرق ٹپک پڑے گا۔

(۲) مہ رخون کی سخت مزاجی اور حسینون کی سخت دلی نے یہ بات مجھپر واضح کردی کہ حسن کے نقش و نگار ہمیشہ پتھر ہی پر کھودے جاتے ہین۔

اسکے علاوہ۔ عجیب شیرینی۔ شاید وہ آجائے۔ جنگ کا باعث۔ عقلین سلب، بدترین اذیت وہ ٹکڑے ہین جن سے جوش صاحب کے ذوق فطرت پرستی کی نسبت منصفانہ تبصرہ کرنے والا اچھی رائے نہ قائم کرسکے گا۔

نظم کا حصہ، ترانۂ بیگانگی سے شروع ہے اور برق عرفان پر ختم ہوا ہے۔ اس حصہ مین تمام تر وہ جذبات ظاہر کیے گئے ہین جنکا تعلق فطرت و مناظر فطرت اور اسکی حقیقت سے ہے اسمین اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ اپنی عدم دلچسپی اور فطرت کے دوام قیام کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار ہو جائے۔

نگر یہ مسرت ایک ہندی دوہے کا ترجمہ ہے۔ جوش صاحب کو فٹ نوٹ مین ظاہر کردینا چاہیے تھا

خیالات زین بہت خوب ہے۔

ارمان بہت ہین کم کردے ہستی پہ نہین اک غفلت ہے
آغاز سراپا دھوکا ہے، انجام سراسر عبرت ہے

کتنی اچھی تخیل ہے اس سے جوش صاحب کے اس تعلق کا اظہار ہوتا ہے جو انکو فطرت کے ساتھ ہے طوفان بے تابی کے عنوان سے ایک نظم ہے اسمین ایک شعر ہے

باغ عالم پر نظر کر غور سے — دوست کے پہلو سے آئی یہ صدا

ایسی صدا کاش جوش صاحب کے ہی پہلو سے آتی اور وہ خود ہی اس حقیقت کو سمجھ لیتے تو شعر بہت بلند ہو جاتا۔

آخری حصے مین پھر نظمین ہین۔ اور انمین ہماری سیر۔ رعشہ پیری خاص طور سے قابل ذکر ہین۔

وہ نظر ڈالتے ہین لہر دن پہ — اور ہم تہ مین ڈوب جاتے ہین
گھر پلٹتے ہین وہ ہوا کھا کر — اور ہم زخم کھاکے آتے ہین

پاکیزہ اشعار ہین۔

رعشۂ پیری مین

نگہ بے نور ہو کر رات کا منظر دکھاتی ہے — تنفس آہ بھرتا ہے قضا لوری سناتی ہے
ضعیفی کا یہ رعشہ جس سے جنبش مین ہین اعضا — یہ ہے دراصل کیا کچھ عقل مین یہ بات آتی ہے
یہ ہے اک پالنا ڈوری ہلاتی ہین گہین جسکی — یہ اک جھولا ہے جسمین زندگی کو نیند آتی ہے

یہ ایک ہی بند مین ہے۔ اور حقیقت مین بہت خوب ہے۔ خاصکر آخری شعر تو قطعاً غیر فانی ہے۔

نظم کے دوسرے حصے مین غزلیات ہین۔ جوش صاحب نے انکو بھی نظم ہی کے رنگ مین پیش کرنا چاہا ہے مگر میرے نزدیک یہ ایک اصولی غلطی ہے تغزل کا رنگ بالکل علحدہ ہے۔ اور اسکو دوسری نوع کی شاعری مین شامل کر دینا کسی طرح مناسب نہین۔ تاہم یہ یقینی ہے کہ جس حد تک تغزل کا تعلق ان اشعار سے ہے۔ جوش صاحب بہت کامیاب ہوے ہین۔ بعض مقامات پر انھون نے نہ صرف سلیقہ سے کام لیکر دوسرون کے جذبات اپنے کرکے دکھا دیے ہین۔ بلکہ انمین ندرت و جدت بھی پیدا کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہون۔

واے قسمت دل بھر آیا ہونٹ تھرانے لگے — ہو چلا تھا کچھ اثر ان پر مری تقریر کا

کوئی آیا تری جھلک دیکھی — کوئی بولا سنی تری آواز

جب تم آتے ہو سامنے تو کوئی — اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے
عزم اتنے ہوئے ہیں پختہ کہ اب — دل ارادہ سے کانپ جاتا ہے

کسطرح یہ دل کا بوجھ ہے، اللہ میں کیا تدبیر کروں — آنسو میں کہ بلبلے پڑتے ہیں، دل ہے کہ وہ بیٹھا جاتا ہے

میری میت پہ کیوں تری تصویر — دوستوں کو دکھائی جاتی ہے
لوگ مڑ مڑ کے دیکھتے ہیں اُنھیں — لاش میری اُٹھائی جاتی ہے

تیرے ملنے سے قبل بھی مجھکو — عقا مگر اسقدر ملال نہ تھا

نہیں معلوم کیا کھوئی ہوئی شے یاد آتی ہے — ہوا جب سرد چلتی ہے کلیجہ تھام لیتے ہیں

انکی صورت ذرا دکھا دینا — مجھ سے میرے کفن ہٹا دینا

چاندنی رات ہے سمندر ہے — ہائے اُسوقت آپ بھی ہوتے

میرے رونے کا یہیں قصہ ہے — عمر کا بہترین حصہ ہے

ہر چیز کائنات کی لبریز یاس ہے — دل کیا اُداس ہے کہ زمانہ اُداس ہے

یوں مسکرا رہے ہو کہ دل کو نہ کل پڑے — کیا چاہتے ہو مجھ سے کلیجہ نکل پڑے

کل شب کو چاندنی میں پھر اسکی یاد آئی — ہم جانتے تھے دل سے وہ محو ہو گیا ہے

آنسو نکلے ہو تو تم بھی کچھ حال دل کا سن لو گذرا ہے جو ادھر سے کچھ دیر رو گیا ہے

جوش مر رہنے کی جی مین ٹھان لین ابتو اس دل ہی کا کہنا مان لین

خموشی دیکھکر دل زندگی سے ہٹ گیا ہوتا اگر تم ہنس نہ دیتے تو کلیجہ پھٹ گیا ہوتا

جس لطافت و پاکیزگی سے اپنے جذبات نظم کیے گئے ہین وہ یقیناً مستحق ستائش ہین ان اشعار مین کنایہ - انداز بیان - اور جذبات کی الگ الگ مثالین موجود ہین اور اُن سے ہر شخص لطف اُٹھا سکتا ہے - تغزل کے لیے جس خوبی کی ضرورت ہوتی ہے اور جتنی شیرینی اسمین ہونی چاہیے وہ سب موجود ہے - کہین کہین کلام مین رنگینی و رعنائی بھی پیدا ہو گئی ہے اور بعض جگہ کمال یاس و نومیدی کے جذبات اسطرح ادا ہو گئے ہین کہ جوش صاحب کا کلام یقیناً حضرت اکبر یا شرر کی تعریف سے بے نیاز ہو جاتا ہے -

جوش صاحب کا اکثر کلام اسی رنگ مین ہے لیکن کہین کہین اُنھون نے اتنا عاشیانہ رنگ پیدا کر دیا ہے جسکو دیکھکر حیرت ہوتی ہے - مثلاً

ہر آشین پہ دو اک زخم کاری دل پہ کھاتے ہین سفر کرتے ہین یا ہم جنگ کے لیے جیتے جاتے ہین

رنگین رخون نے ذبح کیا دل تو ریل پر مرنے کو اور جائے پنجاب میل پر

یون ہم اس شوخ کو پہلو مین لیے بیٹھے ہین کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ پڑے بیٹھے ہین

آخری شعر کا پہلا مصرعہ - تو میرے نزدیک جوش صاحب کی شاعری کیلیے حقیقی معنی مین ننگ ہے

آپ اک جلوہ سراپا مین سراپا اک نظر اپنی حاجت دیکھیے - میری ضرورت دیکھیے

حضرت اکبر کا شوخ

دنیا کی کیا حقیقت اسمین ہمسے کیا تعلق وہ کیا ہے اک جھلک ہے ہم کیا ہین اک نظر ہین

میری حالت دیکھیے اور اُنکی صورت دیکھیے بھر کلام موزون سے قانون قدرت دیکھیے

خوب ہے۔ معشوق کی لالہ گری اور عاشق کی جامہ دری۔ گویا قانون قدرت کی مجمل تفسیر ہین داغ نے بھی صورت و قدرت کو لکھا ہے۔ اور کسقدر حسن کے ساتھ۔

تیسری صورت کو دیکھتے ہین ہم　　اُسکی قدرت کو دیکھتے ہین ہم

الجھن سی یکایک ہوتی ہے دم رکتا ہے دل گھبراتا ہے　　جب کوئی تسلی دیتا ہے کچھ اور بھی گھبراتا ہے

تسلی دینے کے بعد بھی جی کا گھبرانا۔ وہ جذبات ہین جو میر کا مطمح نظر رہے ہین۔

دل کے معمور کی مت کر فکر فرصت چاہیے　　ایسے ویرانے کے اب بسنے کو مدت چاہیے

ساری دنیا ہے ایک پردۂ راز　　اُف رے تیرے حجاب کے انداز

غالب کا فلسفہ کچھ اور ہے

محرم نہین ہے تو ہی نواہاے راز کا　　یان ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

کتاب کے شروع مین جوش صاحب کی تصویر ہے، اسکے علاوہ جا بجا اور بھی دلکش تصویرین ہین مگر بعض تو حد درجہ ناموزون ہین۔ اگر تصویرون کی ضرورت تھی۔ تو اُنمین ایشیائی مذاق پیدا کرنا چاہیے تھا۔ اُمید ہے کہ دوسرے اڈیشن مین یہ نقص دور کر دیا جائیگا، جو جناب جوش کی سلیم المذاقی پر بدنما داغ ہے۔

قمر بھوپالی

ترانۂ عید

دنیا مین آج سب کو خوشی بیقیاس ہے
او غم نصیب آج بھی تو وقفِ یاس ہے
احسن یہ محویت، یہ خوشی، یہ بیخودی
کیا آج عید مین بھی ترا دل اوداس ہے

احسن سنبھلی

کلام نہال

نہال الدین صاحب نہال - موضع ڈبکیا - ضلع بلی بھیت کے رہنے والے تھے تعلیم پرائیوٹ طور پر حاصل کی تھی - فارسی مین کامل دستگاہ رکھتے تھے - مبدء فیاض نے شاعرانہ دماغ عطا کیا تھا - عنفوان شباب مین "کسی" کے حسن کی کارفرمائیون اور سحر اثر نگاہون نے ایسا از خود رفتہ بنا دیا کہ آخر عمر تک دیوانہ ہی رہے - چار ابرو کا صفایا اُنکی وضع خاص مین داخل تھا" خذ ما صفا و دع ماکدر" کی قیود سے بالکل آزاد تھے - ناکامئ جاوید نے عشق حقیقی کا راستہ دکھا دیا تھا - ان کا تمام کلام حقیقی جذبات اور وجدانی حسیات سے لبریز ہے جو چوٹ کھائے ہوئے دلون پر نوک نشتر کا کام دیتا ہے - شاعری مین اُنکو کسی سے تلمذ نہ تھا - جب دل مین درد اُٹھتا تھا - جب کسی کی یاد بیچین کر دیتی تھی جب کسی کا تخیل غمناک بنا دیتا تھا تو جذبات خود بخود دیوان شعر کی صورت مین ظاہر ہوتے تھے، اور یہ جنون پرست شاعر کاغذ یا ٹھیکری اونچن اٹھا کر پھینک دیا کرتا تھا، قدر دانان سخن انکے کلام کو چن چن کے حرز جان بنا لیتے تھے، مجھے بھی ایک محترم دوست کی بدولت انکے کلام کا کچھ حصہ مل گیا، پڑھتا ہون اور لطف اُٹھاتا ہون، آج ان الہامات شاعری کو ناظرین زمانہ کی خدمت مین بھی پیش کرتا ہون،

حقیقت یہ ہے کہ سوز گداز نہال کے کلام کا خاص حصہ ہے - کہین کہین شوریدگی کی جھلک بھی نظر آجاتی ہے، بعض بعض الفاظ بیمحل استعمال ہوئے ہین، لیکن تخیل مین جذبات کا رنگ غالب ہے -

اس کا علاج کیا ہے - تباچارہ گر مجھے
صحت مین یاد آتے ہین زخم جگر مجھے

دن رات ہے تو ہم دحشت اثر مجھے
جادو سا کر گیا ہے وہ جادو نظر مجھے

کچھ آرزوئے وصل ہو، نے جستجوئے یار
وحشت پھرا رہی ہے - یونہی، ادھر مجھے

نے عمر بے ثبات نہیں اسپہ اعتبار — عبرت سکھا گیا یہ چراغ سحر مجھے
تاریکیٔ لحد میں ذرا آگئی ہے نیند — اے خواب زلف یار پریشان نہ کر مجھے
محشر میں ہاتھ جوڑ کے ظالم نے اے نہال — کس لطف سے کہا ہے کہ رسوا نہ کر مجھے

مطلع پڑھیے اور دل تھام کر رہ جائیے۔ آخری شعر کو پڑھکر گھنٹوں وجد کیجیے۔ خدا جانے نہال نے یہ کیا کہدیا ہے۔ اس غزل میں جذبات کے علاوہ تخیل کی بلند پروازی اور زبان کی شستگی بدرجۂ اتم موجود ہے اور جب یہ خیال کر کے پڑھیے کہ یہ اس دیوانے کی غزل ہے جو ہوش وحواس سے بیگانہ تھا، تو استعجاب کے ساتھ لطف کلام کی بھی حد باقی نہیں رہتی۔

بال کھولے سر بالیں نہ کوئی آبیٹھا — ہم نے مانا کہ طبیب آئے۔ دوا بھی آئی

مار ڈالیگی کسی کو یہ ادا بگڑی ہوئی — رنگ رخ اُترا ہوا۔ زلف رسا بکڑی ہوئی

"بال کھولے" کو پڑھکر جذبات میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔ دونوں شعر مذاق سلیم کے لیئے بہت زیادہ کیف انگیز ہیں۔

نہال کا فارسی کا کلام جذبات وتاثر۔ تخیل وبندش اور زبان کے اعتبار سے بہت بلند ہے اور میرا تو یہ خیال ہے کہ انکا فارسی کلام۔ اُردو کلام سے بلند تر ہے۔ کیا خوب فرمایا ہے:۔

صبر وسکون عاشقان دیدن روئے خوب تست — عیش ونشاط زندگی ساقی ساغر وسبو است

اناالحق شورش دل بود۔ شب جائیکہ من بودم — خیال غیر۔ باطل بود۔ شب جائیکہ من بودم
ہمہ اسباب عالم۔ اینکہ پیش تست وے بینی — بہ اصل خویش مایل بود شب جائیکہ من بودم
ملک بر دربانی۔ من دیارم۔ یہ ایوانے — مرا این عیش حاصل بود شب جائیکہ من بودم
درآن وادی پرحیرت۔ نہ کس یارے نہ غمخوارے — مگر درتو۔ دردل بود شب جائیکہ من بودم
تن پُرخون۔ نہال خستہ۔ پیش خاک درد قصان — سرشس بر پائے قاتل بود شب جائیکہ من بودم

شنیدم نامۂ میر سد — نوید آمد دل رُبا۔ میر سد

بآغوشم آمد کہ در خواب رفت — زانفاسِ سردم ہوا میرسد
زہے است آن مرغِ نازِ الست — کہ آواز قالو بلیٰ میرسد

اے مزاحمتی یہ اعتدال نہ شد — بادۂ انگبین خمسار آورد
اندریں دشتِ خارزارِ جہان — مانگی آمدیم۔ یار آورد
خلق ہمچو نسیمِ این کہسار — دستِ بر قلبِ بیقرار آورد

نہال عالمگیر جنگی بخار کی دستبرد سے جانبر نہ ہو سکے۔ اور اب وہ ان پہونچ گئے ہیں جہاں ہماری آرزوئیں رہا کرتی ہیں۔ ہم نہال مرحوم کے اردو کلام کا کچھ حصہ ناظرین زمانہ کی منیافت طبع کے لیئے پیش کرتے ہیں، ارباب نظر ان ادبی جواہر ریزوں کی قدر کریں اور مرحوم کی روح پر دعائے خیر کے پھول برسائیں۔

"مجنون۔ جو مر گیا ہے۔ تو جنگل اودا س ہے"

تم میں طرح سے چاہو۔ روا ہے نہیں ستم — میں نامرادِ عشق ہوں پر دعا کا کیا
جلجائے کوئی۔ برقِ تبسم کو کیا غرض — بجلی گرے کہیں۔ ننگ سراپا کا کیا
جانے کے بعد آپ کے رویا بہت نہال — کہتا تھا۔ ہائے عشق۔ کسی بے وفا کا کیا

جب مستِ ازل نے خم و خمخانہ بنایا — عاشق کی مومیٔ خاک سے پیمانہ بنایا
اصلاح ہوئی صنعتِ صناعِ ازل کو — مشاطہ نے۔ خالِ رخِ جانانہ بنایا
فرزانگیٔ عشق گئی۔ عقل کو زک دی — اس حسن نے آخر مجھے دیوانہ بنایا
مخلوط ہوا آج نہال آپ سے ملکر — اِک جام میں ساقی اُسے مستانہ بنایا

غصہ کے پردہ میں آنے لگا — تیرا حسن جلوے۔ دکھانے لگا
یقین ہے کہ خون ہو گیا۔ لختِ دل — جو اشکوں میں مل مل کے آنے لگا
عجب طرح چھیڑا گیا سازِ عشق — کہ واعظ نیا راگ گانے لگا

یہ نہ پوچھ - اے بُتِ ما ہوش - مرا حال فراق مین کیسا رہا
کہ عجب طرح سے مٹا ہون مین نہ فنا ہوا نہ بقا رہا

مرا دعوئ عشق ہی خام تھا - مرے جذبۂ دلمین قصور تھا
جو ملا تو تم سے نہ مل سکا - جو جُدا ہوا تو جُدا رہا

کبھی آتشِ شوق بھڑک اُٹھی - کہ تمام جسم سُلگ گیا
کبھی دیدۂ تر سے مدد ملی کہ یہ آگ کا شعلہ دبا رہا

وان زعفرانی سنواری گئین - اُنڈی ہین یہ لاکھ شک
یہ بھی کوئی انداز ہے - بیٹھے ہوے پھرون آئینہ مین آپ اپنی ادا دیکھتے رہنا

کچھ ایسی ہی بیباک ہوئی ہین - وہ نگاہین پردہ سے بھی آتی ہے حیا دیکھتے رہنا
تم آؤ تو سینہ مین اک لطف ہے واعظ پینا نہ سہی - مے و خدا دیکھتے رہنا

اِک مایۂ صد نازِ تہنال - آپ کا دل ہے لے جائیگی وہ لاکھ بچا کر دیکھتے رہنا

شوخی تری رفتار کی - تجھسے بھی سوا مست بیڈھب ترے انداز ہین - اے طرفہ ادا مست
ساغر پہ پڑا عکس تو ے جوش مین آئی ہنسکر جو لیا جام - تو مختار ہوا مست
ہے اُترے ہوے نشۂ الفت سے پریشان فریاد ہے ساقی - کہ تہنال اب نہ رہا مست

اے صبا - غیر کے گھر جانے کا دون خاک ثبوت تو تو نقشِ کفِ پا - جاکے مٹا بھی آئی -
بال کھولے - سر بالین نہ کوئی آ بیٹھا ہم نے مانا کہ طبیب آئے دوا بھی آئی
اب کہان خانۂ دل مین مرے سامانِ نشاط تیری الفت تو وہان آگ لگا بھی آئی

مشاطہ سے - اُس شوخ کا پوچھا تھا سراپا ظالم نے بتایا - "وہی ایسا - مگر اتنی"
مین بادہ وشِ عہد یزدان بھی نہ ہوتا اے واعظ ے! - اے شوخئ برق نظراتی!
تم شام سے آجاتے تو ہوتی نہ قیامت تکلیف نہ دیتا - مجھے درد جگر اتنی
تا باب اجابت نہ سہی - کچھ تو فسہ بن ہے کاہیدگئ نالۂ عاجز اثر - اتنی

"تسمل بریلوی"

تنقید کتب

حزن اختر

یہ مثنوی سلطان عالم واجد علی شاہ جنت آرامگاہ کی یادگار ہے، اسمین وہ آنسو جمع ہین جو حالت اسیری مین اودھ کے آخری تاجدار کی آنکھون سے ٹپکے تھے، دائرۂ ادبیہ نے ان سچے موتیون کو رشتۂ اشاعت مین پروکر دوبارہ ملک کے سامنے پیش کیا ہے۔

پہلی مرتبہ یہ مثنوی ۱۲۷۶ھ مین خود ظل اللہ جہان پناہ کے مطبع مٹیا برج مین چھپی تھی جہان گلزار اودھ کا یہ آخری پھول اپنی خزان اثر بہار کا تماشا دکھا رہا تھا، لیکن اب مدت سے اس کا کہین پتہ نہ تھا گویا اپنے مصنف کے ساتھ یہ بھی فنا ہوچکی تھی، خدا جانے مولانا محبوب علی نے کہان کہان کی خاک چھان کے اس گوہر گرانمایہ کو ڈھونڈھ نکالا، اور اُن آنسوؤن مین جو اس مثنوی کے ہر ہر شعر کے دامن مین اب تک پنہان ہین نئے سر سے ایک تازہ روانی اور ایک خاص سوز و گداز بھر دیا اودھ کے ڈوبتے ہوئے ستارے کی جھلملاتی ہوئی کرنون کا نظارہ کرنا ہو تو حزن اختر کا مطالعہ کرو، اسمین مظلوم بادشاہ اودھ کی وہ جگر خراش فریادین، وہ جگر سوز آہین، پنہان ہین جو حالت اسیری مین اُسکے مُنھ سے نکلی تھین، وہ کبھی کبھی اپنی بیکسی پر اس حسرت سے آنسو بہانا ہے کہ آج بھی اُسکے اشک غم کا تصور ہیرے کی کنی بنکر دل مین اُتر جاتا ہے) وہ زندان کے مصائب یار آشنایون کی بیوفائی، اپنی ناکردہ گناہی، اور فیدِ فرنگ کی سختیان، اس دردناک طریقہ سے بیان کرتا ہے کہ روح تڑپ جاتی ہے۔

حزن اختر کے شروع مین مولانا شرر لکھنوی کا زبردست مقدمہ ہے جسکی شان ہماری تعریف سے بالاتر ہے، اسکے بعد سلطان عالم حضرت واجد علی شاہ اختر فرمانروائے اودھ کا خود ہے

پھر مثنوی کا آغاز ہے، حمد و نعت و منقبت کے بعد ایک پر درد ساقی نامہ ہے، ساقی نامہ کیا ہے گویا رندی و بیکسی کا ایک عبرتناک مرقع ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں،

پلا ساقیا وہ مئے سرخ رنگ	کہ ہو نشہ سے جس کے دلکو اُمنگ
کھچے تاک انگور سے شراب	جو سونگھے سے دے بوئے عطر و گلاب
شراب صفا کا اک جام دے	ذرا دخت رز کو یہ پیغام دے
کہ ہے طالب وصل اک بادہ خوار	ہے جام محبت کا اُن کو خمار
اکیلا ہے زندان مین اک بے پرست	شب و روز ہے خوف روز الست
مہینون سے ہے طالب وصل یار	نہ زندان مین پہونچی نسیم بہار
نہ آتی ہے جان نہ نکلتا ہے دم	تحیر ہو گئی رنج ہے چشم نم
نہ تسکین کو ہے پر تو آفتاب	تماشے کو آتا ہے نہ سین ماہتاب
ہوا بھی جو آتی ہے تو سہمگین	نہ یار و نہ مونس نہ کوئی قرین
رفیقون نے چھوڑا اکیلا مجھے	سمجھون نے کنوئین مین ڈھکیلا مجھے
عیال اور اطفال لوٹے گئے	جہان مین مرے لال لوٹے گئے
کوئی مضطرب ہے کوئی نالہ کش	کوئی پیٹتا ہے تو آتا ہے غش
بدن نار سطرے مل مل گیا	کلیجہ مصیبت سے ہل ہل گیا
نہ کھانے کا اسباب ہو کچھ نصیب	نہ پانی کا ہے ذکر ہے کے قریب

دراصل یہ مثنوی، واجد علی شاہ کے مصائب کی سچی تاریخ ہے، جو خود انھین کے خامۂ مصنوعی تحریر کی ممنون نگارش ہے۔ یعنی جو جو واقعات انتزاع سلطنت سے لیکر فورٹ ولیم کی قید، اور مٹیا برج کے قیام تک وقتاً فوقتاً پیش آتے رہے، اُن سب کو خود اُس محروم سلطنت نے نظم کا جامہ پہناکر حزن اختر بن جمع کر دیا ہے،

تمہید کے سلسلے مین جو اشعار لکھے ہین، اُن کو پڑھکے اُنکی بیکسی کی تصویر آنکھون مین پھرجاتی ہے۔ فرماتے ہین،

وہ قصہ سُنا جو سراسر ہو سچ	نہ اپنی طرف ہو نہ غیرون کی لاگ

وہ قصہ سُنا جو گوا ہی رہے — فقیہہ ی مین بھی بادشاہی رہے
عجب وقت یہ داستان ہے لکھی — کہ قانید مین بخت بد مختفی
قلم نہ سیاہی نہ کاغذ دوات — کہ نایاب ہو جیسے آب حیات
نہ قابو مین دل تھا نہ میرا دماغ — وہ کنج قفس یا شغانے کا باغ

، قید خانے کے حالات اسطرح لکھتے ہین ،

ہر انگلی کا عالم ہے جیسے قلم، — دیا نار بھڑکے ہے وہ بھسم
یہ آنکھون کا عالم ہے فوارے ہین — دماغ و جگر رنج کے مارے ہین
بھرے تھے جو بازو مرے گول گول — بکین تو ہین اب وہ کوڑی کے مول
ہیبنون ہوئے لگ گئے دونو پاؤن — نہ چلنے کی صورت نہ پھرنے کا داؤن
وہ گرمی کا رُخ سامنے کی وہ دھوپ — اڑاتی ہے ناطاقتی رنگ و روپ

اگرچہ لحاظ طوالت ہم نے صرف چند شعر انتخاب کیے ہین تاہم انہین سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ واجد علی شاہ کی بیکسی کا کیا عالم تھا، آگے چلکر، در صفت ہیئت النسلائے قید خانہ، کے عنوان سے فرماتے ہین

پھر اُس پر غضب چار سنڈاس ہین — کہ مجھ دل جلے کے وہ سب پاس ہین
طبیعت یہ جو ہوتی ہے برسات کی — یہ گھٹس جو ہوتی ہے ہر رات کی ہ
اُبھرتی ہے ہر عطر دان کی جو بو — کہ جھلی طرح مرچون کی ہو تند خو ہ
سگھتا ہے اس سے دماغ ضعیف — ہوا جاتا ہے اور بھی دل ضعیف

ان اشعار کو پڑھیئے، اور غور کیجیئے، کہ وہ شخص جسکے لیئے دنیا کی ساری آسایشین میسر ہون، اس بیکسی کے ساتھ قید مین زندگی بسر کرے تو اُسکے دل کی کیا کیفیت ہوگی، ایک مرتبہ لارڈ کیننگ نے خط لکھا تھا، کہ آپ زندان کے سزاوار نہ تھے، یہ سب مفسدون کی شرارت تھی، آپ چند دن کے لیے تبدیل مقام فرمائین — تاکہ فتنہ و فساد کا دروازہ بند ہو جائے، اسکے جواب مین واجد علی شاہ نے یہ تحریر بھیجی تھی، اُسمین لکھتے ہین،

قسم اپنے قرآن کی اے جناب — یہ قرآن بروح رسالت مآب
مین آگاہ اس شبہ سے ہرگز نہین — یہ بہتان ہوا ہے کہین کا کہا

مجھے حکم ہو اپنے گھر مین رہون — جواب اطاعت جو دنیا سے دون
جہان مین رہونگا ثنا خوان ہون — گرفتار غم مین پریشان ہون

لارڈ کیننگ کے التفات خاص پر واجد علی شاہ کو یہ حوصلہ ہوا کہ اپنی رہائی کی درخواست کرین اور اُنکا تو حق بجانب بھی تھی لیکن انکی درخواست کا جو اثر ہوا اُسکو خود یون ظاہر فرماتے ہین،

نہ آیا گر بھیجا خط کا جواب — نہ مجھسے کیا پھر کسی نے خطاب

قید خانے مین ایک بدمست گورے نے اُنکو بُرا بھلا کہا، اُسکے متعلق لکھتے ہین،

خصوص ایک شب آنکھ میری لگی — نہ تھی نیند تھی بلکہ وہ اک غشی
کہ اک صاحب آکر زبان پر یہ لائے — خداوند کہلے نہ وہ پھر سنائے
جو کچھ جی مین آیا مجھے بک گئے — یہان تک بکے آخر تھک گئے
کبھی کہتے تھے یہ ہی راجہ ہے راہ — ارے مل کے اسکو کرو سب تباہ
مرے بابا اور میسم مارے گئے — عزیز اس جگہ سے ہمارے گئے
کرون ایسے راجہ کی گردن حلال — بکھیڑا ہی جائے مٹے یہ وبال

اسوقت کا تصور کرو جب ایک عظیم الشان بادشاہ کو ایک معمولی گورا سپاہی دو مدوُرا بھلا کہہ رہا ہو، اور پھر وہ بیکس بادشاہ اتنا کہنے کا بھی اختیار نہ رکھتا ہو، کہ سامنے سے ہٹ جاؤ، اگرچہ اسی سلسلہ مین یہ بھی لکھا ہی، کہ مینے کرنیل سے شکایت کی اور اُنھون نے اُسے موقوف کردیا لیکن اس سے اُس توہین کی تلافی نہین ہوسکتی۔

خاتمہ کتاب پر ایک مناجات ہے جسمین نہایت سوز و گداز کیساتھ پُر اثر لفظون مین خدا سے اپنی مخلصی کی التجا کی ہے۔

اگر اُس کلی کی پژمردگی دیکھنا ہو جو گلزار اودھ کی آخری بہار مین کھلی نسیم عیش کے جھونکون مین چٹکی اور رنگینیون کے جھرمٹ مین مسکرائی، تو مثنوی حزن اختر کی سیر کرو۔

بلاشبہ حزن اختر کی اشاعت پر مولانا محبوب (ناظم دائرہ ادبیہ) کی ذات گرامی قابل رشک اور اُنکی سعی جمیل لایق تحسین ہے۔ خدا کرے وہ آیندہ بھی اس قسم کے جواہر ریزے

دنیائے ادب کے سامنے پیش کرتے رہین جو زمانہ کے ہاتھون خاک مین مل رہے ہین۔

یہ کتاب، چھوٹی تقطیع کے ۱۴۹ صفحے پر شایع ہوئی ہے، شروع مین مولانا شرر لکھنوی کا مبسوط مقدمہ اور آخر مین، شکریہ کے عنوان سے مولانا محبوب کا قابل ضمیمہ شامل ہے کتابت وطباعت کی عمدگی کے علاوہ جلد نہایت خوشنما اور نظر فریب ہی، جسپر سنہرے حرفون مین بخط جلی حزن اختر لکھا ہے۔

قیمت مجلد عہ غیر مجلد ۸ر

"طالبین دائرۂ ادب محمود نگر لکھنؤ سے طلب فرمائین۔"

نگار

یہ ادبی صحیفہ ہر مہینہ کے تیسرے ہفتہ مین آگرہ سے شایع ہوتا ہے، حضرت نیاز فتحپوری اسکے مدیر ہین۔ اس مین، علمی، تاریخی، ادبی، ہر قسم کے مضامین بالالتزام شایع ہوتے رہتے ہین

مجلہ نگار کا تیسرا پردہ اُٹھ چکا ہے جسمین عروس ادب فروکش ہے، یعنی نگار کا تیسرا نمبر شایع ہو چکا ہے اور وہی اسوقت ہمارے پیش نظر ہے، اسمین نظم ونثر کے چھوٹے بڑے سترہ مضامین شایع ہوئے ہین جسمین سے دس جناب نیاز فتحپوری کے قلم سے نکلے ہین،

ملاحظات مین جناب نیاز نے اپنی ادبی فطرت کے خلاف اعلان کر دیا ہے کہ ٹیگور کے رنگ کا کوئی ایسا مضمون شایع نہین کیا جائیگا جسمین کچھ ندرت نہو، حالانکہ خود نیاز صاحب اس طرز تحریر کے دلدادہ ہین اور اکثر مضامین اسکے شاہد ہین جو دوسرے رسالون مین چھپتے رہتے ہین۔ ہمارون کے کسی گزشتہ پرچہ مین آپ کی طرف سے چند سطرین بطور فٹ نوٹ شایع ہوئی تھین، جو اسی رنگ مین ڈوبی ہوئی تھین، ہان اسمین ندرت ضرور تھی کیونکہ اُسکا ایک فقرہ غالباً یہ تھا، درآنحالیکہ اُسکی آنکھون سے عشق پرواز قہقہے چھلک رہے تھے، اگر ندرت اسی عشق پرواز قہقہے مین مخفی ہے تو کاش نگار اس ندرت سے ہمیشہ کے لیے محروم رہتا،

ابتدا مین دو تاریخی مضامین ہین جنکی خوبی مین کلام نہین، لیکن لالہ رُخ کے عنوان سے جو تا تمام اور طویل افسانہ، بہ سلسلہ اشاعت مابسبق، شایع کیا گیا ہے، اسمین اردو ادب کے عجیب

غریب نونے موجود ہیں، صاحب مضمون ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں

" غریب لڑکی، اگر تو میرے پاس اسلئے بھیجی گئی ہے کہ اپنے حسن کی نابناکیوں، اور اپنی موسیقی کی لطافت باریوں سے میرے دلکو غیر مقدس خواہشات لبریز کر دے۔"

اسمیں نابناکیوں، لطافت باریوں اور غیر مقدس، کا استعمال اسقدر بیموقع اور غیر فصیح ہے کہ اُردو زبان اس ثقالت کی متحمل نہیں ہوسکتی، اسی طرح رقیق رقص، موسیقی، سیال، کوثر نگاہ، جاذب سامعہ وغیرہ نہایت غیر فصیح بلکہ مہمل ترکیبیں ہیں، بہتر ہو کہ نیاز صاحب اس قسم کی ترکیبوں کا کوئی لغت طیار کر دیں تاکہ ناظرین نگار کے لیے آسانی ہو جائے۔

دوسرا افسانہ محبت کی دیوی، خاص نیاز صاحب کی تخیل کا ممنون ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ بلحاظ عبارت آرائی یہ افسانہ بہت ہی دلکش ہے لیکن نری لفاظی ہی لفاظی ہے، قصہ صرف اتنا ہے کہ رادھا نے سندر میں کسی شخص کو دیکھا اُسنے رادھا کو شرافت وعزت کی دیوی سمجھکر اُسکی طرف کوئی حیاسوز التفات نہ کیا، رادھا اُسکے عشق میں چند دن تک گھلتی رہی، اور انجام کار ایکدن شب کے وقت سندر میں جاکر خودکشی کر لی، اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا، اسکے علاوہ سیاق عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رادھا حیاسوز التفات سے واقف تھی درآنحالیکہ اسکی معصومیت گھونگھٹ کے اندر بھی نگاہ کو پلکوں سے باہر نہ نکلنے دیتی تھی، اخلاق کی یہ قلابازی کسقدر خلاف عقل ہے

نیاز صاحب نے رادھا کی زبان سے بھاشا کے فقرے ادا کرنے کی کوشش ضرور کی ہے لیکن اسمیں کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ استھان ویر مانیتور کے ساتھ، الوہیت محسوس معبد ستراٹین نگاہ محبت فروز وغیرہ وغیرہ کا کوئی جوڑ نہیں،

آلہتہ الجمال، سیم افشانیان، لمعانیت، تماشا سوز حد، یہ وہ ترکیبیں ہیں جو رئیس التحریر نگار کے سوا کوئی لکھ نہیں سکتا، مل سکنے کی تمنا بھی خاص زبان ہے اسی افسانے کے نیچے ل احمد صاحب کی طرف سے ایک عجیب غریب تخیل پیش کی گئی ہے جسے پڑھکے حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی، خدا جانے اس معمے کا حل کیا ہے"

"فطرت کے مسرف ہونیکا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ اُسنے ہر عورت کو علیحدہ علیحدہ زبان دی ہے۔"

معلومات کی تحت مین کوئی خاص بات نہین، نہین گن، آہن پوش جہاز، ڈمڈم گولیان، تار بیڈ وغیرہ وغیرہ بارود وغیرہ وغیرہ، عام چیزین ہین، اگر آپ لکھین تو اس قسم کی ہزارون چیزین کاغذ پر کہان تک لکھیے مل سکتی ہین ۔

یا ران نجد کا صفحہ، خلوت خاص کا لطف رکھتا ہے، اصطلاحی زبان کو کون سمجھے نہ معلوم یاران نجد کا شیخ کون ہے ؟

نظم کوئی بھی نہین صرف غزلین ہین فانی صاحب کی غزل بہترین غزل ہے، سہا صاحب کی، غزل بھی خوب ہے لیکن مقطع مین ردیف کرد ہوگئی ہے ؎ "کیا پوچھ پیش ہے سہا بڑھکے گلے لگا بھی جا" "جا" کی جگہ "لے" ہو تو زیادہ مناسب ہے

یہ ماہنامہ نگار اردو ادب کا قابل دید رسالہ ہے۔ کاغذ عمدہ کتابت و طباعت دیدہ زیب، ماہوار ۸۰ صفحے پر شایع ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ پانچ روپیہ صہ، ششماہی تین روپیہ سے۔

شائقین ادب اس پتہ پر درخواست خریداری ارسال فرمائین " دفتر نگار من ٹولہ آگرہ "

نقیب

بدایون کا یہ ادبی چاند، ابکی مرتبہ شیخوپور ضلع بدایون کے افق پر نور سے طلوع ہوا ہے، وہی شان حسن، وہی ادب دوازی، وہی جلوہ نمائی، وہی سنجیدہ ظرافت، وہی سحر طرازی جو اسکی شعاعون مین پہلے تھی اب بھی ہے۔ لیکن نقیب کے پہلے پرچہ مین اڈیٹر نقیب کی معذرت یا تمہید اشاعت پڑھکر قدر دانان نقیب کے دل مین ابھی سے یہ خیال کانٹے کی طرح کھٹکتا ہوگا کہ معلوم نہین نقیب سے خیانہ الغیب کا زمانہ شروع ہوجائے۔ بہر حال ہماری دعا ہے کہ بارالہا نقیب کی عمر مین برکت دے اور اڈیٹر نقیب کو استقلال عطا فرما۔

شائقین ادب اگر متانت مین ظرافت اور ظرافت مین متانت کا جلوہ دیکھنا چاہتے ہین تو رسالہ نقیب کا مطالعہ کرین اور دفتر رسالہ نقیب (شیخوپور) بدایون کے پتہ پر درخواست خریداری ارسال فرمائین "

"اعظمی"

ایک دکھے ہوئے دل کی فریاد

عید کا چاند دیکھکر

خیر ہو تیرے خدا کی آج تو کچھ سی اٹھ رہی ہے پھر
دل کی تڑپ وہی ہے جگر سوز جگر وہی ہے پھر

چین نہیں کسی طرح بیکلی بین کروں نہیں ہزار
آنکھ سے نیند اڑ گئی دل سے چلا گیا قرار

جب نہ ملے مجھے قرار ہائے تو پھر میں کیا کروں
دل پہ نہو جو اختیار ہائے تو پھر میں کیا کروں

سوتے ہیں لوگ چین سے ہستی ہوئی اُجاڑ سی
آہ ہے رات کا سناٹا مجھکو ابھی پہاڑ سی

ہائے وہ ٹیس پھر اٹھی پھر ہوئی مجھکو بیکلی
دردوں کے ساتھ یا خدا جان حزیں نکل چلی

ضبط کی تاب اب نہیں آنکھ سے اشک ہیں رواں
کوئی کہے تو کیا کہے جب ہوں یہ بیقرار یاں

خون میں مل کے دل بھی آہ اشک کے ساتھ بہ گیا
سینہ میں اب بجائے دل درد ہی درد رہ گیا

سینہ میں دل نہیں تو پھر ہائے یہ درد کس میں ہے
دل کی جگہ ہے اور کون درد کی ٹیس جس میں ہے

آج تو آنسوؤں کے ساتھ خون بھی ہے ملا ہوا
ہائے مجھے یہ کیا ہوا غم نہ ہوا بلا ہوا

رات مری گزار دے دل کو ذرا قرار دے
دونوں نہوں تو یا خدا موت پہ اختیار دے

بھیجہ گزر رہی ہے جو کسکو بتاؤں اور کیا
مجھے دل تو آج خود بن کے زبان بول اٹھا

یاد ہیں دن کہ جب مجھے رنج نہ تھا الم نہ تھا
عیش کی زندگی تھی اور جان پہ کچھ ستم نہ تھا

میرے لیے بلائے جان دہر کی خواہشیں تھیں
دردوں کی کاوشیں یہ تھیں سنکڑوں کاہشیں تھیں

کوئی بھی دکھ نہ تھا اگر ہو تو مجھے خبر نہ تھی
جیسی ہے آج زندگی ایسی تو مختصر نہ تھی

سینہ میں دل بھی تھا مگر دل پہ یہ بار غم نہ تھا
داغ بہار دل نہ تھا سینہ لگا غم نہ تھا

ہائے یہ کس سے لڑ گئی اپنی نظر کو کیا کہوں
پھنس سی دل میں گر گئی آہ نظر تو کیا کہوں

آنکھ سے جب گئی نظر پھر وہ پلٹ کے آئے کیوں
آئی تو خیر آ گئی درد تو ساتھ لائے کیوں

چاند کو دیکھنے گئی، درد کو لیکے آئی ہے
ہاے یہ عید اور بھی مجھپہ عذاب لائی ہے

آگئی عید آگئی، سارا زمانہ شاد ہے
ہو مگر اسکو کیا خوشی آہ جو نامراد ہے

میرے بھی دل مین آئے یہ ایسی خوشی کو کیا غرض
غنچے کھلے ملے کوئی، ایسی کسی کو کیا غرض

رشک نہین حسد نہین، مجھکو سبھی کے عیش پر
مین بھی ہون خوش یہ آرزو لیتی ہے چٹکیان مگر

ہان کوئی یاد آگیا، دیکھکے عید کا سمان
دل مین اٹھا ہے درد سا، آنکھونسے اشک ہین رواں

تل گئے خون رونے پر جب مرے دیدہ ہاے تر
کچھ مجھے یاد آگیا، رہ گیا دل کو تھام کر

آہ کبھی مری بھی عید آتی تھی مجھکو یاد ہے
میرے لیے بہار عیش، لاتی تھی مجھکو یاد ہے

عید تو آئی ہے مگر، عیش کہان سے لاؤن مین
عید تھی جسکے دم سے آہ، انکو کہان سے پاؤن مین

عید وہ کیا کہ عیش کی، کوئی امید ہی نہین
جسمین نہو کوئی خوشی، عید وہ عید ہی نہین

پاس ہو جب شریک غم دکھ بھی کوئی الم نہین
اور نہ ہو انیس تو، عیش بھی غم سے کم نہین

سید محمود اعظم فہمی ترمذی

ایک انگریز ایک مسلم سے مخاطب یون ہوا
ہے عقیدہ مسلمون کا مین نے یہ حضرت سنا

جسنے یہ سمجھا کہ زندی زیست کا مقصود ہے
شک نہین اسمین ذرا وہ کندۂ دوزخ بنا

عمر بھر جس شخص کا شیوہ رہا کار ثواب
داخل جنت ہوا لاریب وہ مرد خدا

مین نے مانا کافرو بیکیش میری قوم ہے
اور اسمین نیک لوگون کا نہین لگتا پتا

ہاتھ دل پر ہان اگر یہ کہکر یہ فرمائین جناب
کیا نہین ہے ہم مین کوئی متقی و پارسا

قوم بھر مین ایک بھی گر آپ کے نزدیک ہے
قابل بخشش کہ جنت جسکو ہو جائے عطا

قوم کی کشتی کا پھر نوح نہین مطلق مجھے
ساحل مقصود پر سے جائیگا یہ ناخدا

لطف جنت چھوڑ کر پڑ جائیگا اس نکر مین
گلشن رضوان پہ کیونکر ہوگا قبضہ قوم کا

قوم ساری جب جہنم جائیگی جنت مین جناب
چین سے بیٹھے گا تب جاکر خدائی قوم کا

دیکھو فاضل! اتحاد قوم اس کا نام ہے
کہو ناکھین اعتماد قوم اس کا نام ہے

سلیم جعفر

سرِ بقا

(بجواب سرِ فنا)

اُٹھاؤں مفت میں کیوں ناز اضطراب کا بیخ
ابھی تو عیشِ تمنّا کا ہے مزا باقی

ابھی تو قلب میں طوفان آرزو ہے بند
ابھی ہے عہدِ تجلّا کا آسرا باقی

دبا رہا ہے مجھے یہ شکوہ قسمت کیوں؟
ابھی ہے مجھ میں ابھرنے کا حوصلا باقی

سکونِ مضطرب اک ہے اگر نہیں کچھ بھی
ابھی ہے ولولۂ آہِ نارسا باقی

نہ شکوہ ہے مجھے، مجبوریِ نگاہ کا اب
نہ اب ہے جلوۂ مغرور کا گلا باقی

نہ اب شکایتِ رنجِ گراں مرے لب پر
نہ اب حکایتِ صبرِ گریز پا باقی

نہ اب ہے قلب میں احساس، دعائے خلش
نہ اب ہے روح میں بیتابیِ دعا باقی

نہ اب حواس پہ طاری ہے وہ اساس و اساس
کہ عقل کا نہیں سرمایہ اب ذرا باقی

یہی تو عینِ حقیقت ہے، مٹ گئے کل نقش
"خیال میں نہ رہا رنگِ ماسوا باقی"

مجال کیا ہے تصورِ جو غیر کا آجائے
کہ میرے دل میں ہے سرمستیِ انا باقی

بنے نہ ہوش نظارہ، کہیں سرابِ نگاہ
ابھی مجاز سے ہے، اُس کا سلسلا باقی

نگاہ خیز ہے، ہر ذرۂ بدن میرا
نہیں ہے آنکھ کی اب جستجو ذرا باقی

کمالِ اوج پہ اُس حسنِ بے نیاز میں ہے
جمالِ شوخیِ رنگینیِ ادا باقی

جو خون ہوتا ہے ہو دل، عشق میں نہ رہنے دے
ابھی نکھرنے کو ہے رنگِ ارتقا باقی

کچھ اس طرح سے بدلجائے ہیئت میری
بیان ہو نہ سکے، کوئی کیفیت میری

گزر نہیں ہے وہاں گرچہ لفظ و معنی کا
مگر ہے قلب میں اک بے بہت صدا باقی

شمال بحر مجھے بے کنار ہوتا ہے
ابھی نمود کی اپنے ہے انتہا باقی

نہیں ہو کچھ نہ سہی، وقفِ سوز و ساز تو ہوں
ہزار شکر کہ آگاہِ امتیاز تو ہوں

سعید انصاری

لطفِ سخن

حضرت صفدر مرزا پوری

جگر کے زخم کی کیا فکر چارہ جو کرے — تمہیں نے چاک کیا ہے تمہیں رفو کرتے
چمن میں آپ سے کیا کھل کے گفتگو کرتے — یہ منھ گلوں کا جو دعوائے رنگ و بو کرتے
ہمارے آئینۂ دل سے کوئی بحث نہ تھی — تم اپنے ندِّ مقابل سے گفتگو کرتے
یہ لفظ ہے وہ معمّا کہ حل نہ ہو سکتا — تمام عمر اگر شرح آرزو کرتے
قیامت آئے نہ کیوں قبر پر سبو بردوش — ازل کے مست اُٹھے ہیں سبو سبو کرتے
تلاشِ یار میں مجھ سے بھی دو قدم آگے — نکل گئے ہیں مرے اشک جستجو کرتے
گرے ہوئے تھے ہماری ہی آنکھ سے صفدر — اِن آنسوؤں کی وہ کیا خاک آبرو کرتے

جناب محشر لکھنوی

عشق نے جب غم کو نہیں سے آزاد کیا — میں نے جی کھول کے ہر وقت تجھے یاد کیا
نزع میں یونہیں علاج دل ناشاد کیا — ایک ایک ہچکی پہ کیا کیا نہ اُنھیں یاد کیا
عشق دشمن سے بھی اپنے نہیں کرتا وہ سلوک — تو نے یوسف سے جو اے حسنِ خدا داد کیا
لذتِ ظلم نے جذبات کے یوں کھوئے حواس — رُخِ نسرین کا سودائے خانہ صیاد کیا
سامنے آنکھوں کے ہے منزلِ مقصد کا سواد — کوچۂ دوست سے قصد عدم آباد کیا
مل کے یکساں ہوئی لبیک و صدائے فریاد — اسطرح اہلِ محبت نے تمہیں یاد کیا
غم کا اپنا بنا لینگے خدائی سے الگ — اب کسی نے جو کبھی شکوۂ فریاد کیا
نظر آنے لگی تصویرِ طلسمِ غفلت — ہنس پڑا کھوئی ہوئی عمر کو جب یاد کیا
اونکی اس یاد پہ بھی دل سے فدا اے محشر — ہم بلائے گئے جب ظلم نے ایجاد کیا

مولانا محوی لکھنوی

قفس کو حسنِ فن سے ہم نے گلشن عمر بھر جانا
نکلنا ورنہ مشکل تھا، تو کیا مشکل تھا مر جانا

وہ دل جسنے تجھے جانِ تمنا عمر بھر جانا
اُسی کی ایک گستاخی پہ اتنا روٹھ کر جانا

تجھے بھی کچھ خبر ہے اے مئے عشرت کے متوالے
کہ کیا ہے اک جوان بے گنہ کا خون کر جانا

خدا کا رحم اُس بیمار غم پر مایوسِ ارمان پر
رفو کو جسنے درمان اور اجل کو چارہ گر جانا

نہ ہے دیوانگی اُس بے نیاز عقل و حکمت کی
کہ تیری رہگذر کو جس نے ظاہر اپنا گھر جانا

نگاہِ مست ساقی کیا بتا دیں اہل محفل نے
تجھے کیوں فتنہ زا سمجھا۔ تجھے کیوں فتنہ گر جانا

مرے مرنے کے بعد اللہ یہ کیا ہو گیا تم کو
جہاں ٹوٹی سی تربت دیکھنا دم بھر ٹھہر جانا

تمہیں کچھ اپنی جان و دل کی بھی پروا نہیں محوی
کسی کی جلوہ گاہ ناز میں اور یوں نڈر جانا،

جناب جگر مرادآبادی

آدمی نشۂ غفلت میں بھلا دیتا ہے
ورنہ جو سانس ہے تعلیم فنا دیتا ہے

روح پر جو بھی گزرتی ہو قصور میں تیرے
یہ تو ظاہر ہے کہ رگ رگ کو ہلا دیتا ہے

بادۂ ناب عجب چیز ہے ساقی لیکن
اور ہی کچھ ترے ہاتھوں سے مزا دیتا ہے

جھلملاتے ہوئے تاروں کا یہ اللہ رے اثر
سامنے سے کوئی پردہ سا ہٹا دیتا ہے

کوئی تڑپا دل مضطر کا نہ مجھ کو عزیز
کہ ترے درد محبت کا پتا دیتا ہے

مجھ سے میں دور کسی وقت نہیں ہوں غافل
دل میں بیٹھا ہوا کوئی یہ صدا دیتا ہے

مجھ سے حتی ترے غافل نہیں ہونے پاتے
روز آکر کوئی زنجیر ہلا دیتا ہے

ہائے کیا چیز گل داغ محبت ہے جگر
خشک ہونے پہ بھی جو بوئے وفا دیتا ہے

از سیّد محمد ہادی مچھلی شہری بی اے

بوجھ سینے کا دمِ نزع بھی ہلکا نہ ہوا — آہ کا ننگ مرے دلکو گوارا نہ ہوا
دلکی آنکھوں سے ہمیشہ اونہین دیکھا مین نے — کبھی رسوا مرا انداز تماشا نہ ہوا
آپکے وعدۂ فردا کا نتیجہ کیا ہے — دل محروم تمنا تو شکیبا نہ ہوا
عمر بھر کشمکش بیم و رجا مین رکھا — فیصلہ تیری نگاہون سے ہمارا نہ ہوا
کیجئے ترکِ تعلق کی شکایت کس سے — مدّعا خود ہی شریک دل شیدا نہ ہوا
ضبط کیون حائل اظہار مصیبت ہوتا — یہی حسرت ہی کہ مین درد سراپا نہ ہوا
اللہ اللہ تری برق نظر کی تاثیر — جب سے اب تک دل بیتاب شکیبا نہ ہوا
کیا قیامت ہی محبت کی بھی ایذا طلبی — زخم جو دل کو لگا پھر کبھی اچھا نہ ہوا
چھوڑ بیٹھے مجھے تقدیر پہ آخر ہادی — چارہ سازون سے علاجِ غم پیدا نہ ہوا

حضرت احسن سمبھلی ناظم حلقہ ادبیہ کانپور

کبھی ہنگامہ آرائے جہان تھی داستان میری — مگر اب سانس بنکر لب تک آئی ہی فغان میری
یہ ماضی ہے رسوائے زمانہ ہی فغان میری — ذرا پوچھو تو تم اپنی نظر سے داستان میری
چلی ہے کیا خیال ایسے اثر لیکر فغان میری — انھین شاید پسند آئے نہ آئے داستان میری
وہ مایوسی کا عالم وہ جہن سے آخری حسرت — نگاہین رکھیئن اُٹھ اُٹھ کے سوئے آسمان میری
خدا معلوم ہین کس رنگ مین دلکی تمنائین — کہ آئی خون مین ڈوبی ہوئی لب تک فغان میری
برنگ بوئے گل پھیلی ہوئی ہی نیرسوائی — صبا گویا لیئے پھرتی ہی ہر سو داستان میری
سر محفل ہوا راز محبت بیحجاب آخر — کہین پردے مین رہتی ہی نظر اُنکی فغان میری
غنیمت ہے اداسی بھی شب غم کی غنیمت ہے — کہا کرتی ہے ساری رات مجھسے داستان میری
وہ گھبرائی ہوئی صورت وہ شرمائی ہوئی آنکھین — نہ جانے اُنسے کیا کہہ آئی ہی جاکر فغان میری
بہار آئی ہے میری خانہ بربادی کے سامان مین — جھکی پڑتی ہے بار گل سے شاخ آشیان میری

انھین آنسو نہ سمجھو نالۂ خاموش ہین احسن
ہوئی ہی آشنائے رازِ خاموشی فغان میری

مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۲۵۱

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، عہ

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم، ۲ر

(دوسری ریڈر طبع دوم، ۴ر

رسالہ اہل سنت والجماعت، فرقہ اہل سنت والجماعت کے اصولی عقائد کی تحقیق، (زیر طبع)

حیات مالک، امام مالک کی سوانح عمری اور موطا مالک کا تعارف عہ

خلافت در ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور سلاطین ہند کے سکوک در کتبوں سے انکا ثبوت، ۸ر

دنیائے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد میں خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کے لیے دنیا کی مسلمان قومیں کیا جد وجہد کر رہی ہیں مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہیں، ۶ر

خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانوں اور اسلامی ملکوں کی گذشتہ صدیوں میں کیا خدمتیں انجام دی ہیں، عہ

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتوں کے جنگی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے، ۴ر

مولنا عبد السلام ندوی

اسوۂ صحابہ جلد اول، صحابہ کرام کے عقائد، عبادات اخلاق، معاشرت کی صحیح تصویر اور قرن اول کے اسلام کا علمی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، ضخامت ۵۰۰ صفحے ۱ر

اسوۂ صحابہ جلد دوم، صحابہ کے سیاسی، انتظامی، اور علمی کارناموں کی تفصیل، صفحات ۴۵۰، قیمت للعہ

انقلاب اسلام، ڈاکٹر لبنان کی مشہور کتاب قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ طبع دوم، قیمت عہ

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی، اخلاقی اور علمی کارناموں کا مرقع، قیمت عہ

مولوی عبد الباری ندوی

برکلے اور اسکا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی اور اوس کے فلسفہ کی تشریح مجلد عہ غیر مجلد عہ

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید میں برکلے کی مشہور کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت فہمیدہ اور سنجیدہ ترجمہ جس میں حواس انسانی پر بحث کرکے مادیت کا ابطال کیا ہے، مجلد عہ

مولوی عبد الماجد بی اے

مثنوی بحر المحبت، شیخ مصلح الدین سعدی کی ایک نایاب مثنوی مع سوانح مصنف، ۱۲ر

فلسفۂ جذبات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح، عہ

تاریخ اخلاق یورپ، لیکی کی مارل ہسٹری آف یورپ کا ترجمہ جس میں فلسفۂ اخلاق پر فنی مباحث کے علاوہ یورپ کے تدریجی اخلاقی رفتار کی تشریح کی ہے، قیمت جلد اول عہ، جلد دوم عہ

مکالمات برکلے، برکلے کے ڈائلاگس کا ترجمہ جس میں مکالمہ کی صورت میں برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے قیمت باختلاف کاغذ عہ غیر عہ

مولوی سعید صاحب انصاری

تفسیر ابو مسلم اصفہانی، (عربی) معتزلہ کی مفقود اور نادر الوجود عقلی تفسیر قرآن کے اجزاء جو نہایت دیدہ ریزی سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہیں، عمدہ ٹائپ میں چھپی ہے قیمت عہ

سیر الصحابیات، ازواج مطہرات، بنات طاہرات

اور عام صحابیاتؓ کی سوانح عمریان اور اون کے علمی واخلاقی کارنامے، قیمت عہ

پروفیسر سید نواب علی ایم اے

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک تحقیقانہ تصنیف اور فلسفۂ جدید اور مذہب کی باہمی تطبیق پہ بہترین تبصرہ عہ

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل اور قرآن مجید کی جمع وترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراض دربارۂ جمع قرآن کا جواب قسم اول، ہے، دوم ے

شمع سخن، پروفیسر نواب علی کی اخلاقی، قومی، اور فلسفیانہ نظمون کا مجموعہ، ۱۰

مولوی محمد یونس فرنگی محلی

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب "جماعتہائے انسانی" کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس مین انسانی جماعتوں کے اخلاق، ملک رہنمایون کی خصوصیات، اور جماعتون کے بننے اور بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہین، صفحہ ۲۳۲، عہ

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح عہ

تذکرۃ الحبیب، یعنی سوال نمبر صلعم کے اخلاق کا مفصل بیان عہ

مذہب کی باتین، بچون اور بچیون کی تعلیم کے لیے ۴

رسالہ قوت خیال، وہمی اخلاق کے باب مین ایک مشہور انگریزی رسالہ کا ترجمہ، ۴

اثبات واجب الوجود، یعنی ذات وصفات واجب الوجود پر عقلی پہلو سے ایک نظر، عہ

تاریخ ابوالبشر، کیفیت آغاز نوع انسانی حسب تحقیقات جدیدہ، عہ

منشی محمد مہدی صاحب نائب مہتمم تاریخ بھوپال

انسان، علم خواص الاعشار کے ابتدائی مسائل سلیس وعام فہم زبان مین، ۸

رموز فطرت، طبیعات طبقات ارض، ہیئت اور جغرافیہ طبعی کے ابتدائی مسائل عام فہم اور سلیس عبارت مین، عہ

منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال

بیگمات بھوپال، مصور ومجلد، ے

گیارہ قصے، اخلاقی، معاشرتی، مذہبی، ۸

نعت پیمبر عربی فارسی واردو کی چند نعتیہ نظمونکا مجموعہ، ۸

پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی

الاستدلال، اس مین علم منطق کے اصول نہایت خوبی وعمدگی کیساتھ سہل طریقہ سے بیان کئے گئے ہین صفحے ۲۰۱، ے

الانسان، اس مین انسان کے تمام تر انفسانی وجسمانی اور خصوصیات طبعی کی علمی تشریح کی گئی ہے صفحہ ۲۱۳، قیمت عہ

تسہیل [illegible]، اردو زبان مین فن فصاحت وبلاغت اور بدیع پر دلکش ودلچسپ انسان کتاب، ے

حکمت عملی، فن اخلاق پر جدید وقدیم معلومات کی جامع کتاب، ے

متفرق کتابین

یا دایام، مولنا عبدالحی صاحب حرم ناظم ندوۃ العلمانے اس کتاب مین گجرات کی اسلامی تاریخ کے مختلف پہلو دکھائے اور وہان کے امراء وزراء علما اور مشائخ کے حالات وعلوم وفنون کی ترقی نہایت دلچسپ تحقیق وتفصیل سے لکھے ہین، عہ

سیاحت مغربی، مولنا شبلی مرحوم کی فرمایش سے خواجہ سید رشید الدین صاحب نے مشہور پرفیسر میکس ہارک کے سفرنامہ مغربی کا اردو مین جو ترجمہ کیا ہے، عہ

بدیہہ گوئی، جناب پوش بلگرامی نے اس کتاب مین عربی فارسی اور اردو کے شعرا اور ادیبون کی بدیہہ گوئی کے دلچسپ واقعات یکجا کئے ہین قیمت عہ

الندوہ کی تمہین موجود ہین قیمت فی جلد ے روپیہ فی نمبر ۱ ریناور فیس وکمیشن ے